وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور اخلاقِ حسنہ

قومی و صوبائی سیرت ایوارڈ یافتہ کتاب

حافظ [illegible]

رحمت پبلشر

Marfat.com

حکومت پاکستان

حکومت پنجاب

سے سیرت نبوی ﷺ ایوارڈ یافتہ کتاب

Marfat.com

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم

اور

اخلاقِ حسنہ

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی زندگی کی ایک جھلک قرآنِ کریم اور احادیث کی معتبر اور مستند کتابوں سے ایسے اخلاق جن کی ضرورت آج کے اس دور میں اشاعتِ اسلام کیلئے بہت زیادہ محسوس کی جاتی ہے۔

حافظ زاہد علی

راحت پبلشرز
یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

Marfat.com

Copyright©
All rights reserved
Exclusive rights by the author. No part of this publication may be translated, reproduced, distributed in any form or by any means, or stored in a data base or retrieval system, without the prior written permission of the author.

راحت پبلشرز، لاہور
زاہد علی، حافظ
پیغمبر اسلام ﷺ اور اخلاق حسنہ
ص:360، 7x4
ISBN 978-969-9202-02-5
① سیرت نبوی ﷺ ② الاخلاق الاسلامیہ
عنوان:
248.5
زاہ۔پ

Designed & Composed by:
Qalam-e- Ayaz
0333-4331105, 0301-4144737

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم
اور
اخلاق حسنہ

حافظ زاہد علی
+92 300 944 544 1
Hafizzahidali@gmail.com

1431
2010

RAHAT PUBLISHERS
یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور
rahatpublishers@hotmail.com

Marfat.com

380/2 K-4731
5

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى

نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه

ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيأت اعمالنا

من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له

ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له

ونشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله

صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه اجمعين

UNIVERSITY
LIBRARY

Marfat.com

انتساب

سرورِ کائنات
احمدِ مجتبیٰ
محمدِ مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم
کی بارگاہِ عالی میں
نذرانۂ عقیدت

Marfat.com

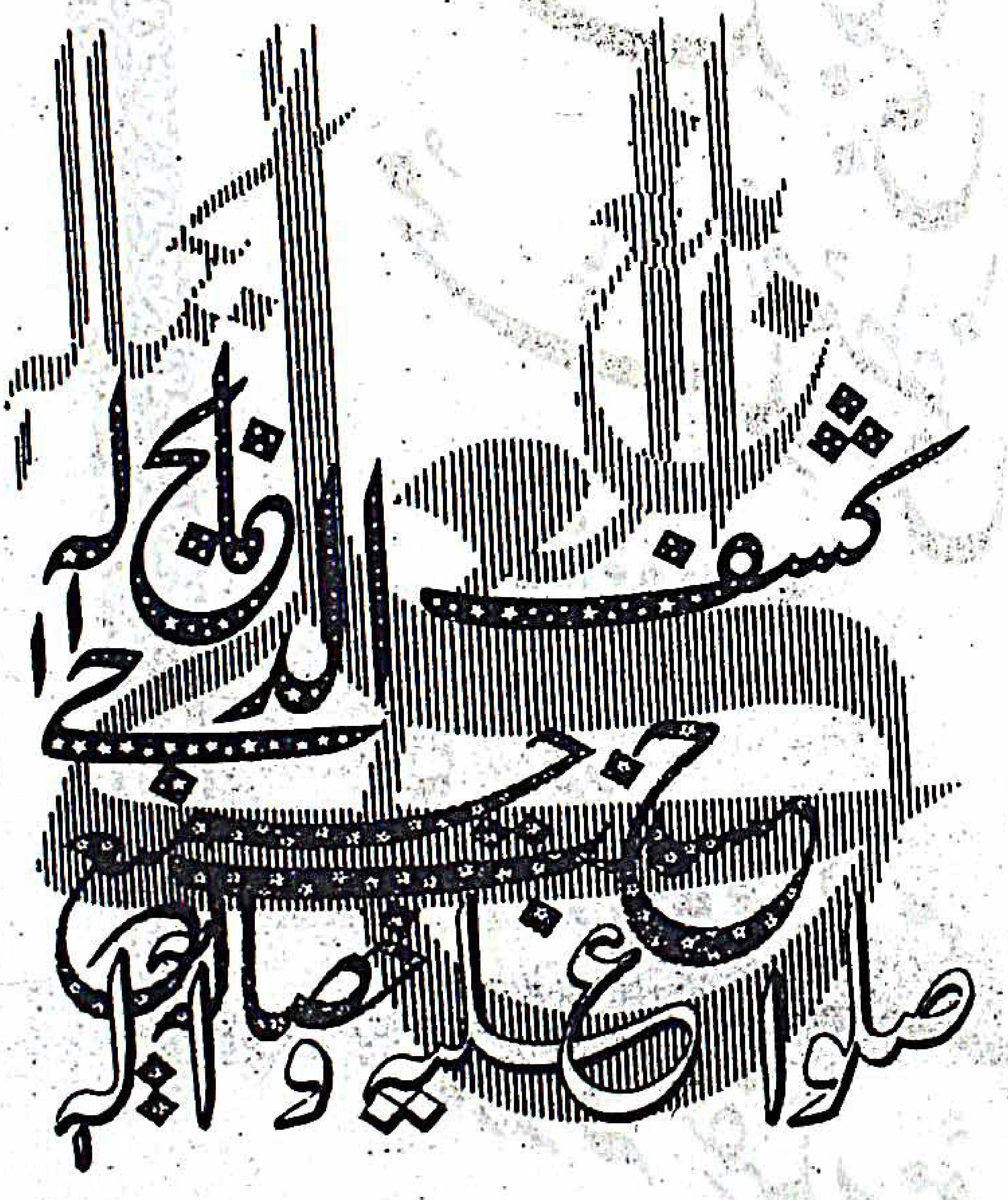

Marfat.com

فہرست

پیغمبر اسلام ﷺ اور اخلاق حسنہ

میں نے تو غلاموں میں نام لکھوایا ہے ____ 13

کلماتِ شکر 15

اہل علم کی آراء ____ 23

ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب 25

پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق خان صاحب 27

حکیم محمود احمد ظفر صاحب 29

پروفیسر عبدالجبار شاکر صاحب 31

حضرت اقدس مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب 41

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور اخلاق حسنہ ____ 43

رسول اللہ ﷺ اور دوسرے بانیان مذہب میں فرق 44

اخلاق ہیں کیا؟ 50

پیغمبر اسلام ﷺ کی کھلی اور واضح زندگی 52

ہماری زندگی اور اعمال کی حقیقت 53

اخلاق کی اہمیت 54

بہادری اور شجاعت کے جوہر کو ختم نہیں کیا بلکہ امالہ کر دیا 56

اخلاق حسنہ کے اثرات 59

اندرونِ خانہ زندگی کے مظاہر 64

Marfat.com

- ازواج مطہرات کی زندگیاں آپ ﷺ کی عظمت کی گواہ تھیں 66
- پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کا عملی پہلو 71
- صلح حدیبیہ اور پابندی عہد 75

حضور ﷺ کے خلقِ عظیم کے شواہد 83

- رسول اللہ ﷺ کے لیے رحمۃ اللعلمین کی صفت 86
- اخلاق کی دو قسمیں ہیں 96
- کلید کعبہ کا واقعہ 99
- حضور ﷺ کی بچوں پر شفقت 106
- حضور ﷺ کی غلاموں پر شفقت 107
- حضور ﷺ کی جانوروں پر شفقت 108
- پیغمبرانہ جذبہ انتقام کی کیفیت 108
- منافقین سے عفو و درگزر 113
- منافقین کا ہر وقت مسلمانوں کے درپے رہنا 117
- مقام عبدیت کا اخلاق حسنہ سے تعلق 119
- حضور ﷺ کی تواضع 122
- حضور ﷺ کی رقت قلبی 125
- عبادات کا مقصد اخلاقِ حسنہ 129
- معلمین اخلاق میں آپ ﷺ کی امتیازی شان 136
- حضور ﷺ کی عملی زندگی 146
- اخلاقی تعلیم کی چند شرائط 150
- اخلاقی اصول 156
- مسرت وانبساط 156
- رضائے الٰہی 158

Marfat.com

- اسلام کے اخلاقی نظام کی امتیازی شان 162
- اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے احسان کا نہ جتانا... 172
- تمام اخلاق کی بنیاد دو قوتوں پر ہے 173
- اللہ کے لیے محبت اور دشمنی 174
- کامیاب معلم کی شرائط 177
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیم کا دوسرا اسلوب..... 178
- تیسرا اسلوب 179

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق ________ 181

- حسن اخلاق اور دوام 187

اخلاقی تعلیمات کی اقسام ________ 191

- وہ اعمال جو انسان کی عادت ثانیہ ہوتے ہیں، دو قسم پر ہیں 192
- تین فطری قوتیں 192

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق ________ 195

- سچائی اور صدق کے معنی 198
- زبان کی سچائی 198
- دل کی سچائی 200
- عمل کی سچائی 200

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاء ________ 203

- حیاء کی اقسام 208

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع ________ 211

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام خوبیوں کے باوجود تواضع 213
- فاتح مکہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع 217

Marfat.com

- پیغمبر اسلام ﷺ کی حلم و بردباری ________ 223
  - سفر طائف میں رسول اللہ ﷺ کی بردباری 225
  - واقعہ افک میں رسول اللہ ﷺ کی بردباری 228
- پیغمبر اسلام ﷺ کا رفق ولطف ________ 231
- پیغمبر اسلام ﷺ کا زہد وقناعت ________ 143
- پیغمبر اسلام ﷺ کا ایفائے عہد ________ 265
- پیغمبر اسلام ﷺ کی شجاعت و بہادری ________ 277
- پیغمبر اسلام ﷺ کی استقامت ________ 289
- پیغمبر اسلام ﷺ کا صبر وتحمل ________ 295
- پیغمبر اسلام ﷺ کی امانت و دیانت ________ 307
  - عورت کے حقوق کی حفاظت 316
- پیغمبر اسلام ﷺ کا جود وسخا ________ 321
- پیغمبر اسلام ﷺ کا عدل وانصاف ________ 333
- پیغمبر اسلام ﷺ کا عفو و درگزر ________ 341
- فہرس المراجع ________ 355

Marfat.com

........میں نے تو غلاموں میں نام لکھوایا ہے

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور اخلاقِ حسنہ کی طباعت سے جب فراغت ہوئی تو ایک دوست کہنے لگا کہ اس عنوان پر تو پہلے ہی سے بہت سی کتب موجود ہیں آپ نے اس میں کیا خاص کام کیا ہے؟

ان کے اس سوال کا جواب یہ کہتے ہوئے دیا کہ میری مثال اس بڑھیا کی سی ہے کہ جو سوت کی اَنٹی لے کر خریداران یوسف علیہ السلام میں کھڑی تھی یا اس چڑیا کی مانند ہے جو آتش نمرود (جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لیے دھکائی گئی تھی) کو گل کرنے کے لیے اپنی چونچ میں پانی کی ایک بوند لے کر اُس میں ڈال رہی تھی یہ سب اس لیے تھا کہ غلاموں میں نام آجائے۔

میری مثال اُس گل فروش کی سی ہے جو مختلف کیاریوں سے پھول چن کر اہل ذوق کے لیے گلدستہ تیار کرتا ہے، بندہ نے بھی سلف صالحین کی کتابوں سے پھول چن کر گلدستہ تیار کیا اور اسے اہل علم کی خدمت میں پیش کیا اور انہوں نے بندہ کی کاوش کو پذیرائی بخشی جس سے میرے حوصلے بہت بلند ہوئے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھنے کا شوق بڑھ گیا' جسے بندہ اپنے لیے دنیا و آخرت کی پونجی سمجھتا ہے۔

تیری رحمت کا یہ اعجاز نہیں تو کیا ہے
قدم اٹھیں تو زمانہ مجھے رستہ دے دے

بالخصوص اللہ تبارک وتعالیٰ کا کرم ہوا کہ سیرت پہ لکھی گئی کتابوں میں بہترین کتاب قرار پائی اور حکومت پنجاب اور حکومت پاکستان نے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایوارڈ سے نوازا اور میں یہی کہوں گا کہ بندہ نے تو ''غلاموں میں نام لکھوایا تھا'' انہوں نے نواز دیا' کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آنے کے بعد کبھی کوئی محروم نہیں رہا۔

قطرہ مانگے جو کوئی، تو اُسے دَریا دے دے   مجھ کو کچھ اور نہ دے، اپنی تمنا دے دے

اور کتاب کے اس ایڈیشن میں اہم بات جناب پروفیسر عبدالجبار شاکر۔ رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

کی تقریظ ہے جو انہوں نے سفر آخرت سے صرف ایک ہفتہ قبل عطا فرمائی اور فرمانے لگے کہ میں نے جلدی میں لکھی ہے آپ میرے سامنے پڑھ لیں جو لفظ سمجھ نہ آئے تو پوچھ لیں۔ پروفیسر صاحب سے میری شناسائی نہ تو بہت پرانی تھی اور نہ بہت گہری مگر سیرت اور سیرت پر لکھنے والوں سے محبت ان کے اندر موجزن تھی، بلا ریب وہ کتب سیرت اور فن سیرت پر عصر حاضر میں ایک مستند حوالہ اور دائرۃ المعارف (Encyclopaedia) تھے، اس کی مثال ''بیت الحکمت'' کی وہ منازل ہیں، جو کتب سیرت سے مملوء ہیں، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت کا اندازہ ان کے جم غفیر جنازے اور اس پر اترنے والی اس سکینہ سے لگایا جا سکتا ہے جسے بندہ سمیت تمام حاضرین نے محسوس کیا۔ اللہ کروٹ کروٹ ان پر رحمتیں نازل فرمائے۔ (آمین)

ایسے ہی میرے مربی استاد مولانا محمود اشرف عثمانی کے کلمات مبارکہ ہیں جو انہوں نے میری درخواست پر تحریر فرمائے ہیں۔ جنہیں میں اپنے لیے سند اور شہادت سمجھتا ہوں۔

آخر میں دعاء ہے کہ اللہ جل جلالہٗ بندہ عاجز سمیت سب کو اپنی رضا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور جنت میں پڑوس نصیب فرمائیں۔ (آمین یارب العالمین)

حضورؐ وہ بھی تو اک چوبِ خشک تھی جس کو
ملا تھا آپ سے اعزاز لمسِ عالی کا
حضورؐ میں بھی تو سوکھے شجر کی صورت ہوں
مجھے بھی خوف ہے لوگوں سے پائمالی کا
حضورؐ آپ نے تو گردنیں چھڑا دی تھیں
مجھے بھی حکم ہو پھر سے مری بحالی کا
حضورؐ میں نے سنا ہے کہ آپؐ کے در پر
سوال رد نہیں ہوتا کسی سوالی کا ①

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

زاہد محلی

---

① سعود عثمانی

Marfat.com

کلماتِ شکر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي صَحَّحَ كَلَامَهُ الْقَدِيْمَ، الَّذِي هُوَ اَحْسَنُ الْحَدِيْثِ فَرْعاً وَأَصْلاً وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الأَنْبِيَاءِ وَسَنَدِ الْأَصْفِيَاءِ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰى، وَأَحْمَدَ نِ الْمُرْتَضٰى، وَمَحْمُوْدِ نِ الْمُجْتَبٰى، وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ الَّذِيْنَ أَدْرَكُوْا أَسْرَارَهٗ وَشَاهَدُوْا آثَارَهٗ وَاتَّبَعُوْا أَنْوَارَهٗ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام دونوں مقدس اور پاکباز اور مقبول بارگاہ رب العزت پیغمبر جس وقت کعبۃ اللہ کی تعمیر فرما رہے تھے، اللہ سے یہ دعا مانگی کہ اے پروردگار عالم تو ہم کو اپنا حکمبر دار بنا، اور ہماری اولاد میں بھی ایک جماعت فرمانبردار پیدا فرما۔ اور اس جماعت میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرما دے۔ جو ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کے اخلاق کو سدھارے۔ اور کفر وشرک کی گندگیوں سے ان کو پاک کرے۔ اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ کی اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے۔

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ①

اے ہمارے پروردگار تو ان میں ایک ایسا رسول مبعوث فرما دے جو

① البقرہ: ۱۲۹

Marfat.com

ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں
سکھائے، اور ان کو کفر کی گندگیوں سے پاک کریں۔ بے شک تو ہی
بہت زبردست اور حکمت والا ہے۔

اللہ جل شانہ نے اپنے جلیل القدر انبیاء کی دعاء کو قبول فرمایا اور ان کی اولاد میں ایک ایسے پیغمبر کو مبعوث فرمایا جو ان کی دعا کی عملی تصویر تھا۔ اور یہ مبعوث ہونا ایسے وقت میں تھا جب قوم سخت ترین گمراہی میں مبتلا تھی، علم و ہنر سے یکسر عاری تھی، نہ کوئی آسمانی کتاب تھی اور نہ ہی کوئی آئینی کتاب تھی بلکہ بُت پرستی اور فسق و فجور کا نام ملت ابراہیمی رکھ چھوڑا تھا، اس گمراہی اور ظلمت کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے آفتاب عالم، ماہتاب عالم کو فاران کی چوٹیوں سے طلوع فرمایا جس نے دیکھتے ہی دیکھتے کرۂ ارض کو اپنی نورانی تعلیمات، مثالی عمل اور اخلاق عالیہ کی بدولت اپنے سامنے سرنگوں کر لیا۔ ظلم و جور سے بھری ہوئی زمین کو امن کا گہوارہ بنا دیا۔ بقول شوقی:

بِكُلِّ قَوْلٍ كَرِيمٍ أَنْتَ قَائِلُهُ ... تُحْيِي الْقُلُوبَ وَتُحْيِي مَيِّتَ الْهِمَمِ
أَتَيْتَ وَالنَّاسُ فَوضَى لَا تَمُرُّ بِهِمْ ... إِلَّا عَلَى صَنَمٍ قَدْ هَامَ فِي صَنَمِ
وَالْأَرْضُ مَمْلُوءَةٌ جَوْرًا مُسَخَّرَةً ... لِكُلِّ طَاغِيَةٍ فِي الْخَلْقِ مُحْتَكِمِ
وَالْخَلْقُ يَفْتِكُ أَقْوَاهُمْ بِأَضْعَفِهِمْ ... كَاللَّيْثِ بِالْبَهْمِ أَوْ كَالْحُوتِ بِالْبَلَمِ
أَخُوكَ عِيسَى دَعَا مَيْتًا فَقَامَ لَهُ ... وَأَنْتَ أَحْيَيْتَ أَجْيَالًا مِنَ الرِّمَمِ ①

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات عمدہ ہے، جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں
اور اس کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کو زندہ کرتے ہیں اور مردہ
ہمتوں والے کو دوبارہ زندگی بخشتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لوگ غیر منظم اور پراگندہ تھے
آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرتے تو ہر طرف بُت پہ بُت
چڑھا ہوا تھا۔

اور زمین ظلم سے بھری ہوئی تھی مخلوق میں وہ ہر سرکش اور من مرضی

① الشوقيات، أحمد شوقي: ١/ ٢١٦

کرنے والے کے لیے مسخر تھی۔

مخلوق میں سے جو طاقتور تھا وہ کمزور کو شکار کر رہا تھا۔ جیسے شیر بھیڑ کے بچوں کو یا جیسے بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے۔

آپ کے بھائی عیسیٰ علیہ السلام مردے کو پکارتے تو وہ ان کے حکم پہ اٹھ کھڑا ہوتا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بوسیدہ ہڈیوں میں سے نسلوں کو دوبارہ زندہ کر دیا۔

تہذیب وتمدن سے عاری اور راہ گم کردہ قوم کو اس پیغمبر نے نہ یہ کہ صرف راہ دکھائی بلکہ بنی آدم کو سیادت اور امامت کا فریضہ سونپ دیا پوری کائنات میں خود بھی نور بن کر جگمگائے اور کائنات کو بھی منور اور معمور کر دیا۔

در فشانی نے تیرے قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا ①

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس سالہ نبوت کی زندگی کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ ہی کی بدولت نظر آتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ نقطہ معراج معلوم ہوتے ہیں اس قدر عالی اخلاق کی جھلک ہمیں اس سے قبل کسی پیغمبر کی زندگی میں بھی نظر نہیں آتی بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تمام انبیاء کے اخلاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اخلاق کے پرتو تھے، آپ کے اخلاق کے خوشہ چیں تھے۔ قرآن حکیم نے بھی آپ کی اس صفت کو بڑی تاکید کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ ②

اس آیت کی ترکیب پر اگر ذرا سا بھی غور کیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ اخلاق عالیہ آپ کی فطرت ثانیہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے کوئی جدا چیز نہ تھے

① کلیات اکبر: ۱/ ۳

② القلم: ٤

Marfat.com

کیونکہ بحیثیت انسان اس قدر اخلاقی مظاہرہ نہ آسمان نے دیکھا نہ زمین نے دیکھا اور نہ کائنات میں کسی نے دیکھا۔ دیکھا تو صرف صحابہ کرامؓ نے دیکھا جس کے بعد پھر دامن نبوت میں سما جانے کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا۔ اور آج ہمارے معاشرہ میں اگر کسی چیز کا فقدان ہے جو اشاعت اسلام میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے تو وہ صرف اخلاق حسنہ کا ہی ہے۔ آج کے مسلمان نے جو ٹکراؤ کی راہ اپنائی ہے اس سے اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کو خاصہ دھچکا لگا ہے جس سے زمین باوجود اپنی وسعت کے مسلمانوں پہ تنگ نظر آتی ہے۔

اللہ جل شانہ نے نہ صرف آپ کی ذات اقدس کو معجزہ بنایا بلکہ آپ کی صفات مقدسہ اور آپ کی ہر ہر ادا کو بھی معجزہ بنایا اور قیامت تک کے لیے ان کے محفوظ رکھنے کی سبیل یہ نکالی کہ دنیا و آخرت کی فلاح و نجات کو اس ذات اقدس میں پنہاں رکھ دیا اور باور کرا دیا گیا کہ اگر کامل فلاح و نجات مقصود ہے تو اسی ذات بابرکات کے دامن سے وابستگی ضروری ہے۔ اس کی ہر ہر ادا پر مرمٹنا ہوگا۔ اور اپنی زندگی کو اس قالب میں ڈھالنا ہوگا۔ لہٰذا دوٹوک الفاظ میں فرما دیا گیا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا﴾ ①

"تم لوگوں کے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ سے اور روزِ آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ ﷺ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔"

اس لیے بعد میں آنے والے لوگوں نے آپ ﷺ کی ہر ہر ادا کو کتابوں میں بھی محفوظ کیا اور عملی زندگی میں بھی بسایا اور رچایا اس طرح آپ ﷺ کی ذات اور صفات قیامت تک کے لیے محفوظ ہوگئیں۔ کیونکہ اس قدر لکھا گیا کہ کوئی پہلو بھی نبوت کا مخفی نہ رہا۔ آپ ﷺ کی ذات کے ہر پہلو پر ضخیم ضخیم کتب لکھی گئیں اور لکھی جاتی رہیں گی اور ہر لکھنے والا اپنی نظر و فکر کے مطابق لکھ کر اس بحر بیکراں سے اپنی پیاس بجھائے گا مگر یہ بحر بیکراں مکمل ہونے کو نہ آئے گا اس سے پینے والے تو سیراب ہوں گے مگر اس کی

① الاحزاب: ۲۱

روانی میں ذرا بھی جنبش نہیں آئے گی۔

اور راقم جیسے بہت سے لوگ تو صرف اس لیے لکھتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ پر لکھنے والوں کی صف میں کہیں آخر میں جگہ مل جائے آپ ﷺ پہ لکھنے والے لوگوں میں شمار ہو جائے تاکہ روزِ محشر آپ ﷺ کی شفاعت کے مستحق بن سکیں۔ ہماری یہ کاوش اس قابل تو نہیں کہ قبول ہو جائے مگر ان کے کرم کو دیکھتے ہوئے آس بندھی ہے کہ یہ کوشش انشاء اللہ رائیگاں نہ جائے گی۔

اور مجھے اس کتاب کے مصنف یا مؤلف ہونے کا دعویٰ نہیں ہے کیونکہ میں نے اپنے پاس سے کچھ بھی نہیں لکھا، بلکہ مختلف کیاریوں سے پھول چن کر ایک گلدستہ تیار کیا ہے اس کتاب میں میری کیا حیثیت ہے اور میرا کتنا حصہ ہے اس بات کو زیادہ اچھے طریقے سے بیان کرنے کے لیے میں حضرت العلامہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس سرہ (متوفی: ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء) کی عبارت کا سہارا لوں گا جو انہوں نے سیرت مصطفیٰ ﷺ کے دیباچہ میں لکھی ہے۔ حضرت لکھتے ہیں:

اس سیرت میں جتنا بھی علمی سرمایہ اور ذخیرہ آپ دیکھیں گے وہ سب حضرات محدثین کا ہے اور وہی اس کے مالک ہیں۔ یہ ناچیز اُن کا ایک ادنیٰ غلام اور کمترین خادم ہے۔ جس کا کام صرف اتنا ہے کہ اُن کے جواہرات اور موتیوں کو سلیقہ سے ترتیب دے کر علم کے شائق اور خریداروں کے سامنے پیش کر دے اور جس مخزن سے وہ موتی لائے گئے ہیں ساتھ ساتھ اُن کا پتا بتلا دے۔ جوہری کا کام تو یہ ہے کہ جواہرات کے صندوق کے صندوق لا کر سامنے رکھ دیے۔ اب ان جوہرات کے انواع و اقسام اور اصناف کو علیحدہ علیحدہ کر کے ترتیب سے رکھنا یہ غلاموں اور خادموں کا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ اور سلف کے علوم میں ترتیب نہیں ہوتی۔ چونکہ اس علم میں حضرات محدثین ہمارے استاذ ہیں اور ہمارے اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان وہی واسطہ ہیں۔ اس لیے محدثین کے اصول و قواعد کا اتباع ضروری اور لازم سمجھا۔ کما قال تعالیٰ:

﴿هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ ①

---

① الکہف:۶۶

Marfat.com

اس لیے آپ ان شاء اللہ العزیز اس کتاب میں کسی جگہ حضرات محدثین کے اصول سے عدول اور سرتابی نہ پائیں گے۔ ایسے آباؤ اجداد کا اتباع جو:

﴿لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئاً وَّلَا یَھْتَدُوْنَ﴾ ①

نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں کہ مصداق ہوں بے شک مذموم ہے لیکن اگر کسی کے روحانی یا جسمانی آباء واجداد صاحب عقل اور صاحب ہدایت ہوں تو پھر ان کے اتباع کے مستحسن بلکہ ضروری ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔ ②

حضرت والا نے تو انتہائی سلیقہ اور خوبصورتی سے گلدستہ سجایا جو ہمارے زمانے میں سیرت پہ لکھی جانے والی کتابوں میں اپنی نظیر آپ ہے اور اہل علم ونظر کے ہاں جو قبولیت اور شرف ملا ہے وہ حضرت والا کے خلوص اور للّٰہیت کی مثال ہے۔ بندہ عاجز تو شاید اتنا بھی دعویٰ نہیں کرسکتا کیونکہ حضرت کی کتاب اور بندہ کی کاوش میں عُشر عَشیر کی بھی مناسبت نہیں ہے اس لیے حضرت والا ہی کے بابرکات الفاظ کو اپنی ترجمانی کے لیے کافی سمجھا ہے جنہیں نقل کردیا ہے۔ کیونکہ اتنی اچھی تعبیر بندہ کے لیے شاید ممکن نہ تھی۔

لیکن یہاں یہ وضاحت کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کتاب میں جہاں بھی سلیقہ مندی اور حسن ترتیب نظر آئے وہ میرے محبی ومحترمی جناب حکیم محمود احمد ظفر صاحب کی مرہون منت ہے جنہوں نے بندے کی بے ربط عبارات کو ربط دیا اور بے زبان الفاظ کو زبان بخشی جس کی بدولت یہ خوبصورت گلدستہ تیار ہوا۔

اور حضرت حکیم صاحب ان دنوں دیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہیں وہاں سے اس کی جلد طباعت کا حکم فرمایا، یہ ان کی کمال شفقت وعنایت ہے۔ جس کا ہر وقت میں اپنے آپ کو مقروض بھی سمجھتا ہوں اور اپنے لیے سرمایہ حیات بھی۔ میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت انہیں لمبی زندگی صحت وعافیت کے ساتھ نصیب فرمائیں اور ان کے قلم اور علم میں دن دگنی رات چوگنی ترقی نصیب فرمائیں۔ (آمین)

اور ایسے ہی میں انتہائی ممنون ہوں جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کا جنہوں

---

① البقرہ: ١٧٠

② سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: ١/ ٩٠٨

Marfat.com

نے شناسائی نہ ہونے کے باوجود کتاب پر اپنے بابرکات کلمات تحریر فرمائے جو ان کی رسول اللہ ﷺ سے والہانہ عشق اور نئے لکھاریوں کی حوصلہ افزائی کی دلیل ہے جو ان کے بڑے پن کو ظاہر کرتی ہے۔

اور ایسے ہی میں ممنون ہوں اپنے استاد محترم ومکرم جناب پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق خان صاحب کا کہ انہوں نے محبت فرماتے ہوئے میری درخواست قبول فرمائی اور کتاب کے لیے بابرکت کلمات تحریر فرما کر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

میں ان تمام مصنفین ومؤلفین کا بھی انتہائی طور پر شکر گزار ہوں جن کی کتب سے مجھے مکمل رہنمائی ملی جو رات دن مطالعہ میں رہیں جس کی بدولت ہی یہ کاوش اہل علم کے ہاں پیش کی جا سکی جن کا علیحدہ علیحدہ ذکر کرنا ممکن نہیں ہے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت سب کو دارین کی سعادتیں نصیب فرمائیں۔

اور ایسے ہی خواہش تھی کہ اس کاوش کو سرکار دو عالم ﷺ کے حضور پیش کروں، اس پر حضرت مخدومنا سید نفیس شاہ صاحب کی کتاب ''گلہائے نفیس'' کے انتساب کے الفاظ ظاہری ومعنوی حسن سے مزین تھے۔ اس لیے وہی الفاظ بطور تبرک کے لکھ دیے ہیں۔

اہل علم سے گذارش ہے کہ جہاں کوئی سقم پائیں آگاہ فرمائیں، تاکہ اِس کاوش کو مزید بہتر انداز میں پیش کیا جا سکے۔

آخر میں ان تمام بھائیوں، دوستوں اور محبت کرنے والوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی ہمہ وقت عبارتوں کی تصحیح اور تخریج میں معاونت حاصل رہی جن کی پُرخلوص کوششوں اور معاونت کے بغیر شاید اتنا حسن نہ پیدا ہوتا۔

ایسے ہی اس کتاب کے کمپوزر جناب مسعود فرید اور محمود فرید صاحبان کا بھی شکر گزار ہوں جنہیں حوالوں کے فٹ نوٹ پہ ہونے کی وجہ سے بہت محنت کرنا پڑی اور اس پر ان کا بہت سا وقت صرف ہوا۔ اور کتاب کی ترتیب میں اور اس کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے ہر روز کوئی نہ کوئی نیا مشورہ دیتا تھا جسے وہ خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ اس لیے اس کتاب کا ظاہری اور باطنی حسن انہیں بھائیوں کی مرہون منت ہے۔

Marfat.com

اللہ جل جلالہ ان تمام حضرات کو جن کی کسی بھی طرح سے مجھے اس کی کتاب کی طباعت میں معاونت حاصل رہی اور میرے تمام اساتذہ کرام کو جن کے فیض کی بدولت ہی بندہ اس قابل ہوا اور میرے والدین (رحمہما اللہ) جن کی سحری کے وقت کی دعائیں ہر وقت مجھ پہ سایہ فگن رہتی ہیں اجر عظیم نصیب فرمائیں۔ ایمان پر خاتمہ اور آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

لوگ تو حسنِ عمل لے کے چلے روزِ حساب
سرورا ہم تو فقط تیرے سہارے ہوں گے ①

بندہ عاجز:

حافظ زاھد علی (ستر اللہ عیوبہٗ)

۱۷ ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ / ۱۹ دسمبر ۲۰۰۵م

Marfat.com

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم

اور

اخلاقِ حسنہ

کے بارے میں

جید علماء کرام اور اہلِ علم و دانش کی آراء

Marfat.com

وإنك لعلى خلق عظيم

هاشم
١٣٧٠ هجرية

Marfat.com

ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب
سابق وفاقی وزیر برائے مذہبی امور، حج و اوقاف، حکومت پاکستان
ریکٹر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی
اسلام آباد

تقدیم

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا سرچشمہ رشد و ہدایت ہے جس کے سوتے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی سیرابی زندگی اور جوش و خروش میں دن بہ دن روز افزوں معلوم ہوتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو لَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ کے امتیازی وصف سے نوازا ہے، اسی طرح صاحب قرآن کو بھی اس امتیاز میں سے حصہ عطا فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت نگاران خاتم الرسل کا سلسلہ پہلی صدی ہجری سے نہ صرف جاری ہے بلکہ اس میں آئے دن وسعت پیدا ہو رہی ہے۔ ہر آنے والا محقق سیرت کے ایسے ایسے گوشے وا کرتا ہے جو سابقہ لوگوں کے فکر خیال میں کبھی نہ آسکے ہوں گے۔ ہر آنے والی صدی سیرت کے باب میں نئے نئے مضامین اور عنوانات کا اضافہ کرتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ جن موضوعات پر بارہا لکھا جا چکا ہے ان میں بھی ہر نئی تحقیق مزید نئے گوشے سامنے لاتی ہے۔

پیغمبر علیہ السلام اور اخلاق حسنہ کے موضوع پر بہت سے سیرت نگار محققین نے قلم اٹھایا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی اور قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے دور سے لے کر آج تک اردو زبان میں بھی اس موضوع پر وقیع ذخیرہ سامنے آچکا

Marfat.com

ہے۔ حافظ زاہد علی کی زیر نظر کتاب اس موضوع پر ایک مفید اور اہم اضافہ ہے۔ انہوں نے اخلاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف پہلوؤں پر نہ صرف قیمتی معلومات قارئین کے سامنے رکھی ہیں بلکہ بعض نئے نتائج بھی پیش کیے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ ان کی یہ کتاب اردو دان قارئین میں مقبول ہوگی۔ اور ادبیات سیرت میں ایک اہم اضافہ ثابت ہوگی۔

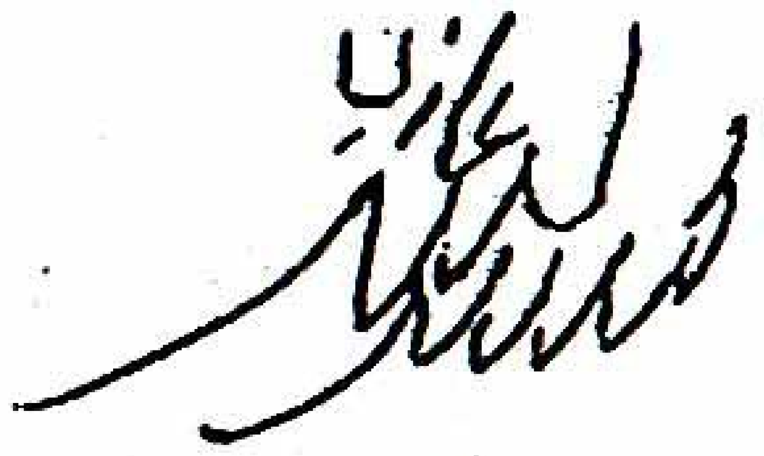

محمود احمد غازی

اسلام آباد

14 جون 2005ء

Marfat.com

پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق خان
چیئرمین شعبہ عربی
اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ تمام انسانیت کے لیے اسوۃ حسنہ ہے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال حیات اور شمائل کا تذکرہ تمام آسمانی صحیفوں میں اپنے اپنے جداگانہ اسلوب میں موجود ہے اور قرآن پاک کے بارے میں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ "أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ" تاریخ کے اوراق میں جگمگا رہے ہیں قرآن پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ ①

قرآن پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے جس پہلو کو سب سے زیادہ موضوع بنایا گیا وہ سورۃ توبہ کے ان الفاظ میں اپنی گواہی آپ ہیں ﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ ② اہل ایمان کے دکھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے چین کرتے ہیں انسانیت کی بھلائی اور خیر خواہی کی شدید خواہش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر موجزن رہتی ہے اور آپ مومنوں کے لیے نہایت نرم خو اور سراپا رحمت ہیں۔

اس موضوع پر اہل علم اور اہل دل نے اپنی اپنی کاوشوں کے ذریعے خود کو ان لوگوں کی صف میں کھڑا کرنے کی کوشش کی ہے جن کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے مستحق گردانے جاتے ہیں کیونکہ ان تحریروں کے ذریعے اہل دنیا کو روحانی اور اخلاقی فیوض و برکات

---

① الانشراح: ٤

② التوبہ: ١٢٨

Marfat.com

حاصل ہوتی ہیں اور اس سسکتی اور ترسی انسانیت کو آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کے دامن میں پناہ ملتی ہے اور آپ ﷺ کی حیات طیبہ کو اسوۂ حسنہ بنا کر سینے سے لگاتے ہیں اور تڑپتے انسانوں کو سینے سے لگا کر ان کے دکھوں کا مداوا کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

برادرم حافظ زاہد علی ملک نے بھی ایک ایسی پاکیزہ تحریر لکھ کر مقربین نبوت میں اپنا نام ثبت کروانے کی سعی فرمائی ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دینی و دنیاوی درجات بلند کرے۔آپ کے اسلوب میں دل نشینی خلوص اور محبت کا بے پناہ احساس موجزن ہے ایک ایک لفظ اپنے اندر خلوص کی چاشنی اور محبت کا احساس لیے ہوئے ہے، بعض اوقات اہل قلم و اہل دل کو محبت اور خلوص کی شدت حد احتیاط سے بے نیاز کر دیتی ہے لیکن اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں ''با محمد ہوشیار'' کا احساس ہر جگہ جلوہ گر ہے اس نفسا نفسی کے عالم میں جبکہ انسانی رشتوں کا وقار اور اعزاز مجروح ہو رہا ہے، اس حرص و ہوس کی گھما گھمی میں حقوق و فرائض گڈمڈ ہو کر رہ گئے ہیں اور افراط و تفریط نے ہر فرد کو آتش زیر پا کر دیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے مصنف نے اس سلسلہ حیات کے دہشت گردانہ مزاج کو بری طرح محسوس کیا ہے اس لیے انہوں نے دنیائے انسانیت کو پھر سے آپ ﷺ کے ''اخلاق حسنہ'' کے دامن میں پناہ گیر ہونے کی دعوت دی ہے اس کتاب کو پڑھنے والے یقیناً اس سے مستفید ہوں گے۔فن سیرت کی باریکیوں سے آگاہ لوگ بھی یقیناً اس کی تحسین فرمائیں گے ایک عام قاری کے ساتھ ساتھ حلقہ علم و منبر سے تعلق رکھنے والے اصحاب دل بھی اپنے لیے اس کتاب میں ضرور دلکشی محسوس کریں گے اس میں محبت کی دلنشینی اور خلوص کی اثر آفرینی موجزن ہے۔

دعا ہے کہ یہ کتاب ''اخلاق حسنہ'' اللہ اور اللہ کے رسول کے ہاں قبولیت کے شرف سے فیض یاب ہو اور مصنف کے لیے وسیلہ شفاعت بنے۔

والسلام

(پروفیسر ڈاکٹر) سلیم طارق خان

چیئرمین شعبہ عربی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

Marfat.com

حکیم محمود احمد ظفر صاحب

عظیم عالمی علمی سکالر
صاحب تصانیف کثیرہ

الحمدلاھلہ والصلوٰۃ علیٰ اھلھا

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے فاتح حکمرانوں کی طرح صرف جہانگیر اور عالمستان شہنشاہ نہ تھے بلکہ ایک اخلاقی معلّم بھی تھے، انہوں نے دنیا کو دین سے اور شریعت کو حکومت سے الگ نہیں رکھا۔ وہ اللہ کے پیغمبر و رسول تھے، شریعت کے مقنن تھے، ملکوں کے حاکم اور مسجد نبوی کے منبر پر وحی الٰہی کے ترجمان اور میدان جنگ میں فوجوں کے سپہ سالار بھی تھے۔ غرضیکہ اس کی ایک شخصیت کے اندر مختلف منصب اور مختلف حیثیتیں جمع تھیں۔

قرآن حکیم نے آپ کو "سراج منیر" کہا ہے۔ اس مماثلت سے آپ کی دعوت بھی آفتاب مادی کی طرح تھی۔ جب آفتاب نکلتا ہے تو اس کی روشنی اور حرارت میں دور و نزدیک، ادنیٰ و اعلیٰ، سیاہ و سفید، باغ و دشت اور برّ و بحر کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ وہ بلا تمیز ہر جگہ روشنی اور حرارت پہنچاتا ہے اور اس کی چمکتی شعائیں ہر چیز کو روشن اور عیاں کر دیتی ہیں۔ روحانیت کا یہ آفتاب جب فاران کی چوٹیوں سے نمودار ہوا تو اس کی حرارت اور روشنی نے آسمان ہدایت پر طلوع ہو کر لاکھوں ستاروں کو ماند کر دیا اور تاریکی کو آخری شکست دے دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معجزانہ زور اور توانائی سے قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے۔ تعبد و غلامی کی زنجیریں کاٹ دیں، استقلال ذات و فکر اور حریت خیال و رائے، احترام نفس اور مساوات حقوق کی روشنی تمام دنیا میں پھیلا دی۔ اس کی آواز جلال روحانی سے بھری ہوئی تھی جو جبل بوقیس سے بلند ہوئی اور جس سے گنبد عالم کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا۔ اس آواز سے شہنشاہیوں کا عجیب الخواص طلسم ٹوٹ گیا۔ بادشاہ خادم، بیت المال خزینۂ عمومی اور تمام انسان مساوی المرتبہ ہو گئے۔ اس آواز سے امن عالم کا ابر چھا گیا۔

اس ہستی نے دنیا کو جو سب سے بڑا سبق دیا وہ "دل زندہ" کو مرنے نہ دیا کیونکہ زندگی کی ساری عبادت دل زندہ سے ہے۔ اس نے آنکھوں کے بجائے دل کو رلایا کیونکہ جس رونے میں دل کی رشک افشانی کا کوئی حصہ نہیں تو اس کی آنکھوں کی روانی بے اثر ہے۔ اس نے بتایا کہ زندگی کی تمام مسرتیں دراصل دل کی عشرت کامیوں

Marfat.com

سے ہیں۔ جب تک دل کے طاق مخفی میں امید کا چراغ روشن ہے اس وقت تک دنیا بھی عیش و مسرت کی روشنی سے خالی نہیں، لیکن اگر باد صرصر اور نامرادی کا کوئی جھونکا وہاں تک پہنچ گیا تو دنیا کا یہ تمام نظام منور ظلمت و تاریک ہے۔

دل کی عشرت کامیوں کا دوسرا نام اخلاق حسنہ ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے انسان خانۂ دل کے چمن زاروں میں اخلاق کے وہ جانفزا پھول کھلائے کہ پورا معاشرہ گلستاں اور چمن زار ہو گیا اور دنیا سے زہد خشک اور طبع خنک ناپید ہو گیا، اور مسلمان معاشرے کا ایک ایسا مرقع تیار ہوا جس میں خُلق عظیم کے نہ مرجھانے والے شواہد، حیاء، تواضع، حلم و بردباری، رفق و لطف، زہد و قناعت، ایفائے عہد، شجاعت و بہادری، صبر و تحمل، امانت و دیانت، جود و سخا، عدل و انصاف اور عفو و درگزر کے ستاروں کی چمک اور ان خلق عظیم اور اخلاق حسنہ کے رنگین پھولوں کی رنگین ادائیں اور جلوہ طرازیاں ہر جانب نظر آنے لگیں حیاء و تواضع کے آفتاب کی چمکتی ہوئی پیشانی، صبر و تحمل کا مسکراتا ہوا چاند، ایفائے عہد اور رفق و لطف کے درختوں کا رقص، عفو و درگزر کے آب رواں کا ترنم اور اخلاق کے دوسرے پھولوں کی جلوہ طرازیوں کو جب عزیزم حافظ زاہد علی سلمہ نے قرآن و احادیث اور تاریخ کی کتابوں سے اکٹھا کر کے اوراق میں قلم بند کیا تو اس مرقع کا نام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور اخلاق حسنہ ہو گیا۔ جو ہر لحاظ سے حسین و جمیل ہے بالفاظ دیگر یہ کتاب اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی دستاویز ہے جس کا ہر مسلمان کو پڑھنا ضروری ہے اور پھر کتابت، طباعت، جلد بندی، انداز بیان، الفاظ کی تراکیب اور تشبیہات و استعارات سے بھری ہوئی عبارتوں نے کتاب کے حسن میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ جس سے قاری کو ذرا سی بھی اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔

حافظ زاہد علی اس لحاظ سے بڑے خوش نصیب ہیں کہ ان کی پہلی ہی کتاب ایوارڈ کی مستحق ٹھہری اور نہ صرف صوبائی حکومت نے بلکہ مرکزی حکومت نے بھی اس کتاب پر صدارتی ایوارڈ دیا۔ میری نگاہ میں یہ کتاب واقعی صدارتی ایوارڈ کی مستحق تھی۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کو سیرت کے مختلف موضوعات پر مزید لکھنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ آپ کی اس خدمت کو قبول فرمائیں۔ (آمین)

[signature]

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ اول

مخلوقاتِ عالم میں انسان اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا شاہکار (Magnum Opus) ہے جسے اس کائنات میں خلیفۃ اللہ فی الارض کے نصب پر سرفراز کیا گیا ہے۔ اگر اس کائنات کے اجزائے آفرینش پر غور کیا جائے تو یہ ایک ہمہ گیر ضابطے میں پابند دکھائی دیتی ہے۔ یوں یہ کائنات اور اس کے اجزاء ایک عظیم طبعی اور اخلاقی قوت میں پروئے دکھائی دیتے ہیں۔ انسان جو اس کائنات کا جزوِ اعظم اور اس کے فوائد و ثمرات کو سمیٹ کر اپنے تصرف میں لاتا ہے، اسے تو عقلی اور منطقی طور پر ایک اعلیٰ و برتر اخلاق کا نمونہ ہونا چاہیے۔ انسانوں کے علاوہ تمام مخلوقات کا کردار اور طرزِ عمل یک رخا ہے مگر انسان کے طرزِ عمل میں بیک وقت سلبی اور ایجابی، مثبت اور منفی نیز خیر اور شر کا طرزِ عمل دکھائی دیتا ہے۔ روئے زمین پر گزشتہ ہزار صدیوں میں جس قدر انسان پیدا ہوئے، وہ انہی دو قسم کے کرداروں میں بٹے اور منقسم دکھائی دیتے ہیں۔ خیر، فوز و فلاح اور اخلاقی اقدار سے متصف بندگانِ خدا یا پھر شر، ابلیسیت اور بداخلاقی کے اطوار سے لتھڑے کردار ان میں انبیاء و رسل علیہم السلام اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ کاملہ کی معراج پر دکھائی دیتے ہیں۔ اخلاقِ حسنہ کی اس سلکِ گوہر میں پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حسنِ خلق کے اعتبار سے اسوۂ حسنہ کے درجے پر فائز ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ذریت آدم میں خیر و شر کے دونوں پہلوؤں کو پیدا کیا ہے مگر انسانی فطرت کا حسن و کمال، جلال و جمال اور وصف و امتیاز اخلاقِ فاضلہ کے اکتساب میں رکھا ہے۔ انسانی فطرت کا اُجالا اور اُجیارا دونوں اخلاقی اوصاف کے حصول پر مبنی ہیں۔ قرآن مجید میں نفس انسانی کے مبحث کو پیش کرتے ہوئے اس کی تین مختلف صورتوں اور حالتوں کو بیان کیا گیا ہے، جو نفس امارہ، لوامہ اور مطمئنہ کہلاتی ہیں۔ نفس امارہ کی

Marfat.com

جہالتوں اور خباثتوں سے چھٹکارا، نفس لوامہ کے طرزِ احساس کا ادراک اور نفسہ مطمئنہ کے اوصاف و خصائص سے بہرہ مند ہونا۔ حضرت انسان کے متصورِ حیات کی تعمیل و تکمیل ہے۔ یہی باعث ہے کہ تمام مذاہب عالم میں فلسفۂ اخلاق کے بیان اور تعلیم کو ایک خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اخلاقیات کو فلسفہ و حکمت کے مباحث میں ایک اہم مقام دیا گیا ہے مگر علوم حکمت میں اس کی تمام تر بحث عقل انسانی سے تعلق رکھتی ہے۔ اسلام فلسفہ و اخلاق کو علم و دانش کی بجائے علم وحی کے تابع رکھتا ہے تا کہ انسان عقلی استدراج کے زینے پر چلتے ہوئے ابلیسی فکر کا شاہکار بننے کی بجائے انبیاء و رسلؑ کے اخلاق کو اپنے پیش نظر رکھے، انبیاء و رسل علیہم السلام کے اخلاق کی تفصیلات اگرچہ تاریخ کے جھروکوں میں کہیں مدہم اور کہیں معدوم دکھائی دیتی ہیں مگر النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اخلاق اور سیرت کے باعث سراج منیر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر لمحہ محفوظ مگر اخلاقِ حسنہ کا ہر پہلو ڈیڑھ لاکھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں منعکس ہوا اور یوں تاریخ انبیاء میں پہلی مرتبہ اخلاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تواتر اور تسلسل کے ذریعے ایک دوام نصیب ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے وابستہ اخلاقی اقدار اور خصائل کو اسوۂ حسنہ کا لقب دیا گیا اور یہی اسوۂ اب انسانیت کی لیے واحد سیرت کی علمی اور عملی شان ہے۔ دنیا کے تمام آسمانی اور غیر آسمانی مذاہب جو اندازاً چالیس کے قریب ہیں، ان سب کی مثبت اخلاقی اقدار کو اکٹھا کیا جائے تو اس کا حاصل جمع سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ تاریخ انسانیت میں ایک اخلاقی وجود ایسا ہے جو سیرت کے عنوان سے اپنی شناخت کو قائم رکھے ہوئے ہے اور اسی پر انسانیت کے شرف و احترام کی عمارت تعمیر کی جاسکتی ہے۔ قرآن مجید میں اس سیرت کے افراد اور تفصیلات کو سینکڑوں آیات میں پیش کیا گیا ہے مگر تفہیم کے لیے ذیل کی آیات پر توجہ دیجیے:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ ①

''اور بے شک تو بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر (فائز) ہے۔''

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ②

---

① القلم:٦٨:٤ ② الاحزاب:٢١

''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ (Model of Excellence) موجود ہے۔ تاریخ انسانی میں بہت سے مشاہیر کے نمونہ ہائے اخلاق کو پیش کیا جاتا ہے اگر ان کا تقابلی مطالعہ پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات گرامی سے کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اخلاق حسنہ کا دائرہ کار کیا ہے۔ بعض شخصیات میں دیومالائی اور مافوق الفطرت نوع کے اخلاق و کردار کی بات کی گئی ہے مگر اس میں عامۃ الناس کے لیے کوئی عملی ترغیب موجود نہیں، بالخصوص کسی معاشرے اور ریاست کے لیے اجتماعی اخلاق کا تو کوئی نمونہ سامنے نہیں آتا۔ حضور ختمی مرتبت ﷺ کے کردار کے اس پہلو کو دیکھیے کہ وہ تمام تر ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرتوں میں جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ ان اخلاقی اقدار پر مبنی ایک خاندانی نظام پرورش پاتا ہے جس میں میاں بیوی، اولاد والدین، بھائی بہن اور عزیز و اقارب سب ایک اخلاقی ضابطے میں پروئے دکھائی دیتے ہیں۔ حقوق العباد کے ضابطے نے ان میں اجتماعی اخلاقیات کا رنگ پیدا کیا ہے۔ ایک ایسا معاشرہ جو محبت و اخوت، ایثار و ہمدردی، جود و سخا، عیادت و تعزیت اور عفو و درگزر کے اوصاف سے مرصع ہے اور ایک ایسی ریاست جو اس اجتماعی اخلاق کی اقدار اور روایات کو اپنے تمام تر اداروں میں کارفرما دیکھنا چاہتی ہے۔ یوں آپ ﷺ کا اخلاق حسنہ کسی راہبانہ اخلاق کو تعلیم دینے کی بجائے ایک Working Ethics کے بطور سامنے آتا ہے ؎

حسن یوسفؑ، دم عیسیٰؑ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

علم وحی کی نورانیت اور تابانیوں کے علی الرغم فلاسفہ اور حکماء نے علم الاخلاق کے مباحث کو اپنی عقلی اور فکری کارگاہ کا موضوع بنایا ہے۔ یونانیوں نے اس مبحث کی بنیاد کو جن اصولوں پر اٹھایا انیسویں اور بیسویں صدی کے نفسیات دانوں نے اس کی تکمیل کرتے ہوئے جس نوع کے انسانوں کی تشکیل کی ہے، اس کے مظاہر آج ہمارے سامنے ہیں جو خود بینی، جہاں بینی اور خدا بینی کے جوہر سے فارغ ہیں۔ فرائڈ، ریڈلر، میکڈوگل اور ینگ جیسے نفسیات دانوں نے انسان کو بھی ایک حیوان تصور کرتے ہوئے اس کی جبلتوں کی تطہیر اور تہذیب کی بجائے اس کی تسکین کا ایک حیوانی راستہ متعین کیا ہے جو ظھر الفساد

Marfat.com

فی البر والبحر کی تصویر پیش کرتا ہے۔ پیش نظر کتاب میں وحی والہام پر مبنی اخلاقی نظام اور عقل وتدبیر کے نتیجے میں اخذ کردہ اخلاقی نتائج کا فرق بہت واضح ہے۔

پروفیسر حافظ زاہد علی حفظہ اللہ تعالیٰ ایک نوجوان اور صالح شخصیت کے حامل ہیں۔ان کی علمی سرگرمیوں کا سفر سیرت نبوی ﷺ کی تعلیم وتحقیق سے شروع ہوا ہے جس سے بڑھ کر سعادت اور خوش بختی کی کوئی اور دلیل نہیں ہوسکتی۔ پیش نظر تصنیف ''پیغمبر اسلام ﷺ اور اخلاقِ حسنہ'' سے قبل مجھے ان کی ایک فاضلانہ تصنیف ''خصائص النبی ﷺ'' کی دوجلدوں کو پڑھنے کا موقع نصیب ہوا تو مجھے اندازہ ہوا کہ اردو سیرت نگاری کے مطلع سعادت پر ایک نیا ستارہ طلوع ہوا ہے۔سیرت نگاری ایک بحر ناپید کنارہ ہے۔جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو لا تنقضی عجائبہ قرار دیا ہے، ویسے ہی موضوعاتِ سیرت کا سب سے بڑا اور سیاسی مخزن ومصدر ہے۔ مصنف موصوف کی ان دونوں کتابوں کے موضوعات محض عقیدت ومحبت کا اظہار نہیں بلکہ سیرت اور متعلقاتِ سیرت کی تفہیم کا ایک اچھا نمونہ ہیں۔سیرت نگاری کا آغاز تو عربی زبان میں ہوا جس کا اظہار ان ہزاروں کتب میں موجود ہے جو عروہ رحمۃ اللہ علیہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (م:۹۴ھ) کی مغازی رسول اللہ ﷺ سے شروع ہوتی ہیں۔عربی زبان کے بعد اردو ان خوش نصیب زبانوں میں ہے جس میں سیرت النبی ﷺ پر سب سے وقیع کتب لکھی گئی ہیں۔اقصائے عالم میں 6780 زبانیں مخلوقاتِ عالم کے اظہار و بیان کی خدمت میں مصروف ہیں مگر اردو انسانی تہذیب کی آخری بڑی زبان ہے جس کے لسانی اور ادبی امکانات بہت وسیع اور روشن ہیں۔ اس زبان کے تہذیبی اور لسانی رچاؤ نے اسلوبیاتی حسن وکمال میں بہت گراں قدر اضافے کیے ہیں۔اردو سیرت نگاری کا جو سفر محمد باقر آگاہ، شاہ رؤف احمد رافت، قاضی بدرالدولہ، محمد صبغت اللہ، مفتی عنایت احمد کاکوروی، سرسید احمد خاں، علامہ شبلی نعمانی، قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، سید سلمان ندوی، عنایت رسول چریا کوٹی، عبدالرؤف دانا پوری، مرزا حسرت دہلوی، عبدالحلیم شرر، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، سید مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عبدالماجد دریابادی، عبدالمجید خادم سوہدوی، سید اولاد حیدر فوق بلگرامی، نور بخش توکلی،

Marfat.com

نواب حبیب الرحمٰن خان شیروانی، ابوالکلام آزاد، سید ابوالاعلیٰ مودودی، سید نواب علی، فضل کریم خان درانی، چوہدری افضل حق، سید ابوالحسن علی ندوی، پیر محمد کرم شاہ الازہری، شاہ محمد جعفر پھلواروی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، طالب الہاشمی، حفظ الرحمٰن، سیوہاروی، نعیم صدیقی، عبدالعزیز عرفی، پروفیسر غلام ربانی عزیز، ڈاکٹر خالد علوی، سید اسعد گیلانی، بریگیڈیئر گلزار احمد، ابو یحییٰ امام خان نوشہروی، اخلاق حسین قاسمی، مولانا حامد الانصاری غازی، مولانا احمد رضا خان بریلوی، مفتی احمد یار خان، طالب حسین کرپالوی، مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر محمد یٰسین، مظہر صدیقی، حکیم محمود احمد ظفر، ملا واحدی دہلوی، غلام احمد پرویز، محمد رفیق ڈوگر، ڈاکٹر نثار احمد، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، مولانا محمد بن ابراہیم جوناگڑھی، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر طاہر القادری، بَر جیت سنگھ لانبہ، ڈاکٹر عبدالحمید ڈار، سید عزیز الرحمٰن، خواجہ عبدالحی فاروقی، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر عبدالغفور راشد، پروفیسر عبدالحمید ڈار اور ڈاکٹر خالد غزنوی سے شروع ہوا تھا، اب اس میں ایک ذی وقار نام پروفیسر حافظ زاہد علی کا بھی شامل ہوا ہے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کے کام اور انہماک کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ ان شاء اللہ الرحمٰن وہ سیرت نبوی کے مزید گوشوں پر بھی اپنے کام کو جاری رکھیں گے۔

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اخلاقِ حسنہ کا موضوع ابتداءً شمائل کے عنوان سے لکھا گیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی ''شمائل ترمذی'' اس گلستانِ سیرت میں گل سرسبد کی حیثیت رکھتی ہے جس کی سینکڑوں شروحات اور تراجم کیے گئے اور ہنوز یہ عمل جاری ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ ذخیرۂ حدیث پر نگاہ ڈالی جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کے جو مقاصد گنوائے ہیں اس میں تعلیم وتزکیہ کا مضمون سب سے بلند اور نمایاں نظر آتا ہے۔ تعلیم وتزکیہ کا حاصل اور ثمرہ اخلاق ہے۔ اسی باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تو مکارمِ اخلاق اور حسنِ اخلاق کی تعلیم وتکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک انسان حسن اخلاق اپنانے سے وہ درجہ حاصل کرسکتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر نماز پڑھنے سے ملتا ہے۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاقی تعلیمات کو عبادت کا درجہ عطا کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معیار انسانیت کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہا کہ تم

Marfat.com

میں سے بہترین وہ ہے جس کے اخلاق تم میں سے بہتر ہیں۔ پبلک لائف میں تو مشاہیر اور اکابر سماجی اخلاقیات کا مظاہرہ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں مگر خانہ خلوت کی زندگی میں اخلاقی اوصاف کی تعلیم اور عمل کسی شخصیت کا اصلی اور حقیقی جوہر ہیں۔ اسی کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم سب میں بہتر وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لیے بہتر ہو اور میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم سب سے زیادہ اپنے اہل وعیال کے لیے بہتر ہوں۔ تاریخ انبیاء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم واحد شخصیت ہیں جس نے اپنی نبوت و رسالت کی دلیل کے لیے اپنی ذات کے عمل اور کردار کی شہادت پیش کی:

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ ①

''اس (نبوت) سے پہلے میں عمر کا ایک حصہ تم میں گزار چکا ہوں،
پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے۔''

آپ دنیا میں کسی بھی انسان کو دیکھئے، سب سے پہلے اس کا حیوانی وجود ہمارے سامنے آتا ہے، جس کی پرورش میں عموماً ہم حلال وحرام کی کوئی تمیز روا نہیں رکھتے، ہمیں جو جبلتوں کا نظام دیا گیا ہے، ان کی تطہیر اور ترفع کی بجائے انہیں ناپاک بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ حیوانی وجود اس وقت تک بے معنی ہے جب تک اسے علمی وجود سے آراستہ نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو علم الاشیاء کی معدنیت کے حوالے سے مسجودِ ملائک ٹھہرایا تھا۔ مگر علمی وجود کی تمام تر اہمیت کے باوجود اس کی حقیقی فضیلت اخلاقی وجود سے وابستہ ہے۔ اور اخلاقی وجود کا شرف بھی اس کے روحانی وجود سے مستلزم ہے۔ اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قربان جایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی وجود کے ان چاروں تقاضوں کو اس انداز میں پیش کیا کہ یہ تاریخ انسانی میں اسوۂ حسنہ قرار پایا اور اسی کی پیروی اور اتباع میں ہم اخلاق حسنہ کی تعلیم، آمیزش اور مشق کر سکتے ہیں برادرِ عزیز حافظ زاہد علی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ کی انہیں تفصیلات کو اپنی کتاب کے اٹھارہ ابواب میں قلم بند کیا ہے اور آخری باب میں ان چھیاسٹھ عربی اردو کتب کی تفصیل فراہم کی ہے جن سے اس کتاب مستطاب میں اخذ واستفادہ کیا گیا

① یونس:١٦

Marfat.com

ہے۔ ماضی میں ہمارے اہل علم اور سیرت نگاروں نے اس موضوع پر کیا داد تحقیق دی ہے اور کس فرطِ عقیدت سے کام لیا ہے، اس کی ایک اجمالی جھلک پیش خدمت ہے:

(ا) عربی کتب:

① أشرف الوسائل إلى فهم الشمائل ...... محمد بن عبدالله الشافعي

② أخلاق النبي ﷺ في القرآن والسنة ...... أحمد عبدالعزيز

③ أخلاق النبي ﷺ ...... الحافظ ابي محمد جعفر بن حبان الاصبهاني

④ الانوار في الشمائل النبي المختار ﷺ ...... محي السنة البغوي

⑤ الإشاره الیٰ سيرة سيدنا محمد المصطفیٰ ﷺ ...... علاؤالدين مغلطائي

⑥ أخلاق النبي ﷺ - طه عبدالرؤف سعد ...... سعد حسن محمد علي

⑦ الانوار الجليلة في شمائل المحمديه ﷺ ...... محمد بن رياض الأحمد السلفي الاثري

⑧ اخلاق النبي ﷺ في صحيح البخارى والمسلم ...... عبدالمنعم هاشمي

⑨ المستخرج على الشمائل المحمديه ﷺ ...... أحمد بن محمد بن الصديق الحسني الغماري

⑩ التأدب مع الرسول ﷺ فی ضوء الكتاب والسنة

⑪ حدائق الأنوار و مطالع الأسرار في سيرة نبي المختار ﷺ ...... محمد غسان تصوح غرقول

⑫ الخلق الكامل ﷺ ...... محمد احمد باد المولیٰ

⑬ دروس و عبر في سيرة خير البشر محمد ﷺ ...... د- زهير محمد عفانه

⑭ سنن النبى ﷺ وايامهٗ ...... عبدالسلام علوش

⑮ الشمائل الشريفه و شرحها ...... الامام السيوطي والمناوي

⑯ صفة النبى ﷺ وجميل أخلاقه وأدبه وبشره وحسن سيرته في أمته ......

Marfat.com

أبي عبدالله ضياد الدين محمد بن عبدالواحد

⑰ علموا أولادكم أخلاق الرسول ﷺ ...... محمد صديق المنشاوى

⑱ قطوف من شمائل المحمديه ﷺ ...... الشيخ محمد جميل زينو

⑲ القدوه في السيرة النبوية ﷺ ...... الدكتور أحمد رجب الاسمر

⑳ محمد ﷺ كأنك تراه ...... د- عائض القرني

㉑ وقفات تربوية مع السيرة النبويه ﷺ ...... أحمد فريد

㉒ من أخلاق الرسول الكريم ﷺ ...... عبدالمحسن بن حمد العباد

㉓ محمد ﷺ الخلق الكامل والرحمة المهداة ...... محمد الأحمد أنور البلقاجي

㉔ سيدنا محمد ﷺ أعظم الخلق ...... فوزي ابراهيم

㉕ الأسوة الحسنة ...... رحمة الله عبدالغني إبراهيم خليل

㉖ محمد ﷺ الإنسان الكامل ...... سيد محمد علوي المالكي الحسني

㉗ شخصية الرسول ﷺ ...... محمود شلبى

㉘ شمائل الرسول فوائد تربيَة من سيرة خير البرية ...... أحمد عبدالفتاح

㉙ شمائل المصطفىٰ ...... د- وهبه الزحيلي

㉚ انسانياتِ محمد ﷺ ...... خالد محمد خالد

㉛ أدب التعامل مع الرسول الكريم ﷺ ...... أ-د- سيد محمد ساداتي الشنقيطى

㉜ إنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق ...... محمد صفوت

㉝ محمد ﷺ مفغر الإنسانيه ...... محمد فتح الله گولن

㉞ الأخلاق المحمديه ﷺ ...... الدكتور محمد سيم الساوي

㉟ الأخلاق النبويه ﷺ المعطرة الأيات القرانية المطهرة ...... سليم بن عبدالهلابى

Marfat.com

36. الادب المفرد مع الآداب النبوية ﷺ ...... محمد بن اسمٰعيل بخاري
37. هدي محمد ﷺ في عبادته و معاملاته وأخلاقه ...... د۔ أحمد بن عثمان المزيد
38. قصص من الشمائل المحمديه ﷺ ...... أحمد عزالدين عبدالله خلف الله
39. أسوة حسنة ﷺ ...... سيد أبوالحسن على الندوي ...... مترجم: سيد عبدالماجد الغوري
40. الجامع لأوصاف الرسول ﷺ ...... ابن عاقولي

(ب) اردو کتب:

1. اخلاق رسول ﷺ ......اخلاق حسین قاسمی
2. اخلاق محمدی ﷺ ......اظہار احمد تھانوی
3. اخلاق محمدی ﷺ ......سعید احمد فاروقی تھانوی
4. اخلاق نبوی ﷺ ......تنویر مبشر
5. اخلاقیات نبوی ﷺ (مقالات) ......مرتبہ حکیم محمد سعید
6. پیغمبر اخلاق ......مرتبہ: ساجد الرحمٰن
7. تحفۂ اخلاقِ محمدی ......احمد خان
8. شمائل واخلاق نبوی ﷺ ......قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی
9. معلم اخلاق ﷺ ......ثناء اللہ ضیاء
10. معلم اخلاق ﷺ ......فقیر محمد ندیم باری
11. اخلاق رسول ......فقیر محمد ندیم باری
12. پیارے رسول ﷺ بطور معلم اخلاق ...... پروفیسر رفیع اللہ شہاب
13. اخلاق پیغمبری ﷺ ......طالب ہاشمی

رسول کریم ﷺ نے جہاں اخلاقِ فاضلہ کو اختیار کرنے کی عملی تعلیم اور ترغیب دی ہے، جسے شرعی زبان میں سنت کہتے ہیں، وہیں ہمیں کچھ رذائل کو ترک کرنے کی تلقین بھی فرمائی ہے۔ اخلاقِ فاضلہ کی نوعیت، اقسام اور تفصیلات تو مصنف مذکور نے اپنی کتاب کے 339 صفحات میں درج کر دی ہیں، لیکن راقم کے نزدیک رذائل کا شعور

Marfat.com

فضائل اور خصائل کے حصول میں معاون ہوسکتا ہے۔ رذائل کی کتاب وسنت میں ایک جامع تفصیل موجود ہے۔ مگر ہم اختصار سے ان کے صرف عنوانات آپ کو گنوائے دیتے ہیں، جن کا شعور ہمیں ان سے بچنے کی راہ دکھائی دے گا۔ اس مقصد کے لیے خشیت الٰہی کے ساتھ اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ ناگزیر ہے:

❖ شرک ❖ بدعات ❖ نفاق ❖ غرور وتکبر ❖ حب دنیا ❖ حب جاہ ❖ نمودونمائش اور ریا ❖ حسد، بغض اور کینہ ❖ عجب، جبن، حرص، طمع اور لالچ ❖ بخل ❖ کسل ❖ قساوت ❖ غیبت، چغلی اور بہتان تراشی ❖ جھوٹ اور بدکلامی ❖ وعدہ خلافی ❖ امانت میں خیانت ❖ خوشامد اور تملق ❖ طولِ امل ❖ بے ادبی ❖ تبذیر اور اسراف ❖ تجسس ❖ حقوق العباد کا اتلاف ❖ رزق حرام ❖ تشکیک اور بے یقینی ❖ فریب اور دھوکہ بازی ❖ زنا اور جنس پرستی ❖ عیاری ومکاری ❖ لہوولعب ❖ بدزبانی اور سخت مزاجی ❖ جاہلانہ رسوم کی ادائیگی ❖ دشمنانِ دین سے دوستی وغیرہ۔

پروفیسر حافظ زاہد علی کی پیش نظر کتاب پیغمبرِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور اخلاقِ حسنہ ماشاء اللہ اس سے قبل دومرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ اس پر ممتاز اہل علم اور ارباب دانش اپنی تقریظات لکھ چکے ہیں۔ مجھے اس کتاب کی معنوی اور صوری دونوں خوبیوں نے متاثر کیا ہے۔ مصنف کا اسلوب محبت وعقیدت سے مملو ہے۔ قلم میں ادبی اعجاز بھی موجود ہے۔ اپنے انہی متعدد اور متنوع خصائل کے باعث یہ تصنیف سیرت عامۃ المسلمین میں مقبول ومحبوب ہے۔ حق تعالیٰ مصنف کی اس کوشش اور کاوش کو ان کے حسنات میں شمار فرمائے۔ آمین۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر

ڈائریکٹر نیشنل سیرۃ اسٹڈی سنٹر
انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

۲۷ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

حضرت اقدس مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب

شیخ الحدیث و مفتی
جامعہ دار العلوم کراچی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا وشفيعنا ومولانا محمد وآله واصحابه وازواجه ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين   امابعد

عزیز مکرم گرامی قدر جناب حافظ زاہد علی صاحب- زید مجدہم کی ایک کتاب ''خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کی زیارت کا شرف پہلے حاصل ہوا تھا اب ان کی دوسری تالیف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور اخلاق حسنہ کے دیدار کا شرف حاصل ہوا ہے۔ پہلی کتاب کی طرح یہ کتاب بھی حسن ظاہر و باطن سے آراستہ ہے، اس کا موضوع اس کے مضامین طیبہ اس کی طباعت و کتابت سب دل کو کھینچنے والے ہیں اللہ تعالیٰ موصوف سلمہ اللہ تعالیٰ کی ان خدمات کو شرف قبول سے نوازیں اور اخلاص وصدق کے ساتھ مزید دینی خدمات کی توفیق عطا فرماتے رہیں آمین۔

بندہ محمود اشرف غفر اللہ لہ
حال خادم طلبہ جامعہ دار العلوم کراچی
19 / ذوالقعدہ ۱۴۲۷ھ
۸ / نومبر ۲۰۰۶ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اُس کی
کہ جس پہ ایسا تری ذاتِ خاص کا ہو پیار
جو تو اُسے نہ بناتا تو سارے عالم کو
نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار
کہاں وہ رتبہ کہاں عقلِ نارسا اپنی
کہاں وہ نورِ خدا اور کہاں یہ دیدۂ زار
چراغِ عقل ہے گل اُس کے نور کے آگے
زباں کا منھ نہیں جو مدح میں کرے گفتار

اقتباس قصیدۂ محسنی بقلم نفیس ۱۴۰۱ھ

Marfat.com

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم

اور اخلاق حسنہ

قرآن حکیم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک ایسا جملہ فرمایا جس نے آپ کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کر دیا۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ ①

"اے پیغمبر! ہم نے تمہیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

اس آیت نے بتایا کہ آپ نہ صرف انسانوں کے لیے رحمت تھے بلکہ پوری کائنات آپ کی رحمت سے مستفید ہو رہی تھی۔ حق تعالیٰ شانہ اگر رب العالمین ہیں تو آپ رحمۃ اللعالمین اور آپ کی لائی ہوئی کتاب ھدی للعالمین۔

تاریخ انسانی کا اگر مطالعہ کیا جائے تو قرآن حکیم کی اس آیت کی صداقت پر کائنات کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف انسانوں کے لیے رحمت تھے بلکہ شمس وقمر، شجر وحجر، آگ اور پانی اور حیوانات کے لیے بھی آپ کی رحمت عام تھی۔ لیکن انسانی معاشرے میں آپ نے جس خلق عظیم کو پیش کیا، پوری تاریخ انسانیت میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن اخلاق کو دین کا ایک حصہ بنا دیا اور لوگوں سے فرمایا:

((إِنَّ الرَّجُلَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ قَائِمِ اللَّيْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ)) ①

① الانبیاء: ۱۰۷

Marfat.com

''ایک انسان اپنے اخلاق کے باعث اس درجہ پر فائز ہو جاتا ہے جو رات بھر ذکر الٰہی میں کھڑے رہنے اور عمر بھر روزہ رکھنے والے کو نصیب ہوتا ہے۔''

گویا بتایا یہ کہ نماز و روزہ ہی دین نہیں بلکہ لوگوں سے حسن اخلاق سے پیش آنا بھی دین میں اتنا ہی مقام رکھتا ہے جتنا نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کے فرائض۔

ایک اور موقع پر فرمایا کہ

((اَلسَّاعِي عَلَى الْأَرْمِلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوْ كَالَّذِي يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ)) ②

''بیوہ اور مسکین و غریب کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا راہِ خدا میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور اس زاہد شب زندہ دار کی طرح ہے جو دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نماز پڑھتا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے بانیان مذہب میں فرق:

یہ سب کچھ کیوں فرمایا گیا؟ صرف اس لیے کہ قرآن نے انہیں نہ صرف نماز و روزہ کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تھا بلکہ اخلاق اور عملی سیرت کا نمونہ بھی پیش کرنے کے لیے مبعوث فرمایا تھا۔ بلکہ آپ کی سیرۃ کا یہی پہلو سب سے اہم اور ضخیم ہے۔ دنیا میں کئی مذاہب کے بانی آئے انہوں نے مفید نصیحتوں، میٹھی میٹھی باتوں اور اچھی اچھی تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کیا (لیکن ان کی زندگیوں میں کمی جس بات کی تھی وہ باتیں نہیں کام کی اور علم نہیں عمل کی تھی۔) ان کی سیرتوں کی پوری کتاب پڑھ جائیے۔ آپ کو اس میں دلآویز حکایتیں ملیں گی، دلچسپ تھیوریاں (Theories) ملیں گی، خطیبانہ بلند آہنگیاں ملیں گی، فصاحت و بلاغت کا جوش نظر آئے گا، تقریر کا شور نظر آئے گا، موثر تمثیلیں آپ کو خوش کر دیں گی، مگر جو شے نہیں ملے گی وہ عمل، اخلاق اور کردار کی پختگی ہوگی۔ اور اپنے

---

① مشکوٰۃ: ص ۱۳٤ بالفاظ ان المومنین...... الخ.

② صحیح البخاری، کتاب الادب، باب الساعی علی الارملة، رقم الحدیث: ٥٥٤٧

Marfat.com

احکام ونصائح پر خود عمل کر کے دکھانا نہیں ملے گا۔ عمل و کردار کی کمی ہو گی جس سے ان کی کتاب علم خالی ہو گی۔

سرکار دو عالم ﷺ کی کتاب زندگی کے ایک ایک ورق کو پڑھ جایئے۔ آپ نے جو کچھ فرمایا اس پر مِن وعَن عمل کر کے بھی دکھایا۔ بلکہ دوسرے سے اگر ایک پاؤ بھر عمل کا مطالبہ کیا تو خود اس پر سیر بھر عمل کر کے دکھایا۔ نماز کی تعلیم دی تو فرمایا

((صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي))①

''اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔''

وضو کی تعلیم دی تو خود وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ اس طرح وضو کرو جس طرح میں وضو کرتا ہوں۔ لوگوں کو پانچ وقت کی نمازوں کا حکم دیا مگر خود آٹھ وقت نماز پڑھتے تھے۔ عام لوگوں پر تو شب و روز میں سترہ رکعتیں فرض تھیں لیکن اسلام کا یہ داعی ہر روز کم و بیش بیسیوں رکعتیں ادا فرماتے۔ پھر ان رکعتوں میں قیام اتنی دیر فرماتے کہ پائے مبارک متورم ہو جاتے رکوع میں اتنی دیر جھکے رہتے کہ دیکھنے والے کہتے کہ شاید سجدہ کرنا بھول گئے ہیں۔

مسلمانوں کو روزوں کا حکم دیا تو عام مسلمانوں پر سال میں تیس روزے فرض کیے، لیکن اسلام کے اس پیغمبر کی اپنی کیفیت یہ تھی کہ کوئی ہفتہ اور کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہ جاتا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ آپ روزہ رکھنے پر آتے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی افطار نہ کریں گے۔ آپ نے مسلمانوں کو شعبان میں روزے رکھنے کی ممانعت کی لیکن شعبان اور رمضان دونوں مہینوں کے روزے رکھے۔ محرم کے دس دن، شوال کے چھ دن بھی ہر سال روزے سے گزرتے۔

لوگوں کو راہ خدا میں زکوٰۃ و خیرات کا حکم فرمایا تو پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا۔ سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا سے نکاح کے بعد ان کی پوری دولت اللہ کے راستے میں تقسیم کر دی۔ چنانچہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شہادت بھی اس بارے میں حدیث کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ انہوں نے کہا تھا: ''یا رسول اللہ! آپ قرض داروں کا قرض ادا کرتے

① بخاری، کتاب الآذان؛ باب الاذان للمسافر اذا کانوا جماعة، رقم الحدیث: ٥٩٥

Marfat.com

ہیں، اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔'' ①

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپ رمضان المبارک میں فرماتے۔ لوگوں کو عام حکم تھا کہ ''جو مسلمان قرض چھوڑ کر مر جائے اس کا قرض میں ادا کروں گا اور جو ترکہ اس نے چھوڑا ہے اس کے حق دار اس کے وارث ہوں گے۔'' خود فرمایا کرتے تھے:

((إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي)) ②

''میں تو بانٹنے والا ہوں اصل دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے۔''

سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک راستہ سے گزر رہا تھا۔ راہ چلتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابو ذر! اگر اُحد کا یہ پہاڑ میرے لیے سونے کا ہو جائے تو میں کبھی پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس رہ جائے۔ البتہ یہ کہ کسی قرض کے ادا کرنے کے لیے کچھ رکھ چھوڑوں۔''

ایک مرتبہ فدک سے چار اونٹوں پر غلہ لد کر آیا۔ کچھ قرض تھا۔ پہلے وہ ادا کیا۔ پھر کچھ لوگوں کو تقسیم کیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کچھ بچ تو نہیں گیا؟ عرض کی کچھ بچ گیا ہے۔ کیونکہ کوئی لینے والا نہیں۔ فرمایا جب تک دنیا کا یہ مال باقی ہے میں گھر نہیں جا سکتا۔ چنانچہ رات مسجد ہی میں بسر کی۔ صبح کو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے آکر خوشخبری سنائی کہ یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کو اس مال کے باردوش سے سبکدوش کر دیا۔ یعنی جو کچھ تھا وہ تقسیم ہو گیا ہے۔ اب کچھ نہیں رہا۔ آپ نے یہ سن کر اللہ کا شکر ادا کیا۔ ③

یہ سب کچھ اپنے لیے تھا۔ دوسروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تم سب چھوڑ چھاڑ کر میرے پیچھے آجاؤ۔ نہ گھر بار لٹا دینے کا حکم فرمایا۔ نہ آسمان کی بادشاہت کا

---

① رواه البخاری، کتاب، بدء الوحی، باب بدء الوحی: ۱/ ۳، ۶/ ۲۰۲ بالفاظ مختلفه

② بخاری، کتاب العلم، باب من یرد الله به خیرا، رقم الحدیث: ۶۹

③ رواه البیهقی فی دلائل النبوة، باب حدیث نفقه رسول الله صلی الله علیه وسلم......الخ، بالفاظ مختلفه: ۱/ ۳۴۹

Marfat.com

دروازہ دولت مندوں پر بند کیا بلکہ صرف یہ حکم دیا کہ اپنی کمائی میں سے کچھ دوسروں کو دے کر خدا کا حق بھی ادا کرو ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ مگر خود یہ عمل تھا کہ جو کچھ آیا وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا۔

انسان کی عملی سیرت کا نام اخلاق ہے۔ کسی مذہب کے بانی کے بارے میں کسی صحیفہ نے اس بات کی شہادت نہیں دی کہ وہ اپنے عمل کے لحاظ سے بھی نہایت بلند انسان تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن نے علی الاعلان کہا اور ہر ایک سے کہا۔

﴿وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ ①

یہ دونوں آیات اگرچہ نحو میں معطوف اور معطوف علیہ ہیں لیکن ترکیب کلام کے لحاظ سے یہ علت و معلول ہیں یعنی دعویٰ اور دلیل ہیں۔ پہلی آیت میں آپ کے اجر کے نہ ختم ہونے کا دعویٰ ہے اور دوسری آیت میں آپ کے عمل اور اخلاق کو اس دعویٰ کے ثبوت کے لیے بطور دلیل پیش کیا گیا ہے۔ یعنی بتایا یہ کہ آپ کے اعمال اور آپ کے اخلاق بلکہ خلق عظیم خود اس کی دلیل ہیں کہ آپ کے اجر کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔

قرآن حکیم میں آپ کے عملی اخلاق کے بارے میں بہت سی آسمانی شہادتیں موجود ہیں، طوالت کے خوف سے جن کو یہاں بیان نہیں کیا جا رہا۔ لیکن احادیث نبویہ میں آپ نے اپنی بعثت کی غرض و غایت ہی یہ بتائی ہے کہ:

((بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ (وَفِي رِوَايَةٍ) مَحَاسِنَ الأَعْمَالِ)) ②

''میں مکارم اخلاق یا محاسن اعمال کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔''

اور اپنے ماننے والوں کی نگاہ میں اخلاق کریمانہ کی اہمیت بڑھانے کے لیے فرمایا

((أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا)) ①

---

① القلم: ٣۔٤

② موطا امام مالك، كتاب الجامع، باب ماجاء فى حسن الخلق، وفى رواية مكارم الاخلاق: ص ٧٠٥

Marfat.com

”جس شخص کا خلق بہترین ہو گا تمام مومنین میں اس کا ایمان اعلیٰ اور اکمل ہو گا۔“①

ان احادیث نبویہ سے معلوم ہوا کہ اسلام میں اخلاق کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسی اہمیت کے پیشِ نظر قرآن نے حضور ﷺ کو یہ کہیں نہیں کہا کہ آپ بہترین نماز پڑھنے والے ہیں یا آپ بہترین روزہ رکھنے والے ہیں، بلکہ یہ کہا ﴿اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (بے شک آپ خلقِ عظیم کے حامل ہیں)۔ یہ سورۃ القلم کی چوتھی آیت ہے۔ اور اس بات پر قریباً سب اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ سورہ نزول کے لحاظ سے قرآن حکیم کی دوسری یعنی بالکل ابتدائی دور کی مکی سورت ہے اور یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی صداقت پر سب سے پہلی عقلی دلیل ہے جو قرآن حکیم نے پیش کی ہے۔ جس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

(۱) اولاً یہ کہ اہل مکہ میں اتنی اخلاقی حس ضرور تھی کہ وہ اخلاقی عظمت پر مبنی اس استدلال سے قائل کیے جا سکتے تھے۔ چنانچہ اس آیت میں آپ کے اخلاق عالیہ کی طرف یہ بلیغ اشارہ فرمایا۔ اس سورۃ القلم کی اگلی ۱۰-۱۴ آیات میں یہ بیان فرمایا کہ جو آدمی مجموعۂ رذائل ہو، وہ چاہے کتنا ہی صاحب جاہ و مال ہو، اسے کوئی اہمیت نہ دو۔ فرمایا:

”ہرگز نہ دبو اس شخص سے جو قسمیں کھانے والا، پست فطرت، طعنہ جو، چغل خور، مانع خیر، دھاندلی باز، بدعمل، جفا کار اور اس کے ساتھ ساتھ بداصل بھی ہو۔ وہ صرف اسی وجہ سے (چودھری بنا پھرتا ہے) کہ بہت مال و اولاد رکھتا ہے۔“②

قرآن حکیم کے اس اندازِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مخاطبین ”خلقِ عظیم“ اور ان آیات میں بیان کردہ نو رذائل کے تباین کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے تھے۔

(۲) ثانیاً اس آیت کے نزول کے زمانہ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات یقینی طور پر ثابت

---

① سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب الدلیل علی زیادۃ الایمان رقم الحدیث: ٤٠٦٢
② القلم: (١٠-١٤)

ہوتی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ اپنی بعثت سے قبل ہی صاحب خلق عظیم تھے۔
یوں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم نے سرکار دو عالم ﷺ کے خلق کی تشکیل یا تکمیل نہیں کی بلکہ اسے تدریجاً ظاہر کیا۔ قرآن وسنت میں اخلاقیات پر جو کچھ بھی بیان ہوا ہے وہ صرف سرور کائنات ﷺ کے خلق عظیم کے خدوخال کی مکمل تصویر کشی ہے اور اسی لیے آپ کی ذات ستودہ صفات کو امت مسلمہ کے لیے ''اسوۂ حسنہ'' قرار دیا۔ خود ''اسوہ'' کے لفظ میں عمل اور کامل کی موجودگی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

(۳) ثالثاً یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ نبوت محمدی کی صداقت پر جملہ عقلی ونقلی دلائل کی تبلیغ واشاعت تمام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔ اس لیے آج بھی دنیا کے سامنے رسول اللہ ﷺ کے دو معجزات کو پیش کرنا کافی ہے۔ ایک قرآن حکیم کو اور دوسرے اخلاق نبوت کو۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جو شخص بھی مسلمان ہوا وہ نماز روزہ کو دیکھ کر مسلمان نہیں ہوا بلکہ یا تو قرآن حکیم کو سن کر مسلمان ہوا یا پھر اخلاق نبوت سے متأثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ اہل مکہ اور اہل مدینہ خلق نبوت کا مشاہدہ کر سکتے تھے لیکن مابعد النبی ادوار میں اس کا مشاہدہ کرانے کی ذمہ داری امت پر ہے کہ ایک طرف اخلاق نبوت سے متصف اور آراستہ ہونا ہر مسلمان پر حسب استطاعت فرض عین ہے اور دوسری طرف اخلاق نبوت کا مطالعہ اور اس کی تبلیغ واشاعت سب مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ ہے۔

(۴) رابعاً آج بھی اسلام کی تبلیغ انہی لوگوں اور انہی قوموں میں مؤثر ہوگی جن میں اخلاق حسنہ زندہ ہیں نیز یہ کہ اسلام کی نشرواشاعت کے لیے صرف سیمینار اور مذاکرے مفید نہیں بلکہ ان کے ساتھ سب کے مشاہدہ میں آنے والی زبردست اخلاقی قوت درکار ہے، کیونکہ چودہ سو سال کا تجربہ گواہ ہے کہ اسلام جہاں بھی پہنچا زیادہ تر صلحائے امت اور صوفیاء کرام کے اخلاق وکردار کی بدولت پہنچا۔
سرور کائنات ﷺ نے صرف اخلاقی نظریاتی تعلیم نہیں دی بلکہ عملی اخلاق پر بھی زور دیا اور محاسن اخلاق سے عملاً مزین ہونا مسلمان کی ایک لازمی

Marfat.com

خصوصیت اور نبوت سے اکتساب فیض کی علامت قرار دی۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ کی پوری زندگی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کارنامہ ہائے حیات میں اس کو مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

اخلاق ہیں کیا؟

قبل اس کے کہ پیغمبر علیہ السلام کے اخلاق حسنہ پر کچھ روشنی ڈالی جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ بتا دیا جائے کہ اخلاق ہیں کیا؟ لغت میں تو خلق کا معنی فطرت اور طبیعت ہے۔ انسان کی باطنی صورت کو اس کے اوصاف اور مخصوص معانی کے ساتھ خلق کہتے ہیں جس طرح اس کی ظاہری شکل وصورت کو خلق کہا جاتا ہے۔ لیکن امام محمد الغزالی قدس سرہ نے (جو دانش ایمانی اور دانش برہانی دونوں سے آشنائے راز تھے اور حکمت و فلسفہ اور علم کلام کے علاوہ انسانی نفسیات کے بھی بہت بڑے ماہر تھے) خلق کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"اَلْخُلُقُ عِبَارَةٌ عَنْ هَيْئَةٍ فِي النَّفْسِ رَاسِخَةٍ عَنْهَا تَصْدُرُ الْأَفْعَالُ بِسُهُوْلَةٍ وَيُسْرٍ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ إِلَى الْفِكْرِ وَرُوْيَةٍ" ①

"یعنی خلق نفس کی اس راسخ کیفیت کا نام ہے جس کے باعث اعمال بڑی سہولت اور آسانی سے صادر ہوتے ہیں۔ ان کے کرنے کے لیے فکر و غور کے تکلف کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔"

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تعریف بڑی جامع اور مانع ہے۔ اس کی رو سے وہ اعمال جو کسی شخص سے اتفاقاً صادر ہوں یا کسی وقتی جذبہ اور عارضی جوش سے ظہور میں آئیں خواہ وہ اعمال کتنے ہی اعلیٰ اور عمدہ ہوں انہیں اخلاق کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ اخلاق کا اطلاق انہی عادات و خصائل پر ہو گا جن کی جڑیں قلب و روح میں پیوست ہوں اور انہی غیر متزلزل اور پختہ صفات پر کامیاب زندگی یا دوسرے لفظوں میں اخلاقی زندگی کا محل تعمیر کیا جا سکتا ہو۔ اگر کوئی شخص کسی وقتی جذبہ اور جوش میں آ کر غریبوں اور محتاجوں کی امداد کے

① احياء علوم الدين: ۲/ ۱۴۳

Marfat.com

لیے اپنے خزانوں کے منہ کھول دے تو اسے سخی نہیں کہا جا سکتا۔ نیک اور عمدہ خصائص کو پیدا کرنا پھر ان کو قلب کی گہرائیوں میں پختہ کرنا تا کہ مطلوبہ اعمال کا ظہور اس طرح بے تکلفی سے ہو جس طرح چشمہ سے پانی ابلتا ہے، یہ نہایت کٹھن اور مشکل کام ہے۔ اس خطرناک اور مشکل مہم کو سر کرنے کے لیے حکماء اور علماء اخلاقیین نے بڑی کوششیں اور مساعی کی ہیں لیکن ان کی نظریاتی کشمکش نے ان کی ان تمام کوششوں کو بے نتیجہ کر دیا۔ وہ خیر و شر اور اچھے اور برے کا معیار ہی طے نہ کر سکے۔

اسی بات کو اقبال نے ان اشعار میں بیان کیا ہے

ہیگل کا صدف گہر سے خالی ہے اس کا طلسم سب خیالی
انجام خرد ہے بے حضوری ہے فلسفۂ زندگی سے دوری
افکار کے نغمہ ہائے بے صورت ہیں ذوق کے واسطے موت ①

یہاں ایک بات اور ذہن میں رہے کہ علم اخلاق پر علمائے اخلاقیین اور حکماء وقت نے بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھیں، لیکن وہ فضائل، وہ خصائل حمیدہ اور اخلاق عالیہ، جن کی تعریف میں انہوں نے سینکڑوں صفحات سیاہ کیے، ان کی خود عملی زندگی میں ان کا نام و نشان نہیں ملتا۔ بلکہ وہ رذائل کی دلدل میں خود کمر تک دھنسے ہوتے ہیں۔ لیکن ان حکماء کے مقابلے میں انبیاء علیہم السلام کا گروہ بھی لوگوں کو اخلاق حسنہ سے روشناس کراتا ہے۔ وہ اپنے قلم سے تو کوئی کتاب نہیں لکھتے لیکن وہ اپنے عمل سے ایک ایسی کتاب زندگی لکھ جاتے ہیں جس کا ایک ایک فقرہ سادہ اور واضح ہوتا ہے، ان کی عملی تعلیمات میں کوئی الجھاؤ اور التباس نہیں ہوتا۔ ان کے ہاں پیچیدہ عملی اصطلاحیں نہیں ہوتیں۔ ان کی زندگی کا ایک ایک عمل دل کی اتھاہ گہرائیوں میں گھر کر جانے والا ہوتا ہے۔ ان کے اعمال کے مطابق اپنے اعمال ڈھالنے سے ایک لذت آشنائی حاصل ہوتی ہے۔ دلوں کے دریچے کھلتے ہیں۔ قول و عمل میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ خود غرضی اور شہوات و خواہشات کے کانٹے دلوں سے نکلتے ہیں اور نتیجہ کے طور پر اعمال میں بانکپن اور خلوص کی مہک پیدا ہوتی ہے۔

---

① ضرب کلیم، ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام شعر: ۲،۱۱،۱۲

Marfat.com

پیغمبر اسلام ﷺ کی کھلی اور واضح زندگی:

مسلمانوں کی یہ خوش بختی ہے کہ اُن کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی مکمل زندگی ولادت سے وصال مبارک تک ان کے سامنے ہے۔ بلکہ زندگی کا معمولی سے معمولی گوشہ بھی آج پوری دنیا کے سامنے ہے۔ اسی وجہ سے موجودہ دنیا کے بہت بڑے مؤرخ کو یہ لکھنا پڑا کہ:

Muhammad was born within the full light of history.

محمد ﷺ تاریخ کی پوری روشنی میں پیدا ہوئے۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ کی زندگی کا کوئی پہلو پردہ میں نہیں تھا۔ چنانچہ تاریخ کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اخلاقی اور معاشرتی زندگی کا ہر پہلو ہمارے سامنے اس طرح بے نقاب ہے گویا کہ آپ خود ہمارے سامنے موجود ہیں۔ تورات کے پیغمبروں میں سے کون سا ایسا پیغمبر ہے جس کی اخلاقی زندگی کا ہر گوشہ بے نقاب ہو۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے صرف تین سال کا حال ہمیں معلوم ہے۔ ان انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ایران، ہندوستان اور چین کے بانیانِ مذاہب کی اخلاقی زندگیوں پر لاعلمی کا دبیز پردہ پڑا ہوا ہے اور کوئی ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا کہ کیسے تھے۔ اور ان کی اخلاقی اور معاشرتی زندگی کا کوئی گوشہ آج دنیا کے سامنے نہیں۔ اور جو کچھ بیان کیا جاتا ہے تاریخ کے رپورٹر اس کی تصدیق کرنے سے قاصر ہیں۔ صرف اسلام ہی کے معلم اخلاق کی زندگی ایسی ہے جس کا حرف حرف دنیا میں محفوظ اور سب کے سامنے عیاں ہے اور سیرت محمدی کا ہر پہلو روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کا خود یہ حکم تھا کہ میرے ہر قول و عمل کو ایک سے دوسرے تک پہنچاؤ۔ محرمانِ راز کو اجازت تھی کہ جو کچھ مجھے خلوت میں کرتے دیکھو اس کو جلوت میں برملا بیان کرو۔ جو حجرہ میں کہتے سنو اس کو چھتوں پر چڑھ کر پکارو۔ تاکہ دنیا اس سے باخبر ہو۔ لوگ تو اپنی ذاتی باتوں کو عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل رکھتے ہیں لیکن پیغمبر خدا ﷺ کا حکم تھا کہ میری اندرونی باتوں کو بھی ہر ایک تک پہنچاؤ۔ گویا آپ کا ظاہر و باطن ایک تھا آپ ﷺ نے فرمایا:

Marfat.com

((أَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ)) ①

اس حکم کے تحت شمع نبوت کے پروانوں نے آپ کے احوال واخبار اور شمائل و فضائل ہی نہیں، زندگی کی ہر ہر ادا کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کر لیا۔ اور ایسا محفوظ کیا کہ اس ابدی ہدایت کا نسخہ کیمیا ہر تحریف وتغیر سے مبرا ہو گیا۔

لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ یہ قوم ہدایت کے اس آفتاب عالم تاب کی حیات بخش شعاعوں سے راہ فرار اختیار کرتی ہے اور اندھیروں کی وادی میں فروزاں چمکیلی مگر زہریلی روشنیوں کی طرف لپکتی ہے۔ اور ان اذیت ناک ناسوروں سے بے خبر ہے جو اندر ہی اندر ان مسموم شعاعوں میں پک رہے ہیں۔ ہدایت کی صدائے جرس برابر سنائی دے رہی ہے مگر کچھ کان بہرے ہو چکے ہیں، کچھ اسے پہچانتے نہیں، کچھ سن تو رہے ہیں لیکن زبان کو لبیک کا یارا نہیں۔ بیمار روحوں اور مفلوج جسموں میں حرارت زیست ختم ہو چکی ہے اور طبیب یثرب کے قدموں میں پہنچنے کا داعیہ ان کے رگ و پے سے ختم ہو چکا ہے۔ جہاں دوا بھی ہے اور شفا بھی۔ حرارت بھی ہے اور زیست بھی۔ سب کچھ ہے لیکن انہیں کچھ نظر نہیں آتا ہے کیونکہ آنکھوں میں بینائی کا یارا نہیں کہ اس طبیب یثرب کے کمالات وفضائل سے آشنا ہو سکیں۔

ہماری زندگیاں اور اعمال کی حقیقت:

ہر سال ہمارے ہاں میلاد کی محفلیں ہوتی ہیں، میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوس نکلتے ہیں، سیرت کی کانفرنسیں ہزاروں لاکھوں روپیہ صرف کر کے منعقد ہوتی ہیں۔ مذاکروں اور نعتیہ مشاعروں کا اہتمام ہوتا ہے۔ لیکن ہم نے کبھی سر جھکا کر اور اپنے گریبان میں جھانک کر حساب ہی نہیں کیا کہ ہم اس مقدس ہستی کے نقش پا کی طرف کتنے قدم آگے بڑھے۔ پیغمبر کی کتنی سنتوں کو زندہ کیا۔ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیے گئے کتنے عہدوں کو نبھایا۔ رشوت سے کتنا کمایا؟ اور حلال طریقے سے کتنا کمایا؟ اخلاق کی

---

① مسند احمد، کتاب من مسند بنی هاشم باب بداية، مسند عبدالله بن العباس، رقم الحديث: ١٩٣٢

Marfat.com

گرتی ہوئی دیوار کو کتنا سہارا دیا؟ اخلاق نبوت کی دعوت کو کتنا عام کیا؟ اپنی زندگیوں کو پیغمبر علیہ السلام کی زندگی سے کتنا مشابہ کیا؟ کتنے رسم و رواج کو خیر باد کہہ کر اس کے بجائے اسلامی طریقوں کو رائج کیا؟ حق کی دعوت دینے میں کس قدر اثبات و استقلال سے کام لیا۔ اگر ان میں سے کچھ نہیں کیا تو ہم نے محافل میلاد اور میلاد النبی کے جلوس اور کانفرنسیں منعقد کر کے دین سے مذاق کیا ہے۔ ہم اپنی قومی زندگی کا تجزیہ کریں تو پتا چلتا ہے کہ اگر اسلام کے ماننے والے اسلام کا صرف نام لینے والے بن جائیں اور شہرت کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیں اور صرف محافل میلاد منعقد کرنے اور جلوس نکالنے ہی پر حب رسول کی بنیاد رکھیں اور دین پر عمل کرنے کے بعد صرف باتوں میں اپنی روح کا سکون سمجھنے لگیں اور سیرت نبوی کو اپنے عمل میں اتارنے کی بجائے صرف زبانوں تک محدود رکھا جائے تو اسلام کی روح غائب ہو جاتی ہے اور صرف اس کے دنیوی پہلو باقی رہ جاتے ہیں۔ اور اسلام اپنی سطح سے اتر کر اپنے ماننے والوں کی سطح پر آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کا جذبہ روح کی گہرائیوں اور قلب کی پہنائیوں سے ختم ہو جاتا ہے۔ نظر نہ آنے والے خدا سے خوف و محبت کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے البتہ نظر آنے والے خداؤں کی تقدیس و تحمید زوروں پر شروع ہو جاتی ہے۔ خدا کی خوشنودی کے لیے تنہائیوں میں رونا اور خاموشیوں میں گڑگڑانا باقی نہیں رہتا۔ البتہ لاؤڈ اسپیکروں پر دھواں دھار تقریریں اور نعرے ترقی کر جاتے ہیں۔ نماز ان کے دلوں کو روشنی نہیں بخشتی البتہ مسجدوں کی روشنیاں پورے شباب پر پہنچ جاتی ہیں۔ روزہ سے صبر اور پرہیز گاری نکل جاتی ہے البتہ سحر و افطار کی دھوم اور رونقیں خوب بڑھ جاتی ہیں۔ مختصر یہ کہ خدا کے دین کو اپنی دنیا دارانہ زندگی میں ڈھال لیا جاتا ہے۔ اور خود ہماری زندگیاں اسلام کے سانچے میں نہیں ڈھلتیں کیونکہ ہمارا اسلام سے قلبی تعلق ختم ہو جاتا ہے۔

اخلاق کی اہمیت:

یہ تو ایک لمبی داستان ہے کہ ہم نے سیرۃ پیغمبر کی کہاں تک اتباع کی؟ اس کو زبان کے بجائے قلب و نظر اور دل و دماغ کی اتھاہ گہرائیوں میں کہاں تک اتارا؟ معاشرۂ انسانی میں اس کو کب لاگو کیا کیونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ صرف نمازوں میں

Marfat.com

رہنے والے زاہدوں اور جنگلوں میں ریاضات کرنے والے انسانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ معاشرہ میں جکڑے ہوئے لوگوں کے لیے بھی قدم قدم پر مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلام نے ہمارے وجود کے گرد حقوق وفرائض کے جس قدر بندھن باندھے ہیں، ان سب کی ادائیگی کے طریقے اس طرح سکھائے کہ عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ ہماری نجی اور اجتماعی زندگی دونوں کی عافیت کے لیے نہایت صاف اور ستھرے اصول بتائے جن پر عمل کر کے ایک عام اور خاص انسان دونوں راحت وآسائش اور خوشی ومسرت کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

دنیا کے تمام مذاہب نے اپنی بنیاد اخلاق پر رکھی، لیکن ان کے مقابلہ میں اسلام نے اخلاق کو اتنی اہمیت دی کہ اس کو عبادت سے بھی بڑھا دیا اور باہم انسانوں کے اخلاقی فرائض میں کوتاہی کی معافی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں نہیں ان بندوں کے ہاتھ میں رکھی جن کے حق میں کوتاہی ہوئی۔ پھر ایمان کی مضبوطی کو اخلاق کی مضبوطی پر منحصر رکھا۔ اخلاق اچھے تو ایمان مضبوط، ایمان مضبوط تو عبادت مقبول، گویا ان تینوں چیزوں کا آپس میں ایسا ناتا اور تعلق رکھا کہ اگر کوئی شخص کتنا ہی عبادت گزار کیوں نہ ہو، اگر اس کے اخلاق اچھے نہیں تو نگاہِ اسلام میں اس کی عبادت کی کوئی قیمت نہیں، کیونکہ جو شخص اہل و عیال، اعزا واقرباء، دوست واحباب، پڑوسی اور اہل وطن، انسانی برادری حتیٰ کہ جانوروں سے بھی اگر اس کے اخلاق اچھے نہیں اور معاشرتی تعلق میں حسن نہیں تو اللہ کے ہاں اس کی عبادت ایک بے روح جسد کی سی ہے اور اس کا ایمان اس کے نفس کی گہرائیوں میں نہیں اترا کیونکہ اخلاق ہی ہماری ایمانی حالت کی کسوٹی ہے۔ اسی لیے اخلاق حسنہ کے بارے میں اس قدر احادیث ہیں کہ پتہ چلتا ہے کہ سارے دین کی بنیاد ہی اخلاق حسنہ ہیں چنانچہ ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ

''انسان حسن اخلاق سے وہ درجہ پا سکتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر نماز پڑھنے سے ملتا ہے۔'' ①

ایک اور حدیث میں ہے:

---

① رواه ابو داؤد، كتاب الادب، باب فی حسن الخلق، رقم الحديث: ٤٧٩٨

"حسن اخلاق سے زیادہ بھاری اور کوئی چیز نہ ہوگی۔" ①

طبائع کے تنوع اور انسانی فطرت کی بوقلمونی کی وجہ سے مختلف لوگوں کے متاثر ہونے کی کیفیت میں اختلاف ملتا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارا نظام اخلاق ایسا متوازن اور معتدل ہو کہ اس میں جمالی اور جلالی دونوں قسم کی قوتوں کا مناسب امتزاج پایا جاتا ہو۔ ایک طرف اگر فولادی صلابت ہو تو دوسری طرف ماں کے دل کا گداز بھی ہو۔ کوہ گراں بھی ہو اور آب رواں بھی۔ شعلہ بھی ہو اور شبنم بھی۔ طاقت اور سختی کا بھی مظہر ہو اور مسکنت اور عاجزی کو بھی اپنے آغوش میں لیے ہوئے ہو۔ گویا اقبال کے اس شعر کی طرح ہو

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

بہادری اور شجاعت کے جوہر کو ختم نہیں کیا بلکہ امالہ کر دیا:

بلند ہمتی و استقلال، آزادی و حق گوئی، رفاقت و محبت، استغفار و قناعت، عصمت و حیاء، شجاعت و مردانگی، سیر چشمی و بلند نظری، امن و عدل غرض تمام انسانی اوصاف اس میں نمایاں ہوں۔ یہ نظام اخلاق غضب و شہوت کی قوتوں کا استیصال نہ کرے کیونکہ اس طرح یہ دنیا ایک وسیع قبرستان بن کر رہ جائے گی اور نہ اس کو ہوا ہی دے کہ تمام انسان درندوں کی سطح پر اتر آئیں بلکہ ان کی صحیح تربیت کا انتظام کر کے ان میں توازن پیدا کرے۔ نطشے (Nietzsche) نے اسی لیے مسیحی فلسفۂ اخلاق سے منہ پھیر لیا تھا کہ عیسائیوں نے غضبی اور شہوائی قوتوں کو برا قرار دے کر ایک بہت بڑی غلطی کی تھی۔ پروٹیسنزم (Protestanism) نے اسی رہبانی اخلاقیات کے خلاف بغاوت کر کے نفس کے ان اجزاء کو تمدن اور اخلاق میں مناسب جگہ دی۔ غضب و شہوت کی ان قوتوں میں بذات خود کوئی برائی نہیں۔ دراصل انہی دو قوتوں سے شجاعت، استقلال، حوصلہ مندی، پامردی اور بہت سی دوسری اچھائیاں ابھرتی اور جنم لیتی ہیں جن کے بغیر ہماری زندگی پھیکی اور بدمزہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ برائی ان کے غلط استعمال سے پیدا ہوتی ہے۔ ضرورت ان میں اعتدال اور ان کے استعمال کے صحیح موقع اور محل مقرر کرنے کی ہے

① رواہ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی حسن الخلق، رقم الحدیث: ۴۷۹۹

تا کہ ان کے سوتوں سے حیات وقوت کے دھارے بہہ کر معاشرہ کی شادابی اور نکھار کا باعث بن سکیں۔ اس کی ایک عام مثال یہ ہے کہ عربوں میں بہادری اور شجاعت کی قوت پائی جاتی تھی جس کو علم اخلاق کی اصطلاح میں قوت غضبی کہتے ہیں۔ اس قوت غضبی کے تحت وہ معمولی خاندانی جھگڑوں کی وجہ سے نسلاً بعد نسلٍ انتقام کی آگ میں جلتے رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے کئی نسلوں تک قتل و غارت کا سلسلہ جاری رہتا۔ اسلام نے بہادری اور شجاعت کے اس جوہر کو ختم نہیں کیا بلکہ اس کا امالہ کر دیا یعنی اس جوہر کو دوسری طرف مائل کر دیا۔ فرمایا کہ شجاعت و بہادری کے اس جوہر کو اپنی ذات اور اپنے خاندان کے انتقام کے لیے صرف نہ کرو بلکہ اس کو اللہ کے دین کے لیے خرچ کرو۔ اللہ کے دشمنوں اور باغیوں سے نبرد آزما ہو جاؤ۔ "تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ" ① کے تحت اللہ کے دشمنوں اور دین کے دشمنوں سے لڑو۔ اللہ کے کلمہ کو دنیا میں اپنے اس جوہر سے بلند کرو۔ جب یہ جوہر اللہ کے لیے وقف ہو گیا تو پھر مسلمانوں کی کایہ پلٹ گئی۔ ان کی زندگی میں ظلم کے پہاڑ بھی ٹوٹے۔ مصیبتوں کی آندھیاں بھی آئیں، ناکامیوں کا اندھیرا بھی چھایا اور کامرانیوں اور فتح مندی کے شادیانے بھی بجے، مسرتوں کے پھول بھی کھلے اور قوت وحکمت کے پرچم بھی لہرائے۔ انہوں نے اس جوہر تابدار کو اپنی ذات کے لیے استعمال نہ کیا بلکہ اللہ کے حکم کے تحت جہاں اس نے چاہا وہیں استعمال کیا چنانچہ انہوں نے جنگیں بھی لڑیں اور صلح وآشتی کے عہد نامے بھی کیے۔ ملکی اور سیاسی گتھیاں بھی سلجھائیں اور خانگی زندگی کا لطف بھی اٹھایا۔ خاندانی جھگڑوں سے بالائے طاق ہو کر اللہ کے دین کے لیے لڑائیاں بھی لڑیں اور اللہ کے لیے صلہ رحمی بھی کی۔ دنیا کے ہادی و رہبر بھی بنے اور دنیا میں اللہ کے لیے دشمنی کی طرح بھی ڈالی۔ گویا وہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کی عملی تصویر تھے

درشتی و نرمی بہم در بہ است
چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است ②

"سختی اور نرمی ملی جلی بہتر ہے جراح کی طرح زخم لگانے والا اور

① الانفال: ۶۰

② بوستان باب اول، صفحہ: ۲۵

Marfat.com

مرہم رکھنے والا ہے۔"

وہ ایک سرجن کی طرح بیماریوں کا اپریشن بھی کرتے اور مرہم بھی لگاتے۔ درشتی اور نرمی دونوں کو دنیا میں رائج کیا۔ شجاعت اور بہادری کے کام بھی کیے اور عفو و درگزر سے کام بھی لیا۔ پھر سرورِ کائنات ﷺ کا نمونہ اور اسوہ بھی ان کے سامنے تھا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ "آپ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لیے کسی سے بدلہ نہیں لیا، لیکن اگر کوئی شریعت کی حد توڑتا تو پھر آپ اسے سزا دیتے۔ یعنی جہاں حدود الٰہی کے ٹوٹنے کا سوال ہوتا تھا وہاں آپ سختی کرنے میں تامل نہ فرماتے اور جہاں مستحبات اور اخلاقی فضائل اور رذائل ہی سے تعلق ہوتا تھا، وہاں آپ نرمی سے کام لیتے۔

اس کی ایک اور مثال آپ کی زندگی میں یہ دی جا سکتی ہے کہ ایک مرتبہ ایک خاتون جو قبیلہ بنی مخزوم کے سردار کی بیٹی تھی اور اس کا نام بھی فاطمہ تھا، چوری کے جرم میں پکڑی گئی۔ چوری کا جرم ثابت ہو گیا۔ اور اس کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ چونکہ وہ سردار کی بیٹی تھی، لہٰذا بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی معرفت آپ ﷺ سے سفارش کرنا چاہی۔ آپ نے سفارش تو نہ سنی لیکن تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے فرمایا "تم سے پہلے کی قومیں صرف اس لیے تباہ و برباد ہوئیں کہ جب ان میں کوئی معمولی آدمی جرم کرتا تھا تو ان کا قانون حرکت میں آ جاتا اور اسے سزا دی جاتی لیکن جب کوئی بڑا اور با رسوخ آدمی جرم کا ارتکاب کرتا تو قانون اندھا بہرا ہو جاتا اور اس کا جرم نظر انداز کر دیا جاتا۔" پھر فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چوری کرے قانون کے مطابق اس کا ہاتھ میں کاٹ دوں۔" ①

اخلاق کا یہ نمونہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی پوری زندگی میں پایا جاتا ہے کہ درشتی اور نرمی کا ایک عجیب مرکب تھا۔ آپ درشتی کے وقت درشتی اور نرمی کے وقت نرمی فرماتے، لیکن ہر بات میں اللہ کی رضا اور خوشنودی مدنظر ہوتی۔ اپنی ذات کا اس میں کوئی دخل نہ ہوتا۔ اس کی ایک اور مثال حدیث کی کتابوں میں ملتی ہے کہ ایک مرتبہ ایک بدو مسجد نبوی میں آپ ﷺ سے ملنے کے لیے آیا۔ اتفاقاً اسے پیشاب کی حاجت ہوئی۔ وہ

① بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب حدیث الغاز، رقم الحدیث: ۳۲۱۶

دیہاتی تھا۔ آداب مسجد سے بالکل نا آشنا۔ نہ کبھی اس سے قبل اسے مسجد سے واسطہ پڑا۔ اس نے مسجد کو ایک عام جگہ ہی سمجھ لیا۔ چنانچہ وہ وہیں مسجد کے صحن میں پیشاب کرنے لگا۔ چاروں طرف سے صحابہ رضی اللہ عنہم دوڑے اور اسے ڈانٹنا شروع کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روکا کہ تم سختی کے لیے نہیں بلکہ نرمی کے لیے بھیجے گئے ہو۔ ڈانٹ کر نہیں بلکہ اخلاق حسنہ سے سمجھانے کے لیے بھیجے گئے ہو۔ اسے اب پیشاب کر لینے دو۔ جب وہ پیشاب سے فارغ ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلا کر نہایت شیریں الفاظ میں سمجھایا کہ یہ مساجد عبادت کے گھر ہیں۔ یہاں اللہ کی بندگی کی جاتی ہے۔ اللہ کے پاک بندے یہاں نماز پڑھتے ہیں۔ یہ پیشاب اور پاخانہ کی جگہ نہیں ہے۔ پھر لوگوں سے فرمایا کہ اس پر پانی بہا دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ اس کے قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر گئے۔ اور اس کے بعد پھر کبھی اس نے ایسا نہ کیا۔ ①

بعض محدثین نے لکھا ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پورا پیشاب نہ کر لینے دیتے اور ڈانٹ کر اسی وقت اسے اٹھا دیتے تو شاید وہ بیمار ہو جاتا کیونکہ پیشاب روکنا بعض بیماریوں کا پیش خیمہ ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت تھی کہ اس کو مسجد کے صحن میں پیشاب کر لینے دیا اور پھر بعد میں نہایت ملائم الفاظ میں اس کو سمجھایا اور اسے اپنی غلطی کا اعتراف کرایا۔

اخلاق حسنہ کے اثرات:

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم دنیا پر اپنے اخلاق کی وجہ سے غالب آؤ گے نہ کہ اپنے نماز و روزہ کی وجہ سے۔“ کیونکہ نماز و روزہ سے تو آدمی اس وقت متاثر ہوگا جب کسی کے قریب آئے گا اور قریب لانے والی چیز اخلاق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر انقلاب بھی ہیں لیکن یہ انقلاب آپ اپنے اخلاق حسنہ سے دنیا میں لائے۔ جس زمانہ میں مکہ کی سرزمین باوجود اپنی وسعت کے قریش مکہ نے اپنی ستم رانیوں کی وجہ سے آپ پر تنگ کی ہوئی تھی، اس وقت لوگوں کی اکثریت آپؐ کے اخلاق سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئی تھی۔ ابوسفیان اور اس کی بیوی ہندہ، ابوجہل کا بیٹا عکرمہ اور دوسرے بڑے

---

① صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب وجوب غسل البول وغيره من النجاسات، رقم الحديث: ٤٢٩

بڑے اساطین کفر آپ کے اخلاق حسنہ سے متأثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔
جس زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے واحد حکمران تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ایک اشارہ ابرو پر اپنا تن من دھن قربان کرنے کے لیے تیار تھے، اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی رعونت اور حکمرانی کا رعب و دبدبہ نہ تھا۔ نہایت سادہ زندگی تھی اور جدھر بھی آپ تشریف لے جاتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی ضیاء باریوں سے لوگ اپنے اخلاق کی راہیں متعین کرتے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب کیمیائے سعادت میں آپ کے خلق عظیم کی ایک معمولی سی تصویر پیش کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے اخلاق کے خدوخال کیا تھے۔ فرماتے ہیں:

"آپ مویشیوں کو خود چارہ ڈالتے۔ گھر میں جھاڑو دے لیتے، بکری کا دودھ خود دھو لیتے۔ خادموں کو ان کے کاموں میں مدد دیتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی کھا لیتے۔ جب کبھی ضرورت ہوتی بازار سے سودا خود خرید لاتے۔ ہر چھوٹے بڑے کو پہلے خود سلام کرتے۔ اگر کوئی ساتھ ہوتا تو اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلتے (تاکہ برائی کا شائبہ نہ ہو) غلام و آقا، کالے اور گورے، حبشی و ترک میں کوئی امتیاز نہ برتتے۔ رات دن کا لباس ایک ہی ہوتا۔ کیسا ہی چھوٹا اور حقیر شخص دعوت دیتا فوراً قبول فرماتے۔ جس قسم کا کھانا بھی سامنے رکھ دیا جاتا نہایت رغبت اور خوش دلی سے کھا لیتے۔ رات کے کھانے سے صبح کے لیے اور صبح کے کھانے سے رات کے لیے کچھ اٹھا نہ رکھتے۔ نیک مزاج، نرم خو، کشادہ رو اور خندہ جبیں تھے۔ گویا "نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو" تھے۔ کبھی پوری زندگی قہقہہ لگا کر نہیں ہنسے۔ اندوہ گین تھے مگر ترش رو نہ تھے۔ سخی تھے مگر فضول خرچ نہ تھے۔"①

صحیح بخاری میں ہے کہ

---

① کیمیائے سعادت، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

''آپ اطاعت شعاروں کو بشارت دینے والے، گناہ گاروں کو ڈرانے والے، بے خبروں کو ہوشیار کرنے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندے اور رسول تھے۔ (نہ سخت گو اور نہ بدی کی پاداش میں بدی کرنے والے تھے۔) معافی مانگنے والوں کو معاف فرما دیتے تھے اور گناہ گاروں سے عفو و درگزر فرماتے تھے۔ ان کا کام مذاہب کی کجیوں کو سیدھا کرنا تھا۔ ان کی تعلیم اندھوں کو بینا اور بہروں کو شنوا بناتی تھی۔'' گویا کہ آپ ان تمام خوبیوں سے آراستہ، ان تمام فضائل سے مزین اور ان تمام اوصاف حمیدہ کے جامع تھے۔ سکینت ان کا لباس، نیکی ان کا شعار، تقویٰ ان کا ضمیر، حکمت ان کا کلام، عدل ان کی سیرۃ، راستی ان کی شریعت اور ہدایت ان کی راہ نما تھی۔ آپ ذلت کو دور کرنے والے، گم ناموں کو بلندیوں اور شہرت کے بام پر پہنچانے والے، جاہلوں کو طاقت دینے والے اور قلت کو کثرت اور تنگ دستی کو غنا سے بدلنے والے تھے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اخلاق حسنہ اور سادگی پر یگانوں ہی نے نہیں بلکہ بیگانوں نے بھی آپ کی مدح سرائی کی ہے اور آپ پر ستائش کے پھول نچھاور کیے ہیں۔ گناف وائل ہو یا واشنگٹن ارونگ، تھامس کارلائل ہو یا ایڈورڈ گبن ہر ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں رطب اللسان ہے۔ ایڈورڈ گبن نے تو یہاں تک لکھا کہ

''آپ خندہ رو اور نرم خو تھے۔ سخت مزاج اور سنگ دل نہ تھے۔ نہ تو کوئی برا کلمہ زبان سے نکالتے اور نہ شور و غل کرتے جیسا کہ عام لوگوں کی عادت ہے۔ نہ عیب جو تھے اور نہ سخت گیر تھے۔ اگر کبھی کوئی بات طبیعت پر ناگوار گزرتی تو اغماض فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تین باتیں اپنے نفس سے بالکل ہی نکال دی تھیں (۱) بے ضرورت بات کرنا، (۲) بحث و مباحثہ کرنا (۳) اور بے مطلب کسی کی بات میں دخل اندازی کرنا۔ اور

Marfat.com

دوسرے لوگوں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز فرماتے تھے:
(۱) کسی کو برا کہنا، (۲) کسی کی عیب جوئی کرنا اور (۳) کسی کی ٹوہ میں لگنا۔ دوسروں کے منہ سے اپنی مدح و ستائش سننا پسند نہیں فرماتے تھے۔ فیاضی ان کی گھٹی میں تھی، راست گوئی ان کی سرشت اور نرمی ان کی طبیعت ثانیہ تھی۔ نہایت خوش صحبت تھے۔ جلال اور ہیبت اتنی تھی کہ اگر کوئی دفعتاً سامنے آجاتا تو مرعوب ہو جاتا تھا لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپ سے محبت کا رشتہ استوار ہو جاتا۔"

یہ ایک عیسائی کے جذبات ہیں جنہوں نے الفاظ کا روپ دھارا ہے۔ آپ کی انہی صفات کی وجہ سے موجودہ دنیا کے ایک دانشور مائیکل ہارٹ (Micheal Hart) نے اپنی کتاب "ایک سو" (One Hundred) میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے نمبر پر رکھا ہے کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ

He was the only man is history who was supremely successful on both the religion and secular levels.①

آپ تاریخ (انسانی) کے تنہا شخص ہیں جو انتہائی حد تک کامیاب رہے، مذہبی سطح پر بھی اور دنیوی سطح پر بھی۔

ٹامس کارلائل نے آپ کو نبیوں کا ہیرو قرار دیا اور مائیکل ہارٹ نے آپ کو انسانی تاریخ کا سب سے بڑا انسان قرار دیا۔ اس سے آپ کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن اس ساری عظمت کے پیچھے سب سے بڑا ہاتھ آپ کے پیغمبرانہ اخلاق ہیں جس میں ایک توازن اور اعتدال تھا۔ نہ شریعت موسوی کا صرف جلال اور نہ شریعت عیسوی کا صرف جمال کہ جو تیرے دائیں گال پر تھپڑ مارے بایاں بھی اس کے سامنے کر دے واشنگٹن ارونگ (Washington Irving) کا یہ بیان پڑھنے کے قابل ہے کہ
"اپنے انتہائی قوت و اقتدار کے دور میں بھی آپ نے اپنی وضع قطع

① Dr, Michael H. Hart, The 100, N.Y.1978

اور اخلاق و عادات میں وہی سادگی قائم رکھی جو پریشانی اور بے طاقتی کے زمانہ میں آپ کا وصف رہی تھی۔ شاہانہ کروفر تو بڑی بات ہے اگر کسی مجلس میں آپ کے ساتھ کچھ خصوصیت کا برتاؤ کیا جاتا تو وہ بھی آپ کو سخت ناگوار ہوتا تھا۔"

امام زرین نے آپ ﷺ کی ایک حدیث نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے زندگی کے معنی کیا تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے

① خَشْيَةُ اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ	ظاہر و باطن ہر حال میں خدا سے ڈرتا رہوں۔
② كَلِمَةُ الْعَدْلِ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَاءِ	غصہ اور خوشی دونوں میں انصاف کی بات کہوں۔
③ وَالْقَصْدُ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنَا	غریبی اور امیری میں اعتدال پر قائم رہوں۔
④ أَنْ أَصِلَ مَنْ قَطَعَنِيْ	جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں۔
⑤ وَأُعْطِيَ مَنْ حَرَمَنِي	جو مجھے محروم کرے میں اسے دوں۔
⑥ وَأَعْفُوَ مَنْ ظَلَمَنِيْ	جو مجھ پر ظلم کرے میں اس کو معاف کر دوں۔
⑦ وَأَنْ يَكُوْنَ صُمْتِيْ فِكْراً	اور میری خاموشی غور و فکر کی خاموشی ہو۔
⑧ وَنُطْقِيْ ذِكْراً	میرا بولنا ذکر (یعنی یاد الٰہی کا بولنا ہو۔)
⑨ وَنَظْرِيْ عِبْرَةً	میرا دیکھنا عبرت کا دیکھنا ہو۔①

اس حدیث میں اخلاقی اقدار کو کس قدر اجاگر کیا گیا ہے۔ اور یہ محض سرکار دو عالم ﷺ کی گفتگو کے الفاظ ہی نہ تھے بلکہ یہ آپ کی زندگی تھی جو لفظوں کا روپ دھار

① نسائی، رقم الحدیث ۱۲۸۸، مسند احمد: ۱۷۶۰۵ دوسرے الفاظ کے ساتھ حضور ﷺ کی دعا ہے۔

Marfat.com

کر آپ کے منہ سے نکل رہی تھی۔

یہ الفاظ خود بولنے والے کے مقام کو ظاہر کر رہے تھے گویا کہنے والا اپنے اندرون کو لوگوں کے سامنے انڈیل رہا تھا۔ وہ بولنے والے کی روح کو الفاظ کے آئینہ میں بے نقاب کر رہے ہیں۔

اندرونِ خانہ زندگی کے مظاہر:

پیغمبر اسلام کے انہی اخلاق فاضلہ نے ہر دوست اور دشمن کو متاثر کیا۔ایک انسان کی گھریلو زندگی اس کی سیرت و کردار کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ بڑے بڑے رشیوں منیوں اور زاہدانِ شب زندہ دار اور عابدان مرتاض کو دیکھا گیا کہ وہ اپنی باہر کی زندگی میں ظاہر داری کی چادر اوڑھ کر نکلتے ہیں۔اور جو کچھ وہ ہیں اس سے بالکل مختلف شکل وصورت میں اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں، لیکن اپنی خانگی زندگی میں اپنے اوپر وہ اس قسم کا پردہ ڈالے رکھنے میں زیادہ دیر تک کامیاب نہیں ہو سکتے۔اس لیے کسی شخص کی اگر اصل حقیقت آپ دیکھنا چاہیں تو اس کی گھریلو زندگی کو دیکھیں کہ جس قرآن وسنت کی اتباع کا وہ دوسروں کو ہر روز وعظ سناتا ہے اس پر اپنے گھر کے اندر وہ کتنا عمل کرتا ہے اور اپنے بچوں اور بیوی سے وہ کس قدر اس پر عمل کراتا ہے۔جس سادگی، ایثار، قناعت، زہد وتقویٰ، صبر واخلاص اور دیانت وامانت کا وہ دوسروں سے مطالبہ کر رہا ہے اس کا جمال اس کی خانگی زندگی میں کتنا جھلک رہا ہے۔اگر کوئی شخص اس کسوٹی پر پورا اترتا ہے تو وہ واقعی ایک عظیم انسان ہے اور اس کی سچائی اور راست بازی کا کسی صورت انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آپ اس شخص کے اصولوں اور نظریات سے اختلاف کر سکتے ہیں لیکن اس کو بے کردار اور مصنوعی انسان قرار نہیں دے سکتے۔

اس میزان پر اگر آپ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تولیں اور آپ کی باہر کی دعوت اور گھریلو زندگی کی مطابقت کو دیکھیں تو آپ ایک لمحہ میں یہ سمجھ جائیں گے کہ آپ واقعی ایک عظیم، با اصول اور با کردار انسان ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر حصہ خواہ اس کا تعلق اندرون خانہ سے ہو یا پبلک لائف سے آج مستند طریقہ سے لوگوں کے سامنے ہے۔ حدیث کی کتابوں میں صاف مرقوم ہے کہ آپ مسجد نبوی کے اندر صحابہ رضی اللہ عنہم سے کیا کچھ فرماتے تھے اور آپ بیوی بچوں کے اندر کس طرح رہتے تھے۔ آپ نے اپنی

زندگی کو آج کل کے لیڈروں اور راہ نماؤں کی طرح دو حصوں میں منقسم نہیں کیا ہوا تھا۔ یعنی پبلک لائف اور پرائیویٹ لائف بلکہ آپ کی زندگی کا ہر حصہ پبلک کے لیے کھلا ہوا تھا تاکہ لوگ اسے دیکھیں اور اپنے لیے زندگی کی راہیں متعین کریں۔ گویا آپ نشان منزل تھے اور ہر شخص کو یہ عام اجازت تھی کہ وہ آپ کی پبلک زندگی اور گھریلو زندگی کا تجسس کرے۔ آپ کی یہ دونوں زندگیاں ایک کھلی کتاب کی طرح تھیں جن کو دوست اور دشمن یکساں دیکھ سکتے تھے اور دیکھ سکتے ہیں۔

پھر ازواج مطہرات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو امین تھیں، ان کو حکم تھا کہ وہ آپ کی گھریلو زندگی کی ایک ایک ادا کو محفوظ رکھیں اور پوری دیانت اور امانت کے ساتھ لوگوں تک پہنچائیں۔ حدیث کی کتابیں ان روایات سے بھری پڑی ہیں کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے گھر والوں کے ساتھ بھی نہایت اچھے اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رات دن کا مشغلہ تھا، آپ کی ازواج مطہرات کا بھی رات دن کا وہی مشغلہ رہا۔ اگر آپ نے باہر کے لوگوں کو زہد وتقویٰ اور امانت و دیانت کا درس دیا تو آپ کی گھریلو زندگی بھی مادی لذتوں سے بالکل خالی تھی۔ یہ نہیں کہ آپ اور آپ کے اہل خانہ دنیوی دل چسپیوں اور مادی زندگی کی لذتوں میں منہمک ہوں۔ بیویوں سے آپ کا حسن سلوک مثالی تھا اور خود لوگوں سے بھی فرمایا:

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي))①

"تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل وعیال سے بہتر ہو اور میں تم سب سے زیادہ اپنے اہل وعیال سے بہتر ہوں۔"

زہد وقناعت کا سبق اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کو دیا تو خود اپنے گھر میں کئی کئی مہینوں تک چولھا نہ جلتا تھا بلکہ بقول مولانا ظفر علی خان مرحوم ؎

ہیں دوسروں کے واسطے لعل و زر و گہر
اپنا یہ حال ہے کہ ہے چولھا بجھا ہوا

① رواه الترمذي، كتاب المناقب عن رسول الله، باب فضل ازواج النبى صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث ٣٨٩٥، وابن ماجه، كتاب النكاح، باب حسن معاشرة النساء، رقم الحديث: ١٩٧٧

Marfat.com

ازواج مطہرات کی زندگیاں آپ ﷺ کی عظمت کی گواہ تھیں:

چنانچہ منافقوں کی بیویوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کی ازواج مطہرات کے کانوں میں یہ پھونکنا شروع کیا کہ آپ معزز اور کھاتے پیتے گھرانوں کی بیٹیاں ہیں۔ آپ کی پرورش بڑے امیر گھرانوں میں ہوئی ہے، لیکن اس شخص نے آپ کو غربت وفلاکت اور قلاشی کی زندگی میں لا کر ڈال دیا ہے۔ اگر آپ ان کی قید سے آزاد ہوتیں تو آپ کی زندگیاں عیش وآرام اور خوشی اور مسرت سے گزرتیں۔ اگرچہ پیغمبر کی بیویاں عام عورتوں کی طرح نہیں تھیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے ﴿يَانِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ﴾ اور وہ ان تمام باتوں سے بالاتر تھیں، تاہم انسانی طبائع کی عام کمزوری کو سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ نے انہیں یاد دلایا کہ وہ خدا کی طرف سے ایک عظیم منصب پر سرفراز ہیں۔ اور اس دنیا کی کوئی عزت اور شوکت اس منصب کی عزت اور شوکت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ چنانچہ سورۂ احزاب میں فرمایا:

"اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ کی روش اختیار کرو۔ پس تم اپنے لہجہ میں ایسی نرمی نہ پیدا کرو کہ جس کے دل میں روگ اور بیماری ہے وہ کسی طمع میں مبتلا ہو جائے۔ اور دستور کے مطابق بات کیا کرو۔ اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور جاہلیت اولیٰ کی سی نمائش نہ کرو۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو۔ اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ تم سے دنیا کی گندگیاں اور آلائشیں دور رکھے۔ اے نبی کے گھر والو! اور تم کو اچھی طرح پاک کرے۔ اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیات اور حکمت کی باتیں سنائی جاتی ہیں، ان کا چرچا کرو۔ اللہ لطیف وخبیر ہے۔" ①

اس سے یہ پتہ چلا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام ﷺ کو کتاب و

① الاحزاب: ۳۲

Marfat.com

سنت کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تھا اسی طرح اس کے گھر والوں کو بھی اس مشن کی تکمیل کے لیے چنا تھا۔ گویا ازواج مطہرات اور اہل بیت نبوت پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی کہ وہ اپنے گھر سے جاری ہونے والے چشمۂ نور سے پہلے خود اچھی طرح فیض یاب ہوں پھر اس روشنی سے دوسروں کو منور کریں۔

آپ کی ازواج مطہرات کی زندگیاں آپ کی عظمت کی گواہ تھیں۔ انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر جو اس طرح کی زندگی اختیار کی اور دنیوی عیش و آرام کو ٹھکرا کر آخرت کی ہمیشہ رہنے والی زندگی کو اختیار کیا، یہ سب آپ کی سیرت کے کمالات تھے۔ اگر آپ کی زندگی دو حصوں میں منقسم ہوتی۔ باہر کی زندگی اور گھریلو زندگی تو ازواج مطہرات کبھی بھی آخرت کی زندگی اختیار نہ کرتیں بلکہ وہ بھی دنیا کے عیش و آرام میں اسی طرح منہمک ہو جاتیں جس طرح عام راہ نماؤں اور لیڈروں کی بیویاں اپنے خاوندوں کی دو رُخی زندگی کی وجہ سے دنیوی عیش و آرام میں منہمک ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ آپ کی سب سے پہلی بیوی سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا جو ایک نہایت دانش منداور فرزانہ خاتون تھیں، پندرہ سال آپ کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کرنے کے بعد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غار حراء کا واقعہ سننے کے بعد ایک لمحے کا تأمل کیے بغیر یہ پکار اٹھیں کہ آپ کو واقعی اللہ نے اپنا نبی بنایا ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے یہ بات سن کر انہیں یقین آ گیا کہ جب اس اخلاق و کردار اور پاک سیرت کا انسان یہ بات کہہ رہا ہے کہ میرے پاس خدا کا فرشتہ نبوت کا پیغام لایا ہے، تو بالکل سچ ہی کہہ رہا ہے۔ یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کی پاکیزگی کی ایک بین اور واضح گواہی تھی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی عظمت تھی جس نے آپ کی ازواج مطہرات کو آپ کا اتنا گرویدہ بنا دیا تھا۔ چنانچہ پروفیسر ہملٹن گب نے لکھا ہے کہ

> ''ہمارے نزدیک یہ بات محتاج بیان نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے اپنے ارادے اور جذبات جس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مرضی کے تابع کر دیئے تھے، اس کی تمام تر وجہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شخصیت کا اثر تھا۔ اگر یہ اثر نہ ہوتا تو وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے

Marfat.com

دعاوی کو کبھی اہمیت نہ دیتے۔ آپ (ﷺ) کی دینی تعلیمات
سے بڑھ کر آپ کی اخلاقی عظمت تھی جس نے اہل مدینہ کو آپ کا
انصار بنا دیا۔'' ①

یہ تو بیویوں کی شہادت تھی جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے دشمنوں نے بھی آپ ﷺ کے اخلاق کی عظمت کی گواہی دی۔ تاریخ کی کتابوں کو کھنگال لیجیے آپ کو ایک روایت بھی ایسی نہیں ملے گی جس میں آپ کے بڑے سے بڑے دشمن نے آپ پر کبھی کوئی اخلاقی الزام لگایا ہو حالانکہ سرداران قریش ابوجہل وغیرہ آپ پر الزام تراشیوں میں ہر اخلاقی حدود پھیلانگ چکے تھے۔ آپ کے کسی بد سے بدتر مخالف نے بھی یہ نہیں کہا کہ جناب آپ نبوت کا دعویٰ کیا کر رہے ہیں، آپ یہ تو بتائیں کہ آپ کی زندگی کیسی گزری؟ بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی پاکیزہ اور اخلاق حسنہ والی زندگی کو بطور دلیل نبوت کے قرآن حکیم میں پیش کیا ہے:

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ ②

پس میں رہ چکا ہوں تم میں ایک عمر اس سے پہلے، کیا تم پھر بھی عقل سے کام نہیں لیتے۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ کی بلند کرداری اور بلند اخلاقی کا آپ کے دشمنوں پر بھی بہت اثر تھا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو تاریخ وسیر کی کتابوں میں جلی حروف سے مرقوم ہے۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کا بدترین دشمن ابوجہل تھا جس نے ہر معاملے میں آپ کی مخالفت کی، آپ کو ہر موقع پر زک پہنچانے کی کوشش کی اور آپ کو نیچا دکھانے کا کوئی موقع اس نے ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ حرم مکہ میں ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے۔ اور دوسری طرف سرداران قریش محفل جمائے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اتنے میں مکہ میں باہر کا رہنے والا ایک شخص فریاد کرتا ہوا ان سرداران قریش کے پاس آیا۔ اور

① H.A.R. Gibb, Mohammad anism, (Oxford, 1962) P.33-34

② یونس: ١٦

کہا کہ میرا اونٹ عمرو بن ہشام (ابوجہل) نے خریدا ہے مگر اب قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے۔ میں باہر کے ایک قبیلہ کا آدمی ہوں۔ میرا یہاں کوئی بھائی بندہ اور یار آشنا نہیں۔ آپ حضرات میری فریاد سنیں اور مجھے ابوجہل سے اونٹ کی قیمت دلوائیں۔ قریش کے سرداروں نے ازراہ مذاق اس شخص سے سرکار دو عالم ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ سامنے حرم کے گوشہ میں جو صاحب تشریف فرما ہیں، ان کے پاس جاؤ۔ وہ تمہاری رقم دلوادیں گے۔ وہ شخص اجنبی تھا۔ آپ کی شخصیت سے ناواقف تھا۔ وہ ان کی باتوں پر اعتبار کر کے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اپنا مدعا بیان کیا۔ سردارانِ قریش نے ایک آدمی پیچھے پیچھے روانہ کیا تاکہ وہ یہ دیکھے کہ وہاں کیا واقعہ پیش آتا ہے۔ آپ اس شخص کی کوئی مدد کرتے ہیں یا نہیں۔ اس شخص کی بات سن کر آپ فوراً اس کے ساتھ ابوجہل کے پاس جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے جا کر ابوجہل کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب وہ باہر نکلا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ محمد ﷺ سامنے کھڑے ہیں اور آپ کے ساتھ وہ شخص بھی ہے جس کے اونٹ کی قیمت کی وہ ادائیگی نہیں کر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے ابوجہل سے پوچھا کہ کیا تم نے اس شخص سے اونٹ خریدا تھا؟ اس نے جواب دیا ''ہاں'' آپ نے فرمایا پھر اب تم اس کی قیمت ادا کرنے میں اسے بلاوجہ کیوں تنگ کر رہے ہو؟ اس کی قیمت ادا کر دو۔ یہ سن کر ابوجہل فوراً گھر کے اندر گیا اور واپس آ کر اس شخص کو اس کے اونٹ کی قیمت ادا کر دی۔

اس واقعہ سے اندازہ فرمائیں کہ آپ کے کردار، اخلاق اور شخصیت کا اس شخص پر کتنا اثر تھا جو آپ کا بدترین دشمن اور مخالف تھا۔ اور کوئی شخص مکہ میں یہ ہمت نہیں کر سکتا تھا کہ ابوجہل سے اس مظلوم کا حق دلوائے لیکن آپ نے ابوجہل کے گھر پر جا کر اس مظلوم کا حق دلوایا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کے بدترین دشمن بھی آپ کے اخلاق کی بلندی سے بہت مرعوب تھے۔ اگر آپ کی زندگی میں کوئی ذرہ برابر اخلاقی جھول ہوتا تو آپ کا یہ بدترین دشمن ایسے موقع پر ضرور اس کی طرف اشارہ کرتا اور آپ کو عار دلاتا۔

قرآن حکیم نے آپ کے اسی بے داغ کردار اور اخلاق حسنہ کے باعث آپ

Marfat.com

کے بارے میں علی الاعلان دنیا کے تمام لوگوں سے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ①

''تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ میں بہترین نمونہ ہے۔''

اس آیت میں نہ تو ''فِي صُورَةِ رَسُولِ اللّٰهِ'' فرمایا اور نہ ہی ''فِي سِيرَةِ رَسُولِ اللّٰهِ'' کہا بلکہ ''فِي رَسُولِ اللّٰهِ'' کے الفاظ بول کر یہ بتایا کہ رسول کی پوری زندگی خواہ وہ نجی زندگی ہو یا پبلک لائف، میدان جنگ کی زندگی ہو یا وعظ و تبلیغ کی زندگی، فقر و فاقہ کی زندگی ہو یا تاج و تخت کی زندگی، سیاسی زندگی ہو یا معاشرتی زندگی، کا ہر گوشہ اور شکل و صورت کا ہر خدوخال، سیرت مطہرہ کا ہر زاویہ تمام لوگوں کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ ایک معاشرے میں، ایک پورے ملک کے لوگوں سے یہ کہہ دیا جائے بلکہ قیامت تک آنے والے سب لوگوں کو یہ بتا دیا جائے کہ یہ رسول تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کو ایک کھلی کتاب کی صورت میں لوگوں کے سامنے رکھ دیا گیا، خصوصی طور پر اس زمانہ کے لوگوں کے سامنے، جن میں وہ پیدا ہوا، اس کا بچپن ان میں گزرا، اس کا لڑکپن گزرا، اس کی جوانی ان کی آنکھوں کے سامنے تھی جس میں آدمی کی امنگیں، تمنائیں اور جذبات جوان ہوتے ہیں اور قدم قدم پر لغزش کا احتمال ہوتا ہے۔ اس کا بڑھاپا ان کے سامنے تھا۔ وہ اس کی ایک ایک ادا سے واقف و آشنا تھے۔ ان کو یہ کہا جا رہا ہے کہ اس رسول کی زندگی تمہارے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ آپ کی کوئی چیز پرائیویٹ نہیں تھی بلکہ سب کچھ پبلک تھا۔ لوگوں کو ہر وقت اس بات کی اجازت تھی کہ وہ نہ صرف یہ کہ خود آپ کی زندگی کو دیکھیں بلکہ دوسرے لوگوں سے بھی بیان کریں۔ آپ کی نجی اور خانگی زندگی کو بھی کریدیں بلکہ یہ بھی اجازت تھی کہ آپ کی ازواج مطہرات سے بھی آپ کی گھریلو زندگی کے لیے معلومات حاصل کریں۔ ہم دعویٰ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا کے اس رسول کے سوا کوئی شخص اس آزمائش پر پورا نہیں اتر سکتا اور آپ کے سوا نہ ہی کوئی

① الاحزاب: ۲۱

دوسرا شخص اس آزمائش کے لیے پیش کیا جا سکتا ہے کہ ہر پہلو سے اس کا جائزہ لے کر دیکھا جائے اور پھر کسی پہلو سے اس کے اندر کوئی عیب، کوئی نقص، کوئی خامی، کوئی اخلاقی کجی، کوئی نفسانی کمزوری اور کوئی جھول نہ پایا جائے بلکہ جس پہلو، جس زاویہ اور جس نظریہ سے بھی دیکھا جائے وہ کامل اور مکمل درجہ کا انسان ثابت ہو۔ پوری انسانی زندگی میں سرکار دو عالم ﷺ ہی کو یہ استحقاق حاصل ہے کہ ان کی پوری زندگی کو انسانیت کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا جائے۔

سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو آپ کے حسن کردار اور عظمت اخلاق کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کو غم بھی پیش آیا اور مسرت وشادمانی سے بھی واسطہ پڑا۔ آپ شوہر بھی بنے اور باپ بھی، دوست وہمدم بھی ہوئے اور ہمسائے بھی، لوگوں سے معاملات بھی کیے اور معاشرتی زندگی بھی گزاری، حکومت بھی ملی اور عدالت کی کرسی پر بھی براجمان ہوئے۔ غصہ بھی آیا اور محبت بھی کی، فاتح بھی ہوئے اور شکست بھی کھائی۔ دوستوں سے بھی ملے اور دشمنوں سے بھی پالا پڑا۔ جنگ بھی کی اور صلح بھی۔ پورے تیئس سال لوگوں نے آپ کی زندگی کے ہر پہلو کا جائزہ لیا، لیکن کسی کان نے کوئی کلمہ حق کے خلاف آپ سے نہیں سنا حتیٰ کہ غصے کی حالت میں بھی جبکہ آدمی اپنے حواس پر قابو نہیں رکھتا آپ نے کبھی کسی کے خلاف بُرا لفظ استعمال نہیں کیا۔ اسی وجہ سے آپ کی پوری زندگی ایک مثالی زندگی تھی۔ اور زندگی کا ہر قول وفعل دوسروں کے لیے ایک نمونہ اور اسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھتا تھا۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کا عملی پہلو:

دنیا میں دو قسم کے لوگوں نے اخلاق کا پرچار کیا۔ ایک تو علمائے اخلاقیین نے اور دوسرے انبیاء علیہم السلام نے۔ لیکن ان دونوں کے پرچار میں بعد المشرقین ہے۔ علمائے اخلاق نے اخلاق پر بڑی ضخیم کتابیں لکھیں، لیکن آج دنیا میں اگر آپ کو اخلاق کی کوئی رمق اور اس نور کی کوئی شعاع نظر آئے گی تو وہ نتیجہ ہے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ علمائے اخلاق نے اگرچہ اخلاق پر موٹی موٹی کتابیں لکھیں لیکن ان کی

Marfat.com

کتاب عمل کے اوراق بالکل صاف اور سفید تھے۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں یہ تو لکھا کہ جھوٹ نہیں بولنا چاہیے لیکن وہ اپنی عملی زندگی میں خود جھوٹ بولتے تھے۔ انہوں نے ان ضخیم کتابوں میں یہ تو لکھا کہ بیکسوں کی دستگیری کرنا چاہیے لیکن خود انہوں نے کسی بے کس کی دستگیری نہ کی بلکہ بعض دفعہ مظلوموں پر اور ظلم وستم کیا۔ اس لیے ان کی اخلاقی تعلیم لوگوں کے دلوں میں نہ اتری۔ ان کے مقابلہ میں انبیاء کرام علیہم السلام نے اگر لوگوں کو یہ کہا کہ جھوٹ نہ بولو تو خود ان کی زبان نے تمام زندگی میں ایک مرتبہ بھی غلط بیانی نہ کی۔ یتیموں اور بیکسوں کی دستگیری کے لیے ان کی زبان سے بعد میں نکلا لیکن پہلے انہوں نے ہر مظلوم و بے کس کی مدد کی۔ دوسرے لفظوں میں ان کی کتاب علم اور کتاب عمل میں باہم مطابقت تھی۔ وہ جو کچھ کہتے تھے اس سے زیادہ اس پر عمل کر کے دکھاتے تھے۔ لہٰذا ان کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر جاتی تھی۔ ان کے عمل کا عکس جب لوگوں کے دلوں پر پڑتا تو انہیں بھی عمل کی توفیق ملتی۔ اس لیے علمائے اخلاق کی بات کے مقابلہ میں ان کے قول کی زیادہ اہمیت ہوتی تھی۔ اخلاقی احکام تو ہر جگہ ملتے ہیں اور قریباً ہر مذہب کا اپنا مقصد بھی انسان کو اخلاق کا وعظ سنانا ہے، لیکن اصلی چیز تعلیم نہیں بلکہ تعلیم کے نتائج اور اس کا عمل ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ نے جو کچھ کہا اس نے عملی شکل میں کیسی صورت اختیار کی۔ اس بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ جملہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ

> "انسان کی روح اس لیے بیمار نہیں کہ زبانوں نے تعلیم کم کر دی اور کاغذوں پر زیادہ نہیں لکھا گیا بلکہ اس کا اصل دکھ زندگی کی عملی مشکلات میں ہے اور صرف وہی تعلیم فتح مند ہو سکتی ہے جو ایک مستحکم عملی نمونہ اپنے ساتھ رکھتی ہو۔" ①

پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا اگر مطالعہ کیا جائے تو جو کچھ قرآن حکیم میں الفاظ کی صورت میں ہے، آپ کی زندگی میں وہ عملی شکل میں موجود ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایک نظری قرآن ہے تو دوسرا عملی قرآن ہے۔ ایک تھیوری

① تذکرہ، مولانا عبدالکلام آزاد

ہے تو دوسرا پریکٹیکل۔ ایک قرآن کاغذوں میں لفظوں کی صورت میں ہے تو دوسرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں عملی صورت میں۔

زندگی کی متضاد حالتوں میں بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خلق عظیم کا مظاہرہ کیا حالانکہ ان حالتوں میں نظام اخلاق دفعتاً بدل جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص اپنی ذات میں نہایت رحم دل ہے لیکن جونہی وہ میدان جنگ میں جاتا ہے تو اس کی زندگی کا یہ نقطۂ نظر بالکل تبدیل ہو جاتا ہے اور وہ رحم دلی سے یکا یک بے رحم ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی ایک شخص امن و صلح کے زمانہ میں نہایت حلیم الطبع، معاملات میں صادق اور عہد کا پابند ہوتا ہے لیکن زمانۂ جنگ میں اس کی یہ تمام صفات مفقود ہو جاتی ہیں اور وہ عہد شکن اور درشت طبیعت بن جاتا ہے۔ یہ تو افراد کا حال ہے۔ لیکن ایک پوری قوم کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ زمانہ امن میں وہ انسانیت کا بہترین نمونہ ہوتی ہے لیکن جنگ کے زمانہ میں وہ وحشی اور درندوں سے زیادہ خونخوار ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے حکماء نے کہا کہ ''سیاست اپنے پہلو میں دل نہیں رکھتی''۔ لیکن دنیا میں صرف اور صرف پیغمبر اسلام ہی ایک ایسی زندہ ہستی ہے جو اپنے پہلو میں نرم و نازک دل بھی رکھتی ہے اور نہ تبدیل ہونے والی اخلاقی قوت بھی رکھتی ہے۔ اس پر عوارض خارجیہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وہ جس طرح زمانہ امن میں گداز دل رکھتا ہے، اسی طرح کا گداز دل وہ زمانۂ جنگ میں بھی رکھتا ہے۔ اور اسلام نے جو قوم تیار کی وہ بھی ''رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز'' کی حیثیت رکھتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی انسان کے ہر شعبہ زندگی پر حاوی تھی۔ اس میں حق و صداقت کے آغاز کی غربت و مظلومی بھی تھی اور اتمام و تکمیل کی فتح مندی اور کامرانی کا جاہ و جلال اور سطوت و جبروت بھی تھا۔ انہوں نے امن و صلح کے دن بھی کاٹے اور دنیا میں امن و صلح کے ساتھ جنگ میں معاہدوں کو اکثر توڑا جاتا ہے اور نہایت شرمناک طریقے سے عہد و پیمان میں تاویلیں کر کے ان کی خلاف ورزی کی جاتی ہے لیکن نبوت کی پوری زندگی میں ایک موقع بھی ڈھونڈھے سے نہیں ملتا جب آپ نے اپنا کیا ہوا کوئی معاہدہ توڑا ہو۔ بلکہ جن قوموں اور قبیلوں نے معاہدات کو توڑا، موقع ملنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی نہ صرف حسن سلوک کیا بلکہ معاف کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شخصی حالتوں

Marfat.com

میں وفائے عہد کا جو معیارِ اخلاق قائم کیا تھا میدانِ جنگ میں بھی اس کو قائم رکھا۔ شخصی حالت میں عہد و پیمان کی پابندی کے بارے میں امام ابو داؤد نے عبد اللہ بن الحمساء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے میں نے ایک چیز آپ کے ہاتھ فروخت کی جس کا کچھ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے نہیں کیا تھا اور میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ آپ ٹھہریے میں باقی حصہ اسی جگہ لے کر آتا ہوں۔ لیکن جب میں وہ حصہ لینے کے لیے گھر آیا تو میں بھول گیا اور مجھے تین روز کے بعد اپنا وعدہ یاد آیا۔ جب میں وہاں آیا تو دیکھا کہ آپ اسی جگہ کھڑے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر صرف اتنا فرمایا کہ تم نے مجھے بڑی تکلیف دی۔ میں نے تین دن اسی جگہ تمہارا انتظار کیا۔ ①

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طرزِ عمل سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عہد و پیمان کی پابندی کی تعلیم دی۔ خیبر کی ایک یہودی عورت نے آپ کو زہر دے دیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کوئی انتقام نہ لیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک یہودی نے اپنی دانست میں جادو کیا لیکن آپ نے معاہدہ کی بنا پر اسے معاف فرما دیا۔

صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں اور کافروں کے مابین میل جول ہو گیا، لیکن سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اس حالت میں ایک درخت کے نیچے جا کر لیٹ گیا۔ اتفاق سے میرے پاس چار مشرک آ گئے۔ آتے ہی انہوں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت کی اور ہجو گوئی شروع کر دی۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے ہجو یہ کلمات نہ سن سکا اور اٹھ کر دوسرے درخت کے سایہ کے نیچے جا کر لیٹ گیا۔ وہ سب اس درخت کی شاخوں میں اپنے ہتھیار لٹکا کر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شور سا مچا کہ ابن زنیم قتل کر دیا گیا۔ میں نے یہ شور سن کر تلوار نیام سے نکال لی اور سوتے میں ان چاروں پر حملہ کر دیا۔ پہلے ان کے ہتھیاروں پر اچھی طرح قبضہ کر لیا۔ پھر ان سے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا ہے تم میں سے جو شخص بھی اپنا سر اٹھائے گا اس کی گردن اڑا دوں گا۔ پھر ایک طرف سے میں ان چاروں کو اور دوسری طرف سے میرے چچا عامر ایک دوسرے کافر کو جس کا نام مکرز تھا۔ گھسیٹتے ہوئے جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے

① سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی العدة: ۲/۳۳۴، رقم الحدیث: ۴۱۴۴

Marfat.com

پاس لائے۔ لیکن رحمت عالم ﷺ نے ان سب کو معاف فرما دیا اور ہمیں فرمایا: ''انہیں چھوڑ دو۔ برائی کی ابتداء انہی کی طرف سے ہونی چاہیے۔''①

دنیا کے کسی دستور میں انہیں چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔ اگر آپ انہیں قتل کر دیتے تو درحقیقت بدعہدی اور نقض پیمان کے ذمہ دار وہی لوگ ہوتے، لیکن آپ ﷺ نے نقض عہد کی اس ظاہری شکل کو بھی گوارا نہ کیا جو ان کے قتل سے پیدا ہوتی تھی۔ آپ کے خلق عظیم کے تمام ابواب اخلاق میں سے زیادہ نمایاں باب یہ ہے کہ

((لَمْ يَنْتَقِمْ لِنَفْسِهٖ))②

''اپنی ذات کے لیے کسی سے کبھی انتقام نہیں لیا۔''

ایسا کرنے میں اگرچہ حقیقی طور پر نقض عہد نہیں ہو سکتا تھا تاہم بظاہر نقض عہد کا شبہ پیدا ہو سکتا تھا۔ اسلام آپ کے صاف و شفاف دامن پر اس قسم کا معمولی سا ظاہری دھبہ بھی نہیں دیکھ سکتا۔

صلح حدیبیہ اور پابندیٔ عہد:

اسی صلح حدیبیہ کے موقع پر ایک اور اہم واقعہ پیش آ گیا جس سے سرکار دو عالم ﷺ کے پابندیٔ عہد کا کمال جھلکتا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ قریش مکہ نے جو شرطیں پیش کی تھیں، ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ

''کفار مکہ میں سے جو شخص مسلمان ہو کر مدینہ یا مسلمانوں کے پاس بھاگ جائے گا، مسلمان اس کو واپس کر دیں گے اور اپنے پاس رکھنے کے مجاز نہیں ہوں گے۔''③

اس شرط پر باہم سخت اختلاف ہوا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کہنا تھا کہ ایک مسلمان کو کفار کے حوالہ کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ ابھی اس شرط پر کوئی حتمی فیصلہ نہ ہو پایا تھا

---

① مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة النساء مع الرجال، رقم الحديث: ٣٣٧٢

② بخاری، كتاب الحدود، باب اقامة الحدود، رقم الحديث: ٦٢٩٦ بالفاظ ما انتقم رسول الله ﷺ لنفسه.

③ بخاری، كتاب الشروط، باب مايجوز من الشروط فی الاسلام، رقم الحديث: ٢٥١٢

Marfat.com

کہ ابو جندل جو شرائط کرنے والے قریش کے نمائندہ سہیل بن عمرو کا بیٹا تھا، اپنی بیڑیاں گھسیٹتے ہوئے مکہ سے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے پاؤں پر ڈال دیا۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ قبل حلقہ بگوش اسلام ہوا تھا۔ باپ نے پہلے تو اسے زبانی سمجھایا، لیکن جب وہ نہ سمجھا تو سہیل نے بیٹے کو بیڑیاں پہنا کر گھر میں قید کر دیا۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ سرکار دو عالم ﷺ جان نثاروں کی فوج کے ساتھ حدیبیہ کے مقام پر تشریف فرما ہیں تو وہ کسی طرح اس قید سے نکل کر بیڑیوں کو گھسیٹتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں پہنچے۔ سہیل نے کہا کہ میں اپنے بیٹے کی واپسی پر صلح کروں گا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ابھی تک معاہدۂ صلح مکمل نہیں ہوا۔ اس لیے اس شرط کی پابندی ہمارے لیے ضروری نہیں، مگر اس نے کہا کہ پھر یہ صلح ناممکن ہے۔ آپ ﷺ نے پھر اصرار کیا کہ کم از کم ابو جندل رضی اللہ عنہ کو اس شرط سے مستثنیٰ کر دو لیکن آخر وہ سہیل کا بیٹا تھا۔ وہ اسے کیسے چھوڑ سکتا تھا، لہٰذا سہیل بن عمرو نے صاف انکار کر دیا۔ آپ ﷺ نے سہیل کی بات مانتے ہوئے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو واپس کرنے کا ارشاد فرمایا۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ نے نہایت درد انگیز لہجے میں مسلمانوں سے کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ ان مشرکین نے مجھ پر بڑا تشدد کیا ہے۔ میری یہ بیڑیاں اس بات کی گواہ ہیں۔ اگر اب میں واپس جاؤں گا تو مجھ پر اور ظلم و تشدد کی مشق کی جائے گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں پر ابو جندل رضی اللہ عنہ کے اس درد انگیز لہجے نے دستک دی۔ ان کے دل پسیج گئے۔ وہ ابو جندل رضی اللہ عنہ کو واپس نہیں بھیجنا چاہتے تھے۔ ادھر نبوت کا ارشاد ان کے دلی جذبات کے آڑے آ رہا تھا۔ مسلمان ایک عجیب کشمکش میں تھے۔ گویا

اک طرف کعبہ ہے میرا اک طرف ایمان ہے
کس کو رکھوں کس کو چھوڑوں کشمکش میں جان ہے

اتنے میں سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بے تابانہ اور بے اختیارانہ اٹھے اور سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: ''کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ کیا آپ ﷺ اور آپ کے ساتھی حق پر نہیں ہیں؟'' آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''بے شک ہم حق پر ہیں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یا رسول اللہ! پھر ہم کیوں اس

Marfat.com

قدر دب رہے ہیں اور ذلت گوارا کر رہے ہیں؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ''اللہ کا حکم ایسا ہی ہے۔'' ①

پیغمبر اسلام کا جواب تو درست تھا اور اللہ تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں تھا، لیکن ابو جندل رضی اللہ عنہ کا معاملہ بھی اپنی جگہ پر دلوں کو ہلا دینے والا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن پر ابو جندل رضی اللہ عنہ کی ناگفتہ بہ حالت سوار تھی۔ اس تشدد سے زخمی جسم بھی تھا جو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دکھا کر اپنے واپس مکہ نہ جانے کی بھیک مانگ رہا تھا۔ اس وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پیغمبر علیہ السلام کے اس مجمل جواب سے تسکین نہ ہوئی۔ اس لیے وہ اس کے بعد فوراً سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے بھی اسی قسم کی گفتگو کی۔ صدیق تو ویسے فنافی النبوۃ ہوتا ہے اس لیے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی وہی جواب دیا جو نبوت نے جواب دیا تھا۔ تاہم کچھ نتیجہ نہ نکلا اور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کی تمام شرائط منظور کر کے صلح نامہ مرتب کر دیا اور جانبین کے معہ گواہان دستخط ہو گئے۔ اور حسب شرائط ابو جندل رضی اللہ عنہ اس کی آہ و بکا کے باوجود قریش مکہ کو واپس کر دیا گیا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ دل گداز منظر دیکھتے رہ گئے۔ ②

ابو جندل رضی اللہ عنہ کی واپسی کا واقعہ ابھی بالکل تازہ تھا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم معاہدہ پر دستخط کر کے مدینہ طیبہ کو واپس روانہ ہوئے کہ ایک اور شخص عتبہ بن اسید جس کو ابو بصیر کہتے تھے، مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ سے نکل آئے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ قریش نے اس کی تلاش میں دو آدمی بھیجے۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پہنچے۔ دیکھا کہ ابو بصیر وہیں ہیں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شرائط صلح یاد دلائیں۔ آپ نے فوراً ابو بصیر کو واپس کر دیا۔ وہ دونوں شخص ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو لے کر واپس چلے تو ذوالحلیفہ

① بخاری، کتاب الشروط، باب مایجوز من الشروط فی الاسلام، رقم الحدیث: ٢٥١٢
کچھ الفاظ کا فرق ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا ذکر نہیں ہے۔

② مسند احمد، رقم الحدیث: ١٨١٤٤۔
یہ واقعہ اور آنے والا واقعہ ایک اور حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ تقریباً مفہوم یہی ہے۔
الروض الانف ذکر امر الهدنة: ٦/ ٤٦١

Marfat.com

کے مقام پر جب وہ کھانے پینے میں مشغول ہو گئے۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک شخص کی تلوار ایک بہانے سے اس سے لے کر اس کی گردن قلم کر دی۔ دوسرا شخص یہ حالت دیکھ کر خوفزدہ ہو کر وہاں سے بھاگا اور سیدھا سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ خوف کی وجہ سے اس کے چہرہ کا رنگ فق تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پیشانی دیکھ کر پوچھا: کیا کوئی مصیبت آ گئی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میرا ساتھی تو قتل کر دیا گیا ہے اور میں بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر یہاں پہنچا ہوں۔

وہ شخص جب اپنی داستان سنا بیٹھا تو ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اور عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنا عہد و پیمان معاہدۂ حدیبیہ کے مطابق پورا کر کے مجھے واپس کر دیا۔ اب خدا نے مجھے ان ظالموں سے نجات دی ہے۔ آپ اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰت والتحیات نے فرمایا: ''یہ شخص تو لڑائی کا شعلہ معلوم ہوتا ہے۔'' ان الفاظ سے ابو بصیر رضی اللہ عنہ یہ سمجھے کہ شاید آپ دوبارہ مجھے واپس کر دیں گے۔ چنانچہ وہ مدینہ طیبہ سے بھاگ کر سمندر کے کنارے مقیم ہو گئے۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں پتہ چلا کہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ فلاں جگہ سمندر کے کنارے مقیم ہو گئے ہیں تو وہ بھی مکہ سے بھاگ کر ان کے پاس آ گئے۔ یہاں تک کہ قریش کا جو شخص مسلمان ہوتا تھا وہ مکہ سے بھاگ کر مدینہ کے بجائے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے دامن میں پناہ لے لیتا تھا۔ تھوڑے عرصہ میں ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس اچھے خاصے لوگ جمع ہو گئے، اب ان لوگوں نے قریش کو مالی زک پہنچانی شروع کر دی وہ یہ کہ قریش کے کاروانِ تجارت جو شام کی طرف جاتے تھے، ان کو لوٹنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود اس شق کو معاہدہ سے نکالنے کی درخواست کی۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ طیبہ بلا لیا۔ ①

یونان کے مقنن اعظم سولن نے معاہدات کے بارے میں ایک بات لکھی ہے۔ آج کل وہی بات تمام دنیا کی سیاسیات کی روح ہے۔ وہ بات یہ ہے کہ

① بخاری، رقم الحدیث: ٢٥٢٩، مسند احمد رقم الحدیث: ١٨٤٤، عیون الاثر، ذکر عن ابی بصیر و ابی جندل: ٢/١٢٧

"معاہدہ مکڑی کا جالا ہے جو اپنے سے کمزور کو تو پھانس لیتا ہے اور اپنے سے قوی کے مقابلے میں ٹوٹ جاتا ہے۔"

لیکن اسلام کے نزدیک سولن کی بات غلط ہے۔ اسلام کے مقنن اعظم نے دنیا کے اخلاقی معاہدوں میں سولن کے اس تارِ عنکبوت کو یک قلم توڑ کر رکھ دیا۔ اسلام نے اگر کمزوروں سے معاہدہ کیا تو اس کو بھی نہایت مضبوطی کے ساتھ قائم رکھا اور طاقتوروں کے ساتھ بھی اپنے معاہدے کا بھرم قائم رکھنے کی کوشش کی۔ بلکہ جنگ میں بھی معاہدوں کی پابندی کی اور ایام صلح میں بھی لوگوں سے معاہدات کا احترام کرنے کے لیے کہا۔ اشخاص کے باہمی معاہدوں کی تو صلح و امن کی حالت میں کوئی جمہوری وقعت نہیں ہوتی لیکن اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک جماعت اور شخصیت دونوں ایک ہی روحانی طاقت کے تابع تھیں۔ اس لیے زمانہ جنگ میں اشخاص کے مجبورانہ معاہدوں کو بھی نہایت مضبوطی کے ساتھ قائم رکھا۔ چنانچہ جنگ بدر کا یہ ایک واقعہ جس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے، ہمارے اس دعویٰ کی بین دلیل ہے۔ سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

"میں غزوہ بدر میں صرف اس لیے نہیں شریک ہو سکا کہ میں اور ابوجہل ساتھ چلے تو راستہ میں قریش مکہ نے ہمیں گرفتار کر لیا۔ اور پوچھا کہ کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے ہو۔ ہم دونوں نے کہا کہ نہیں۔ ہم صرف مدینہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جنگ میں عدم شرکت کا وعدہ لے کر ہمیں چھوڑ دیا۔ ہم سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور جنگ میں شریک ہونا چاہا۔ آپ نے ہماری راستہ کی داستان سن کر فرمایا کہ تم لوگ مدینہ کو واپس جاؤ۔ ہم کافروں سے معاہدوں کو پورا کرتے ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں صرف اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہیں۔"①

اس شخصی وعدہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پورا کیا دنیا کے کسی مذہب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

---

① مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب الوفاء بالعهد، رقم الحديث: ٣٣٤٢

آپ ﷺ کی اس تعلیم کا اثر تھا کہ عہد صحابہ میں جب کبھی نقض عہد کا ظاہری احتمال بھی پیدا ہوا تو نہ صرف خواص نے بلکہ عوام نے بھی اس کا اعلانیہ انکار کیا۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ایک خاص مدت کے لیے رومیوں سے معاہدۂ صلح کر لیا تھا۔ وہ اگرچہ نقض عہد نہیں کرنا چاہتے تھے تاہم انہوں نے زمانۂ صلح ہی میں رومیوں سے جنگ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں اور فوج لے کر ان کی طرف بڑھے تاکہ مدت صلح گزرنے کے ساتھ ہی ان کے ساتھ جنگ شروع کر دیں۔ اسی حالت سفر میں ایک شخص گھوڑا دوڑاتا ہوا ان کے پاس آیا اور کہا: اللہ اکبر! اللہ اکبر! یہ بدعہدی تمہارے شایانِ شان نہیں۔ تمہیں وفائے عہد کرنا چاہیے۔ جب لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو فرمایا میں عمرو بن عنبسہ (رضی اللہ عنہ) ہوں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا تو فوراً بلا بھیجا اور ان سے اس طرح آنے کا سبب پوچھا۔ انہوں نے فرمایا: میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ:

"اگر کوئی شخص کسی قوم سے معاہدہ کرے تو اس معاہدے کی گرہ نہ باندھے اور نہ کھولے یعنی اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کرے اور اسے اپنے حال پر قائم رہنے دے، یہاں تک کہ معاہدۂ صلح کی پوری مدت گزر جائے یا باہمی معاہدہ کے توڑنے کا عام اعلان کر دیا جائے۔"

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول سنا تو راستہ ہی سے واپس لوٹ آئے۔ ①

غیر مذاہب کے اکثر لوگ جب دوسرے لوگوں کے ساتھ معاہدات کرتے ہیں تو نقض عہد کے لیے اس میں ضرور کچھ رکھتے ہیں خصوصی طور پر وہ لوگ جو مختلف مذہب رکھتے ہوں تو معاہدات کی پابندی اور بھی غیر ضروری ہو جاتی ہے۔ پھر ان کا سب سے بڑا ہدف اس قوم کے مذہبی راہ نما اور عالم ہوتے ہیں، لیکن اسلام میں ایسا کرنے کی قطعاً کوئی اجازت نہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا:

① ابوداؤد، کتاب الجهاد، باب فی الامام یکون بینه وبین العدو العهد...... الخ: ص ۳۱، رقم الحدیث: ۲۷۵۹

Marfat.com

''خبر دار! اگر کسی شخص نے غیر مذہب رعیت پر ظلم کیا یا اس کی تنقیص کی یا اس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دی یا اس کی مرضی کے خلاف (طیب نفس کے بغیر) اس کی کوئی شی لے لی تو میں اس کی طرف سے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے جھگڑوں گا۔''

ملاحظہ فرمایئے کہ یہ کس قدر سخت الفاظ ہیں جو پیغمبر اخلاق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیر مذاہب کے لوگوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے ارشاد فرمائے۔ دنیا میں کسی مذہب کے بانی کے اس قسم کے الفاظ آپ کو نہیں ملیں گے۔ غیر مذاہب کے ساتھ آپ نے خود بھی کئی معاہدات کیے اور ان میں ان کے ہر قسم کے حقوق کا تحفظ کیا۔ اور بڑے فیاضانہ طریقے سے غیر قوموں اور غیر مذاہب کے ساتھ تحریری معاہدے کیے جو تاریخ اسلام اور انسانیت میں ایک قانونی اور سیاسی حیثیت رکھتے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا، اس میں ان کے مذہبی راہ نماؤں کا تحفظ بھی کیا اور خود ان کو بھی تحفظ فراہم کیا۔ امام ابوداؤد نے اس کو اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔ اس معاہدہ میں مرقوم تھا:

''اہل نجران کو دو ہزار حلّے دو قسطوں میں دینا ہوں گے۔ ایک ہزار ماہ صفر میں اور ایک ہزار ماہ رجب میں۔ اور ان کو تیس زرہیں، تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور ہر قسم کے ہتھیار مستعار بھی دینے ہوں گے۔ اگر یمن میں کوئی جنگ ہوگی تو وہ لوگ ان چیزوں کو واپس کر دیں گے۔ اور اس معاہدہ کی رو سے نہ تو ان کے گرجے گرائے جائیں گے، نہ ان کے کسی پادری کو جلاوطن کیا جائے گا اور نہ ان کے مذہب سے کوئی تعرض ہوگا۔'' ①

(سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر مذاہب کے لوگوں کے اس مملوک کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی پوری زندگی اپنایا۔) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہد خلافت میں اسی اخلاقی قانون کی توثیق کی۔ چنانچہ بخاری نے روایت کیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے

① سنن ابی داؤد، کتاب الحراج والفئ والامارۃ، باب أخذ الجزیۃ: ۲/ ۴۳۱

Marfat.com

وفات کے وقت اپنی وصیت میں فرمایا:

''میرے بعد جو امت کا سربراہ ہوگا اس کو خدا اور اس کے رسول کے معاہدے کی حفاظت کے لیے وصیت کرتا ہوں کہ غیر مذاہب رعایا سے جو معاہدہ کیا جائے وہ پورا کیا جائے۔ ان کے جان و مال کی حفاظت کے لیے لڑائی کی جائے اور ان پر صرف اس قدر بوجھ ڈالا جائے جس کے باردوش سے وہ سبکدوش ہو سکیں۔''

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى لَهٗ

Marfat.com

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم
کے خلق عظیم کے شواہد

پیغمبر اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم پر بے شمار شہادتیں ہیں۔ کچھ شہادتیں تو قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے دیں۔ جن میں ایک آیت سورہ القلم کی ہے جو ہم نے گذشتہ صفحات میں نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلق عظیم کے حامل ہیں۔ دوسری آیت وہ ہے جس میں رسول اللہ کی زندگی کو تمام مسلمانوں کے لیے ایک بہترین نمونہ قرار دیا گیا۔ اس کے علاوہ بھی قرآن حکیم کی بہت سی آیات ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے لیے رحیم اور کریم بتایا گیا۔ پھر حدیث اور سیر کی کتابوں میں ان واقعات کا ایک نہایت طویل سلسلہ ہے جن میں آپ نے اپنے اخلاق حسنہ کا مظاہرہ کیا۔ دنیا کے تمام مذاہب اپنے راہ نماؤں، بانیوں اور پیغمبروں کے نہایت شیریں اور میٹھے الفاظ کی طرف دنیا کو بلاتے ہیں اور بار بار انہی کو دہراتے ہیں اور لوگوں کو ان کی دعوت دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی دلیل نہیں۔ لیکن اسلام اپنے پیغمبر کے صرف الفاظ ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ عمل اور سنت اور اس کے طریقہ کی بھی دعوت دیتا ہے۔ چنانچہ آپ جب اس دنیا سے انتقال فرما رہے تھے تو آپ نے لوگوں سے فرمایا:

((تَرَكْتُ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ، كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّتِي)) ①

① حديث زيد بن ارقم: ٤/٣٦٦، بالفاظ مختلفة، لبنان
مسند احمد، رقم الحديث: ١٠٧٧٩٩

"میں تم میں دو مرکز ثقل چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسرا اپنا عملی طریقہ۔"

یہی دونوں مرکز ثقل اب تک قائم ہیں اور قیامت تک قائم رہیں گے۔ پہلے مرکز ثقل یعنی قرآن کی وضاحت تو سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے ان الفاظ میں فرما دی کہ "آپ کا اخلاق مِن وعَن قرآن تھا۔" گویا اس بات نے دوسرے مرکز ثقل یعنی سنت نبوی کی اہمیت کو واضح کر دیا کہ طریقۂ نبوی گویا قرآن حکیم کی تفسیر اور تشریح ہے لیکن عملی شکل میں۔ گویا آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تک اور شام سے لے کر ہندوستان تک ہر ایک تاریخی انسان کی مصلحانہ زندگی پر ایک نظر ڈالیں آپ کو ایسی عملی ہدایات اور کامل مثالوں کا کوئی نمونہ پوری تاریخ انسانیت میں نہیں ملے گا۔ پیغمبر اسلام کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ راتیں گذرتی ہیں، دنیا سوتی ہے لیکن اس کی آنکھیں جاگتی ہیں۔ ہاتھ خدا کے آگے پھیلے ہوئے ہیں۔ زبان ترانۂ حمد گا رہی ہے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کے تار گر رہے ہیں۔ دل پہلو میں بے تاب تڑپ رہا ہے۔ بستر خالی ہے اور مصلی پر جبین نیاز اس بے نیاز کے سامنے فرش خاک پر ہے۔ سب کو اپنی فکر ہے اس کو امت کی فکر ہے۔ سب اپنے لیے ہیں وہ دوسروں کے لیے بارگاۂ ایزدی میں مغفرت کی دعائیں مانگ رہا ہے۔ قیام اتنا طویل ہے کہ پتہ نہیں چلتا رکوع ہوگا بھی کہ نہیں۔ رکوع میں جاتا ہے تو وہ اتنا طویل ہوتا ہے کہ پاؤں متورم ہو جاتے ہیں۔ سجدہ میں جاتا ہے تو شک پڑتا ہے کہ کہیں روح قفس عنصری سے پرواز نہ کر گئی ہو۔ چشم آفتاب نے کبھی ایسا منظر نہیں دیکھا ہوگا۔ شب دیجور نے کبھی ایسا بے تاب اور گداز دل نہیں دیکھا ہوگا۔ کبھی سینہ مبارک ہنڈیا کی طرح ابلتا سنائی دیتا ہے۔ دوسروں کے لیے ایسا تڑپنے والا دل نہ اس سے قبل کبھی پیدا ہوا اور نہ قیامت تک پیدا ہوگا۔ یہ ہے انسانیت سے محبت اور حسن اخلاق کی تصویر

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ تیرے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں جہان بھر پہ ہے سایہ تیرا①

۱۔ جمال، احمد ندیم قاسمی: ص ۴۹

Marfat.com

آپ کی انہی اخلاقی تعلیمات سے متاثر ہو کر ایک مستشرق برنارڈ لوئیس (Bernard Lewis) کو یہ لکھنا پڑا:

''وہ (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بہت بڑی کامیابیوں سے ہم کنار ہو چکے تھے۔ مغربی عرب کے امیوں کے لیے آپ ایک نیا دین لے کر آئے تھے جو اپنے عقیدۂ توحید اور اخلاقی تعلیمات کی بناء پر زمانۂ جاہلیت کے مذاہب سے کہیں بلند تھا جن کی جگہ یہ دین آیا تھا۔ آپ نے اس دین کو وہ آسمانی کتاب عطاء کی جو بعد کی صدیوں میں لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے اخلاق وافکار کے لیے راہبر بنی، لیکن آپ کی کامیابی صرف یہی نہیں تھی بلکہ آپ نے اپنی زندگی ہی میں ملت اور ایک ریاست قائم کر دی تھی جو ہر لحاظ سے منتظم بھی تھی اور طاقتور بھی۔'' ①

یہ ایک غیر مسلم دانشور کے جذبات ہیں جو اس نے الفاظ کی صورت میں صفحۂ قرطاس پر ثبت کیے، لیکن انہی مستشرقین میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن کو آپ میں کوئی خوبی، کوئی اخلاقی بلندی اور عظمت کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اگر کوئی شخص سیاہ رنگ کی عینک لگا کر آفتاب کی روشنی کو دیکھنا چاہے تو وہ نہیں دیکھ سکتا۔ اس کو روشن صبح بھی شام سیاہ ہی نظر آئے گی انہی مستشرقین میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانوں سے۔''

انہی میں سے ایک مسٹر فرانس بوہل (Frans Buhal) ہے جو اپنے معاصرین کی انہی متعصبانہ مبالغہ آرائیوں کو اپنی تنقید کا ہدف بتاتے ہوئے لکھتا ہے کہ

''آج کل کے بعض مصنفین میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ نہ صرف رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زندگی کے ناپسندیدہ واقعات کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں (یہ بات بھی غلط ہے آپ کی

① Bernard Lewis, The Arabs in History, N.Y. P.47

Marfat.com

زندگی کا ناپسندیدہ کوئی واقعہ نہیں) بلکہ آپ کی حقیقی دینی عظمت کو سرے سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اگر آپ پر واقعی جنس اتنی غالب ہوتی اور آپ دنیوی معاملات میں واقعی اتنے مشغول ہوتے اور کامیابی کے حصول میں اصولوں کے بارے میں اتنے ہی غیر محتاط ہوتے تو اسلام کی جس قوت کا ظہور آپ کی ذات سے ہوا اور جو آپ کی وفات کے بعد بھی پھلتا پھولتا رہا، اس کی کامیابی بغیر کسی سبب کے تسلیم کرنا پڑے گی۔"

"کوئی بھی مؤرخ اگر وہ غیر متعصب ہے تو وہ اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ آپ نے اپنے ہم وطنوں میں مذہب کا ایک عظیم جذبہ بیدار کیا اور اپنی دینی اور اخلاقی اقدار کو وہ عملی شکل مہیا کی جو آپ کے اپنے اہل وطن کی ہی نہیں بلکہ ان ملکوں کے لوگوں کی بھی ضرورت تھی جو قدیم مذہبوں اور تہذیبوں کا گہوارہ رہے تھے۔ جب یہ علاقے مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوئے تو اسلامی تعلیمات نے وہ اساس مہیا کی جس سے بعد میں علم و دانش کے عظیم سوتے پھوٹے۔"①

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رحمۃ للعلمین کی صفت:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صفت قرآن حکیم میں رحمۃ للعلمین ذکر کی گئی ہے۔ یہ صفت آپ میں بہت نمایاں تھی۔ آپ جن و بشر کے لیے حقیقی معنوں میں رحمت تھے۔ آپ نے گالیاں سن کر بھی دعائیں دیں۔ اپنے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی معاف فرما دیا۔ ہندہ ابوسفیان کی بیوی۔ جو غزوہ احد میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ جنگی گیت گا کر قریش کے سپاہیوں کا دل بڑھاتی اور ان کو حوصلہ دیتی ہے۔ وہ فتح مکہ کے روز نقاب پہنے سامنے آتی ہے، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سب کچھ معاف کر

① Frans Buhal, "Muhammad", Encyclopaedia of Islam.

دیا۔ وہ آپ کے ان مکارم اخلاق کو دیکھ کر پکار اٹھتی ہے: ''اے محمد! آج سے پہلے تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی اور خیمہ سے نفرت نہ تھی، لیکن آج تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی اور کا خیمہ مجھے محبوب نہیں۔''①

یہی معاملہ آپ نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کے ساتھ کیا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ آپ کے نہایت محبوب چچا جو ''اسد اللہ اور اسد رسولہ'' کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے، ان کو وحشی نے جنگ احد میں شہید کیا۔ وہ فتح طائف کے بعد کہیں بھاگ گیا۔ اور جب وہ مقام بھی فتح ہو گیا تو اسے اب کوئی دوسری جائے پناہ نہیں ملتی۔ لوگوں نے کہا: ''وحشی تم نے ابھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا نہیں۔ تمہارے لیے خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ سے بڑھ کر اور کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ وحشی لوگوں سے یہ بات سن کر آستانۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوتا ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ کر اپنی آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں۔ محبوب چچا کی جانگداز شہادت کا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ آنکھیں پہلے پرنم پھر اشکبار ہو جاتی ہیں۔ قاتل سامنے موجود ہے۔ قاتل پابجولاں سامنے ہے۔ آپ اپنے ایک اشارۂ ابرو سے اس کا وہی حشر کروا سکتے ہیں جو اس نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ احد میں کیا تھا۔ لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے صرف یہ نکلتا ہے: ''وحشی! جاؤ میرے سامنے نہ آیا کرو کیونکہ تمہیں دیکھ کر مجھے اپنے محبوب اور دلیر چچا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔''②

ہبار بن الاسود ایک ایسا شخص ہے جو ایک لحاظ سے آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کا قاتل ہے۔ اس کی شرارتوں کی وجہ سے فتح مکہ کے روز اس کو اشتہاری مجرم قرار دیا جاتا ہے۔ اس کا خون ہدر کیا جاتا ہے۔ وہ بھاگ کر سرزمین ایران میں پناہ لینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ پھر خدا جانے کیا خیال آیا سیدھا درِ نبوت

---

① رواه البخاری، کتاب الاحکام، باب من رائی للقاضی ان یحکم بعلمه......الخ، رقم الحدیث (۷۱۶۱) ومسلم، رقم الحدیث (۱۷۱۴) وابوداؤد، رقم الحدیث (۳۵۳۲) والنسائی، رقم الحدیث (۵۴۳۰) و ابن ماجه، رقم الحدیث (۲۹۳) والدارمی، کتاب النکاح، باب فی وجوب نفقة الرجل علی اهله، رقم الحدیث (۲۲۵۹) ابواب المناقب ذکر هند.

② ذکر فی الاصابة ودلائل النبوة وبخاری، کتاب المغازی، باب قتل حمزه: ۵/۳۷

Marfat.com

پر حاضر ہوتا ہے اور عرض پرداز ہوتا ہے: اے اللہ کے رسول! میں بھاگ کر ایران چلے جانا چاہتا تھا لیکن پھر مجھے آپ کا رحم و کرم اور عفو و درگزر یاد آیا۔ میں آپ کے قدموں میں حاضر ہوں۔ میرے جرائم کی تمام اطلاعات درست ہیں۔ اتنا سننا تھا کہ رحمت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور اس کو اسی وقت تمام جرائم کی معافی مل جاتی ہے۔①

صفوان بن امیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک بہت بڑا دشمن۔ ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درپے آزار۔ عمیر بن وہب کو بھی اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے پلان کے تحت مکہ سے مدینہ بھیجا تھا لیکن وہ پلان کامیاب نہ ہو سکا۔ سازش پکڑی گئی۔ یہی صفوان فتح مکہ کے روز ڈر کر جدہ بھاگ گیا کہ سمندر کے راستہ سے یمن چلا جائے۔ وہی عمیر بن وہب خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ! صفوان اپنے قبیلے کا رئیس ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کئی جرائم کا مرتکب ہے۔ ڈر کی وجہ سے مکہ سے بھاگ گیا ہے کہ اپنے آپ کو سمندر میں ڈال دے۔ یہ سن کر رحمت کے بحر بیکراں میں جوش آیا۔ فرمایا: اس کو امان ہے۔ ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ عمیر رضی اللہ عنہ دوبارہ عرض پرداز ہوتے ہیں کہ اس امان کی کوئی نشانی تاکہ صفوان کو میری بات پر کچھ یقین آ جائے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اپنا عمامہ مبارک اٹھا کر دے دیا۔ یہ نشانی تھی کہ صفوان بن امیہ جیسے مجرم کو امان دینے کی۔ عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمامہ آیا تو دولت کونین مل گئی۔ فوراً صفوان کے پیچھے بھاگے۔ صفوان کو پا کر عمیر رضی اللہ عنہ نے اسے واپس مکہ آنے کے لیے کہا۔ صفوان کہتا ہے: ''مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے اپنی جان کا سخت خطرہ ہے۔ کیونکہ تمام زندگی کے جرائم کی فلم آنکھوں کے سامنے گھوم رہی تھی۔ اعلان نبوت کے بعد جس جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں دی تھیں، وہ سب کچھ دل و دماغ کے دریچوں پر دستک دے رہی تھیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جانے سے روک رہی تھیں۔ صفوان مرجانا بہتر سمجھتا تھا، بجائے اس کے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جائے کیونکہ وہ سب سمجھ رہا تھا کہ آپ مجھے ذلت کی موت ماریں گے۔ عمیر رضی اللہ عنہ صفوان کے قلب و دماغ کے جذبات اور خیالات کو بھانپ گئے کیونکہ وہ بھی ایک مرتبہ اسی

---

① القسم الاول، باب ۵۔ب: ۵۹۷/۳، الاصابة، بروايات مختلفة تفصيلية۔

Marfat.com

صفوان کے کہنے سے زہر میں تلوار بجھا کر محمد ﷺ کو مارنے گئے تھے، اور وہ تجربہ سے گزر چکے تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے صفوان سے کہا: ''صفوان! ابھی تم کو محمد (ﷺ) کے عفو و حلم اور رأفت و رحمت کا حال معلوم نہیں ہے۔ خدمت میں حاضر ہو گئے تو پتہ چل جائے گا کہ وہ کس قدر رؤف و رحیم ہے۔ صفوان آستانہ نبوت پر حاضر ہوتا ہے۔ دل میں آپ کا خوف بھی ہے اور آپ کی رحمت کی امید بھی۔ آتے ہی عرض کیا: ''مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ نے مجھے امان دی ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟'' رحمت عالم ﷺ فرماتے ہیں: بالکل سچ ہے۔ وہ پھر کہتا ہے کہ میں تمہارا دین ابھی قبول نہیں کروں گا۔ مجھے دو مہینے کی مہلت دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دو نہیں چار ماہ کی مہلت ہے۔ لیکن چشم فلک نے یہ نظارا بھی دیکھا کہ یہ مہلت ابھی ختم نہیں ہوئی کہ صفوان کے دل کی کیفیت بدل جاتی ہے اور وہ دشمن سے دوست اور کافر سے مسلمان ہو کر مسلمانوں کی صف میں شامل ہو جاتا ہے۔ ①

عبد یالیل رئیس طائف، وہی عبد یالیل جس کے خاندان نے آپ کے ساتھ وہ ظلم و ستم کیے تھے کہ قلم کو تاب نگارش نہیں۔ جس کے اشارہ سے شہر کے اوباشوں نے آپ پر پتھر برسائے یہاں تک کہ پائے مبارک زخمی ہو گئے اور دونوں جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ ظلم و ستم کے اتنے پہاڑ توڑے کہ نو برس کے بعد بھی جب ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا کہ عمر میں آپ پر سب سے زیادہ سخت دن کون سا تھا، فرمایا طائف کا۔ وہ عبد یالیل طائف کا وفد لے کر مدینہ طیبہ آیا تو رحمت عالم ﷺ نے اپنی مسجد میں خیمہ گاڑ کر اسے اتارا۔ ہر روز عشاء کی نماز کے بعد اسے ملنے کے لیے جاتے ہیں۔ یہ اس کے لیے بہت بڑا اعزاز تھا کہ رحمت عالم، سرور کائنات ﷺ خود اس کی ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے ہیں۔ اور ایسی رنج بھری مکہ کی داستان سناتے ہیں کہ اس کا دل پسیج جاتا ہے اور سر ندامت سے جھک جاتا ہے کیونکہ جو سلوک اس نے آپ کے ساتھ کیا تھا اس کی پوری تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی ہے۔ یہ گویا اس بات کی عملی مثال تھی کہ ''تو اپنے دشمن کو پیار کر اور معاف کر۔'' ②

---

① موطا لمالك، كتاب النكاح، باب نكاح المشرك، رقم الحديث: ٩٩٧

② زرقاني، الفصل العاشر في ذكر من وقف عليه ﷺ: ٤/ ٩٠٦

آپ کے عفو و کرم اور رأفت و رحمت کے کس کس واقعہ کو پیش کیا جائے۔ یہ ایک طویل داستان ہے اور احادیث و سیر کی کتابیں ان واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ زندگی کے ایک ایک موڑ پر آپ نے اپنے رؤف و رحیم ہونے کا مظاہرہ کیا۔ فتح مکہ کے روز تمام پاپی اور مجرم حرم کے صحن میں پابجولاں آپ کے سامنے کھڑے تھے۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے خطبات مدراس میں لکھا ہے کہ

''مکہ جب فتح ہوا تو حرم کے صحن میں، کس حرم کے صحن میں، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دی گئیں، آپ پر نجاستیں پھینکی گئیں۔ آپ کے قتل کی تجویز منظور ہوئی، قریش کے تمام سردار مفتوحانہ کھڑے تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو اسلام کو مٹانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے، وہ بھی تھے جو آپ کو جھٹلایا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ کی ہجویں کیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ کو گالیاں دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو خود اس پیکر قدسی کے ساتھ گستاخیوں کا حوصلہ رکھتے تھے، وہ بھی تھے جنہوں نے آپ پر پتھر پھینکے تھے، آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے، آپ پر تلواریں چلائی تھیں، وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کے عزیزوں کا ناحق خون کیا تھا، ان کے سینے چاک کیے تھے اور ان کے دل و جگر کے ٹکڑے کیے تھے، وہ بھی تھے جو غریب اور بے کس مسلمانوں کو ستاتے تھے، ان کے سینوں پر اپنی جفا کاری کی آتشیں مہریں لگاتے تھے، ان کو جلتی ریتوں پر لٹاتے تھے، دہکتے کوئلوں سے ان کے جسم کو داغتے تھے، نیزوں کی انی سے ان کے بدن کو چھیدتے تھے۔ آج یہ سب مجرم سرنگوں تھے، پیچھے دس ہزار خون آشام تلواریں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارہ کی منتظر تھیں۔''①

سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات بیت اللہ کی دہلیز پر کھڑے ان کو اپنی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور وہ سب سر جھکائے آپ کے سامنے کھڑے آپ کے

① خطبات مدراس از سید سلیمان ندویؒ۔ خطبہ نمبر ۵، سیرت محمدی کی جامعیت

Marfat.com

حکم کے منتظر تھے۔ دفعتاً آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے: ''بتاؤ، آج میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟'' وہ لوگ آپ ﷺ کے مزاج اور طبیعت سے پوری طرح آشنا تھے کہ آپ رحمت مجسم ہیں۔ لہٰذا فوراً جواب دیتے ہیں ''تو ہمارا کریم بھائی ہے اور کریم بھائی کا بیٹا ہے۔'' دوسرے ہی لمحے ان کے کانوں نے آپ کی زبان مبارک سے یہ رحیمانہ جملہ سنا ''لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، اِذْهَبُوْا أَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔''① آج تم پر کوئی دوش نہیں جاؤ تم سارے کے سارے آزاد ہو۔

یہ ہے دشمنوں کو پیار کرنا اور معاف کرنا۔ زبانی تو معافی کی سب باتیں کرتے ہیں لیکن عملی نمونہ سوائے پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آج تک کوئی پیش نہیں کر سکا۔ آج یورپ جو اسلام پر الزام لگا رہا ہے کہ وہ تلوار کے زور سے پھیلا۔ اس سے صرف ایک ہی سوال ہے کہ ان تلوار چلانے والوں پر تلوار کس نے چلائی۔ اس سلسلہ میں ایک مغربی مسلمان نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔ اس کا نام احمد ہولٹ (Ahmad Holt) تھا اور یہ اگرچہ ایک انگلستان کا سول کنٹریکٹر تھا، اور سچائی کی تلاش میں اس نے بہت سفر کیا۔ کئی لوگوں سے ملا، یہودیت، عیسائیت اور اسلام کا تقابلی مطالعہ کیا۔ آخر 1975ء میں اس نے اسلام کو قبول کرلیا۔ اس نے اسلام کی اس تلوار کے بارے میں جس نے دنیا کو حلقہ بگوش اسلام کیا، ایک عجیب وغریب بات لکھی ہے کہ:

> ''اسلام کی تلوار لوہے کی تلوار نہیں بلکہ پیار ومحبت کی تلوار ہے۔ مجھے خود اس بات کا تجربہ ہے کیونکہ اس تلوار کا میں خود بھی زخم خوردہ ہوں۔ یہ تلوار لوگوں کو مارتی نہیں بلکہ انہیں زندگی بخشتی ہے۔ یہ انسان کو اس بات کی آشنائی بخشتی ہے کہ وہ کیا ہے؟ کیوں ہے اور اس دنیا میں کیا لینے کے لیے آیا؟''

اسی طرح ایک امریکن دانشور مسٹر جیمز میچنر (James A.Michener) نے مغربی دنیا کے اس خیال کی کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ ان الفاظ میں تردید کی ہے:

> ''جیسے اسلام نہایت تیزی سے دنیا میں پھیلا، بالکل اتنی تیزی سے اور

---

① سيرة النبي ﷺ ابن هشام: ٤/ ٥٥، بحواله انسان کامل ﷺ: ص ٦٩٨

کوئی مذہب دنیا میں نہیں پھیلا۔ مغرب کا یہ نظریہ کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، بالکل غلط ہے اور جدید اسکالر اور دانشور اس نظریہ کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام نے حریت فکر پر بڑا زور دیا ہے۔" ①

اس مسئلہ پر مشہور مستشرق ڈاکٹر آرنلڈ کی کتاب The Preaching of Islam پڑھنے کے قابل ہے جس میں اس عیسائی نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ محبت اور تبلیغ سے پھیلا ہے۔ اس سلسلہ میں حکیم محمود احمد ظفر کی کتاب "اسلام کی دعوتی قوت" بھی ایک نہایت عمدہ کتاب ہے۔

یہ بھی آپ کی صفت رحمت ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے کسی جنگ میں بھی کسی شخص کو اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کیا۔ ابی بن خلف آپ کا سخت ترین دشمن تھا۔ اس نے نہایت نفیس اور عمدہ گھوڑا تیار کیا ہوا تھا اور ہر جگہ کہتا پھرتا تھا کہ میں نے یہ گھوڑا اس لیے تیار کیا ہوا ہے تاکہ اس پر سوار ہو کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کروں۔ احد کی جنگ اپنے زوروں پر تھی۔ وہ صفوں کو چیرتا ہوا آپ کے قریب آیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے روکنا چاہا لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آنے دو۔ جب وہ بالکل قریب آ گیا تو آپ نے ایک مسلمان سے نیزہ لے کر اس کی گردن میں آہستہ سے اس کی نوک چبھو دی۔ نوک کا چبھنا تھا کہ وہ چیخ کر واپس بھاگا۔ اس کے ساتھی اس کی یہ حالت دیکھ کر کہنے لگے کہ "یہ کوئی ایسا کاری زخم تو نہیں کہ تو اتنا بدحواس ہو گیا ہے۔" وہ بولا: "یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ زخم اتنا کاری نہیں ہے لیکن ہے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ کا...... ②

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صفت رحمت اتنی غالب تھی کہ آپ سزا دینے میں بھی انتہائی احتیاط برتتے تھے اور جہاں تک گنجائش ہوتی، درگزر اور عفو سے کام لیتے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں آ کر اقرار کیا کہ وہ زنا کا مرتکب ہو گیا ہے۔ زنا ایک گھناؤنا جرم ہے اور اس کی سزا بھی نہایت سخت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے یہ الفاظ سن کر منہ پھیر لیا۔ وہ دوسری طرف جا کر پھر کہنے لگا کہ یا رسول اللہ! مجھ سے زنا کا

---

① Islam, The misunderstood Religion, Reader`s Digest, May, 1955

② البداية والنهاية، حديث عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ: ٤ / ٣٥

Marfat.com

ارتکاب ہو گیا ہے۔ آپ نے پھر رخ پھیر لیا۔ جب چار دفعہ اس نے ایسا کہا تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا "تو پاگل تو نہیں ہو گیا؟" اس نے کہا: "جی نہیں، میں بالکل ہوش و حواس میں ہوں۔" آپ نے پھر پوچھا: "تمہاری اس سے شادی ہو چکی ہے؟" اس نے کہا "جی نہیں۔" میں نے اس سے مجامعت کی ہے۔" ان ساری وضاحتوں کے بعد آپ نے ناچار اسے سنگسار کرنے کا حکم صادر کیا۔" ①

ایک مرتبہ ایک عورت مکہ کی ایک گلی سے گزر رہی تھی۔ اس کے سر پر اتنا بوجھ تھا کہ وہ بڑی مشکل کے ساتھ قدم اٹھا رہی تھی۔ اس کے اس طرح چلنے پر لوگ تمسخر اڑا رہے تھے۔ آپ ﷺ بھی ایک طرف سے تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ اس عورت کو اس مشکل میں دیکھ کر فوراً آگے بڑھے اور اس کا بوجھ خود اٹھا کر اسے اس کی منزل پر پہنچا دیا۔ اسی وجہ سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا کہ آپ ﷺ بے سہاروں کا سہارا ہیں۔

ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ ایک غلام آٹا پیس رہا ہے لیکن ساتھ ہی درد سے کراہ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کے پاس جا کر کراہنے کی وجہ پوچھی۔ پتہ چلا کہ وہ بیمار ہے مگر اس کا ظالم آقا اس کو چھٹی نہیں دیتا۔ آپ نے اس کو بڑے آرام سے لٹا دیا اور اس کا سارا آٹا خود پیس دیا۔ پھر فرمایا: "جب تم کو آٹا پیسنا ہو تو مجھے بلا لیا کرو۔"

ایک روز سرورِ کائنات ﷺ ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ اندھی عورت ٹھوکر کھا کر گر پڑی۔ جیسا کہ اوباش لوگوں کا وتیرا ہوتا ہے وہ اسے گرتے دیکھ کر ہنسنے لگے۔ لیکن اس عورت کو گرتے دیکھ کر آپ کا دل پسیجا اور آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ آپ ﷺ نے اس کمزور، ناتواں اور اندھی عورت کو اٹھایا اور اس کے گھر پہنچا دیا۔ اس کے بعد سرورِ کائنات ﷺ ہر روز اس عورت کے گھر کھانا لے کر جاتے تھے۔ "سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی۔" ②

---

① ترمذی، رقم الحدیث: ۱۳۴۹

② مشکوٰۃ: ۲/۳۱۹، رقم الحدیث: ۳۴۰۱

Marfat.com

ایک مرتبہ ایک بدو آیا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کے گوشے کو پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ چادر کا کنارہ آپ کی نرم و نازک گردن میں کھب گیا۔ پھر نہایت درشتی سے بولا: "اے محمد! میرے یہ دو اونٹ سامان سے لدوا دو کیونکہ تیرے پاس جو مال ہے وہ نہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا ہے۔" ایسے درشت اور نازیبا الفاظ دنیا کا کوئی بڑا آدمی برداشت نہ کرتا لیکن آپ نے نہایت تحمل اور بردباری سے فرمایا: "مال تو اللہ کا ہے اور میں اس کا بندہ ہوں۔" پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: "تم نے جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے اور جس درشت کلامی سے مجھ سے گفتگو کی ہے، کیا تم اس پر ڈرتے نہیں؟" بدو نے جواب دیا: "بالکل نہیں۔" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا: "کیوں نہیں؟" بدو نے بغیر کسی تامل کے کہا: "مجھے یقین ہے کہ آپ بدی کا بدلہ بدی سے نہیں دیتے۔" یہ سن کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا: اور اس کے ایک اونٹ پر کھجوریں اور دوسرے پر جو لدوا دیئے۔①

اسی طرح ایک مرتبہ ایک بدو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہا:

"اے محمد! ان دونوں پہاڑوں کے درمیان بکریوں کے جتنے ریوڑ ہیں، مجھ کو دے دو۔" سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت وہ سب اس کو دے دیا۔ اس شخص پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عدیم النظیر اور بے مثال شفقت کا اس قدر اثر ہوا کہ اس نے اپنے قبیلہ میں جا کر کہا:

> "بھائیو! اسلام قبول کر لو، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنا دیتے ہیں کہ کسی کو فقر اور افلاس کا ڈر ہی نہیں رہتا۔"②

ہجرت کے تیسرے سال قریش مکہ نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کی اور غزوۂ احد کا معرکہ پیش آیا۔ اس جنگ میں ابتداء میں تو مسلمانوں کو فتح ہوئی لیکن پھر بعد میں آپ کے

① سبل الهدى والرشاد، الباب فی علمه وعفوه مع القدرة له: ۷/ ۸۱
رحمة اللعالمین، بحواله بیهقی از قاضی سلیمان منصور پوری: ۱/ ۳۱۲

② صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب ماسئل رسول الله شیئا قط، رقم الحدیث: ۴۲۷۶

Marfat.com

بعض ساتھیوں کی غلطی سے دشمنوں کو موقع مل گیا اور انہوں نے پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر کے جنگ کا نقشہ ہی بدل دیا۔ یہ منظر بڑا بھیانک تھا۔ قریش کا حملہ جو عقب سے انہوں نے کیا تھا، اتنا سخت تھا کہ آپ کے اکثر صحابی میدان جنگ سے بھاگنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ مسلح دشمنوں کے نرغہ میں تنہا رہ گئے۔ مخالف ہجوم بھوکے بھیڑیے کی طرح آپ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو پکارنا شروع کیا "اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ" اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔ پھر فرمایا: "کون ہے جو ہمارے لیے اپنی جان قربان کرے، کون ہے جو ان ظالموں کو مجھ سے ہٹائے۔ وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔" ①

جب آپ کی زبان مبارک سے اس قسم کے الفاظ نکل رہے تھے تو وہ کیسا ہولناک سماں تھا۔ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے ایک بہت بڑی تعداد نے آپ کی آواز پر لبیک کہا، لیکن اس وقت اس قدر انتشار اور افراتفری کا عالم تھا کہ آپ کے جان نثار بھی آپ کو پوری طرح بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ عتبہ بن ابی وقاص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک پتھر پھینکا۔ یہ پتھر آپ کو اتنے زور سے لگا کہ ہونٹ کچلے گئے اور نیچے کے دانت ٹوٹ گئے۔ عبداللہ ابن قمیہ نے جو قریش کا مشہور پہلوان تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شدید حملہ کیا جس کے نتیجہ میں لوہے کے خود کی دو کڑیاں آپ کے رخسار مبارک میں گھس گئیں۔ یہ کڑیاں اتنی گہرائی تک کھبی تھیں کہ سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے جب ان کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر کھینچا تو ان کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ایک اور شخص عبداللہ بن شہاب زہری نے آپ کو پتھر مارا جس سے آپ کی پیشانی زخمی ہو گئی۔ مسلسل خون بہنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد کمزور ہو گئے۔ اس دوران میں آپ کے ایک صحابی کی نظر گڑھے کی طرف گئی۔ وہ آپ کو دیکھ کر خوشی سے بول اٹھے: "رسول اللہ یہاں ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی کے اشارے سے ان کو منع کیا کہ چپ رہو۔ دشمنوں کو میری یہاں موجودگی کا علم نہ ہونے پائے۔

ایسے خوفناک حالات میں قریش کے بعض سرداروں (صفوان، سہیل، حارث

---

① صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ احد: ۵/ ۳۸، صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب غزوہ احد: ۲/ ۱۰۷

وغیرہ) کے لیے بددعا کے الفاظ نکل گئے۔ وہ بددعا کے الفاظ کیا تھے؟ "کَیْفَ یُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوْا نَبِیَّھُمْ" (وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جو اپنے نبی کو زخمی کرے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اتنی سی بات بھی اللہ کو پسند نہ آئی اور جبرئیل امین اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وحی لے کر آ گئے۔

﴿لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْھِمْ اَوْ یُعَذِّبَھُمْ فَاِنَّھُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ ①

"تم کو معاملہ کا کوئی اختیار نہیں۔ خدایا تو ان کو توبہ کی توفیق دے گا یا ان کو عذاب دے گا، کیونکہ وہ ظالم ہیں۔"

خدا تعالیٰ کی طرف سے اتنی تنبیہ کافی تھی۔ فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا، مگر ظالموں کے حق میں ہدایت کی دعا فرما رہے ہیں۔ آپ کے ایک ساتھی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "اس وقت بھی گویا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میرے سامنے ہیں۔ آپ اپنی پیشانی سے خون پونچھتے جاتے ہیں اور یہ فرما رہے ہیں:

"خدایا! میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ وہ مجھے نہیں جانتے۔" ②

اخلاق کی دو قسمیں ہیں:

ایک معمولی اخلاق اور دوسری اعلیٰ اخلاق۔ پہلی قسم یہ کہ آدمی کا اخلاق جوابی ہو۔ یعنی جو مجھ سے جیسا کرے گا میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی کروں گا۔ یہ عام اخلاق ہے۔ اعلیٰ اخلاق یہ ہے کہ آدمی دوسرے کے رویہ کی پروا کیے بغیر اپنا اخلاق متعین کرے۔ اس کا اخلاق اصولی ہو جوابی نہ ہو۔ اعلیٰ اخلاقیات اس کا ایک عام اصول ہو جس کو وہ ہر جگہ برتے خواہ معاملہ دشمن کے ساتھ ہو یا دوست کے ساتھ ہو۔ وہ جڑنے والا ہو حتیٰ کہ اس سے بھی جو اس سے کٹ جائے۔ وہ اس سے بھی بہتر سلوک کرنے والا ہو جو اس سے برا سلوک کرے۔ وہ ہر ظالم کے ظلم کو نظر انداز کرنے والا ہو۔

---

① ال عمران: ١٢٨

② صحیح بخاری، کتاب المغازی، رقم الحدیث: ٣٢١٨، مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب غزوۃ احد: ٢/١٠٧، رقم الحدیث: ٣٣٤٦

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ کی مدنی زندگی کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد کے لوگوں کی طرف چند سوار بھیجے جو آپ کے دشمن بنے ہوئے تھے۔ وہ یمامہ کے حاکم ثمامہ بن اثال کو راستہ میں مل گئے۔ انہوں نے اس کو گرفتار کرلیا اور سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں لے آئے۔ مدینہ پہنچ کر انہوں نے اس کو مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی رہائی کا حکم فرما دیا۔ یہ واقعہ اس وقت کی دنیا میں نہایت عجیب و غریب تھا کیونکہ قبائلی زندگی میں کسی دشمن کے ہاتھ آجانے کے بعد اس کا ایک ہی انجام تھا اور وہ یہ کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جسم کو تو قتل نہیں کیا، مگر اپنے اخلاقی سلوک سے اس کی روح کو قتل کر دیا۔ چنانچہ قید سے چھوٹنے کے بعد ثمامہ قریب کے ایک باغ میں گیا اور غسل کر کے دوبارہ مسجد نبوی میں آیا۔ لوگ حیران تھے کہ دوبارہ کس لیے یہاں آیا ہے، لیکن جب اس نے بلند آواز سے کلمۂ شہادت ادا کر کے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو چھوڑ کر دراصل ہمیشہ کے لیے اس کو گرفتار کرلیا تھا۔ اس کے بعد ثمامہ عمرہ کے لیے مکہ گیا۔ جب وہ حرم میں پہنچا اور وہاں کے لوگوں کو ثمامہ کے اسلام لانے کا علم ہوا تو انہوں نے کہا: ''تم بے دین ہو گئے ہو۔'' ثمامہ نے جواب دیا کہ میں بے دین نہیں ہوا بلکہ میں نے خدا کے رسول کے دین کو اختیار کرلیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ثمامہ اسلام کی قوت کا ذریعہ بن گیا۔ اس زمانہ میں مکہ کے لوگوں کو باہر کے جن مقامات سے گندم فراہم ہوتی تھی، ان میں یمامہ کا ایک خاص مقام تھا۔ چنانچہ ثمامہ نے مکہ والوں سے کہا: ''سن لو، محمد (ﷺ) کی اجازت کے بغیر اب گندم کا ایک دانہ بھی تمہارے یہاں نہیں آئے گا۔''

مکہ شہر وادیٔ غیر ذی ذرع تھا۔ اس میں کوئی چیز پیدا نہ ہوتی تھی۔ اناج یمامہ سے آتا تھا۔ یمامہ کے حاکم ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ جب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور انہوں نے مکہ مکرمہ کی طرف غلہ کی برآمد بند کر دی۔ تو مکہ والوں کا برا حال ہونے لگا۔ اس بندش سے قریش میں کہرام مچ گیا۔ ہر طرف ایک سراسیمگی کا عالم تھا۔ انہوں نے سخت اضطراب اور بدحواسی کے عالم میں سرکار دو عالم ﷺ کی طرف رجوع کیا۔ اور درخواست کی کہ یمامہ

کے حاکم کو حکم فرمایا جائے کہ وہ اناج کی بندش کو اٹھالے۔کوئی اور ہوتا تو انہیں ان کے مظالم یاد کراتا اور کہتا کہ آج تم کون سا منہ لے کر میرے پاس آئے ہو۔تم نے میرے اور میرے ساتھیوں کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا کہ آج میں تمہارے ساتھ کوئی نیکی کروں۔لیکن وہ تو تمام جہانوں کے لیے رحمت بن کر آئے تھے، مکہ والوں پر اپنا دامن رحمت کیوں نہ پھیلاتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حاکم یمامہ ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا کہ اناج کی بندش اٹھا لو۔چنانچہ اس نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں اناج کی بندش اٹھالی۔اور اناج مکہ پہنچنے لگا۔حالانکہ یہ اہل مکہ وہی تھے جنہوں نے تمام بنو ہاشم کو شعب بنی ہاشم میں نظر بند کر رکھا تھا اور مسلسل تین سال آپ کے خاندان والوں کے ساتھ ایسا مقاطعہ کیا تھا کہ اناج کا ایک دانہ بھی ان تک نہیں پہنچنے دیتے تھے۔بنو ہاشم کے بچے بھوک سے تڑپتے اور بلبلاتے تھے لیکن ان ظالموں کے پتھر سے زیادہ سخت دل کسی طرح نہ پسیجتے تھے بلکہ یہ بچوں کا رونا سن کر قہقہے لگاتے۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ان سب باتوں سے درگزر فرما کر ان کے لیے اناج کی بندش ختم کرادی۔①

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جذبۂ ترحم اور صفت رحمت میدان جنگ میں بھی رہتا تھا۔حدیث کے رپورٹرز بتاتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے میدان بدر میں ایک پانی کا حوض اپنی ضرورت کے لیے تیار کیا تھا۔لڑائی شروع ہونے سے قبل قریش مکہ کی فوج کے آدمی اس حوض پر پانی پینے آئے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں پانی لینے سے روکنا چاہا۔جنگی حکمت عملی اور اسٹریٹجی کا تقاضا یہی تھا کہ انہیں پانی نہ لینے دیا جاتا اور دشمن پر ہر قسم کی خوراک کی بندش کر دی جاتی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انہیں پانی لینے اور پینے سے منع نہ کرو۔'' کیا دنیا ایسی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے۔②

امام بیہقی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک بار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی عالم سے کچھ اشرفیاں قرض لیں۔کچھ دن گزر گئے تو وہ یہودی تقاضے کے لیے پہنچا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس وقت میرے پاس تمہارا قرض ادا کرنے کے

① سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن هشام، اسر ثمامة بن اثال الحنفی واسلامه: ۱/ ۳٦٤

② صحیح بخاری، رقم الحدیث ٤٤٢ / ٤٠٢٧ علی اختلاف الالفاظ

Marfat.com

لیے کچھ نہیں ہے۔" یہودی نے کہا: "جب تک تم میرا قرض ادا نہ کرو گے میں تم کو نہیں چھوڑوں گا۔" چنانچہ ظہر کے وقت سے لے کر رات تک وہ آپ ﷺ کو گھیرے میں لیے ہوئے بیٹھا رہا۔ یہ زمانہ وہ تھا جب کہ مدینہ میں آپ کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ آپ اس کے خلاف ہر قسم کی کارروائی کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ کے ساتھیوں نے اسے ڈانٹ کر بھگانا چاہا، لیکن آپ ﷺ نے سب کو منع فرما دیا۔ کسی نے کہا: "اے اللہ کے رسول! ایک یہودی آپ کو قید کیے ہوئے ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، مگر مجھ کو ظلم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔" اسی حال میں صبح ہو گئی۔ جب اگلا دن شروع ہوا تو یہودی کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ یہ دیکھ کر بہت متاثر ہوا کہ آپ ﷺ قدرت رکھتے ہوئے بھی برداشت کرتے ہیں اور طاقت ہوتے ہوئے بھی کوئی کارروائی نہیں کرتے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ یہودی مدینہ کا نہایت مال دار آدمی تھا۔ کل تک اس نے چند اشرفیوں کے لیے آپ کا گھیراؤ کر رکھا تھا، مگر آپ کے کردار اور آپ کے عفو و درگزر کی صفت نے اس پر اتنا اثر کیا کہ اس نے اپنی ساری دولت آپ کی خدمت اقدس میں پیش کر دی اور کہا کہ آپ اس کو جس طرح چاہیں خرچ کریں۔" ①

کلید کعبہ کا واقعہ:

کعبہ کی کلید برداری (حجابہ) جاہلیت کے زمانہ میں بھی نہایت عزت کی چیز سمجھی جاتی تھی۔ یہ کلید برداری اور دربانی قدیم ترین زمانہ سے ایک خاص خاندان میں چلی آ رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اس خاندان کے ایک فرد عثمان بن طلحہ کعبہ مکرمہ کے دربان تھے۔ انہی کے پاس کعبہ کی کنجی رہتی تھی۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ ہجرت سے قبل ایک بار رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ بیت اللہ کے اندر داخل ہو کر اللہ کی عبادت کریں۔ آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہ سے جو اس وقت تک ابھی حلقہ بگوش اسلام نہ ہوئے تھے، بیت اللہ کی چابی مانگی تا کہ اس کا دروازہ کھول کر اس کے اندر جائیں اور رب قدوس کے حضور جبین نیاز جھکا سکیں، لیکن عثمان ابن طلحہ نے کنجی دینے سے صاف انکار کر دیا اور نہ صرف انکار کیا

---

① رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ

بلکہ کچھ نازیبا الفاظ بھی آپ کی شان میں کہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عثمان! کسی روز تم دیکھو گے کہ یہ چابی میرے ہاتھ میں ہو گی اور میں جسے چاہوں گا دوں گا۔ یہ سن کر عثمان بن طلحہ نے کہا:

''وہ دن قریش کی تباہی اور رسوائی کا دن ہو گا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں بلکہ اس روز وہ آباد اور باعزت ہوں گے۔''①

اس کے بعد چشم آفتاب نے وہ وقت دیکھا کہ مکہ فتح ہوا اور نہ صرف بیت اللہ کا بلکہ شہر مکہ کا تمام اختیار آپ کے ہاتھ میں آ گیا۔ آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے بیت اللہ تشریف لے گئے۔ کعبہ کا سات بار طواف کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا۔ (ایک روایت کے مطابق عثمان بن طلحہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی زمانہ میں مسلمان ہو چکے تھے)۔ آپ نے ان سے چابی لی اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ آپ کچھ دیر بیت اللہ کے اندر رہے اور وہاں جو بت تھے ان کو اپنے ہاتھ سے توڑ دیا۔ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ سے باہر نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اس کی چابی تھی اور آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا﴾②

''اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہلوں کے سپرد کرو۔''

اس وقت آپ کے چچا زاد بھائی اور داماد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کی: ''یا رسول اللہ! اللہ کی رحمت آپ پر ہو، ہم بنو ہاشم کو پہلے سے زائرین کعبہ کو پانی پلانے (سقایہ) کی خدمت حاصل ہے۔ اب کعبہ کی کلید برداری کی خدمت بھی ہمیں ہی دے دیجیے۔ یہ ایک بہت بڑی خدمت تھی جو آپ کے خاندان کو جا رہی تھی۔ کوئی اور ہوتا تو اسی وقت کعبہ کی چابی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دے دیتا۔ بلکہ ایک روایت میں یہ ہے کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی خواہش بھی یہی تھی۔ لیکن حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟'' ان

---

① صحیح بخاری

② النساء: ۵۸

کو بلایا گیا۔ آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کی چابی انہیں اپنے ہاتھوں سے دیتے ہوئے فرمایا:

''اے عثمان! اپنی چابی لو، آج وفا اور حسن سلوک کا دن ہے۔ اس کو لو، یہ تمہارے خاندان میں ہمیشہ موروثی طور پر رہے گی۔ ظالم کے سوا کوئی بھی تم سے اس کو نہیں چھینے گا۔'' ①

سرکار دو عالم ﷺ کے اس طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حقوق کی ادائیگی اور امانتوں کی واپسی کے معاملہ میں مسلمانوں کو اتنا زیادہ پابند ہونا چاہیے کہ اگر صاحب حق کی طرف سے تلخی کا مظاہرہ ہو تب بھی جس کا جو حق ہے وہ اس کو پورا پورا ادا کیا جائے۔ حقوق کی ادائیگی میں کسی حال میں بھی کوتاہی نہ کی جائے خواہ وہ اپنی طبیعت کے کتنا ہی خلاف ہو۔

جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو تم سے کٹے تم اس سے جڑو۔ جو تم پر ظلم کرے تم اس کو معاف کر دو اور جو تمہارے ساتھ برا سلوک کرے تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔'' ②

ایک اور روایت میں یوں فرمایا:

''تم لوگ امعہ نہ بنو کہ یہ کہنے لگو کہ لوگ اچھا سلوک کریں گے تو ہم بھی اچھا سلوک کریں گے اور لوگ بُرا سلوک کریں گے تو ہم بھی ان کے ساتھ ظلم کریں گے بلکہ اپنے آپ کو اس کا خوگر بناؤ کہ لوگ اچھا سلوک کریں گے تب بھی تم اچھا سلوک کرو اور لوگ برا سلوک کریں تو تم ان کے ساتھ ظلم نہ کرو۔''

آپ ﷺ نے قرآن کی صورت میں مطلوب زندگی کا جو نقشہ دوسروں کے سامنے پیش کیا خود آپ ﷺ اسی نقشہ میں ڈھل گئے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی لیکن کبھی آپ ﷺ نے مجھے اف تک نہ کہا اور نہ کبھی میرے کسی کام کی بابت آپ نے فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا

① فتح الباری: ۸/ ۱۵، کتاب المغازی، باب دخول النبی ﷺ من اعلی مکۃ: ۸/ ۱۹
زرقانی، حدیث جبیر ابن مطعم

② مشکوٰۃ، کتاب الاداب، باب الظلم

Marfat.com

اور جو کام میں نے نہیں کیا اس کی بابت بھی آپ ﷺ نے کبھی یہ نہ کہا کہ تم نے اس کو کیوں نہ کیا۔ وہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے۔ ①

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی کسی خادم کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا نہ کسی عورت کو مارا اور نہ کسی دوسرے کو اپنے ہاتھ سے مارا۔ البتہ آپ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے تھے۔ جب بھی آپ ﷺ کو دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو لینے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے آسان کو اختیار کیا الا یہ کہ وہ گناہ ہو۔ جو چیز گناہ ہوتی اس سے آپ تمام لوگوں سے زیادہ دور رہنے والے تھے۔ آپ ﷺ کو خواہ کوئی بھی تکلیف پہنچائی گئی ہو کبھی آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا الا یہ کہ اللہ کی حرمتوں کو توڑا گیا ہو اور آپ ﷺ نے اللہ کی خاطر اس کا بدلہ لیا ہو۔

طائف مکہ کے جنوب مشرق میں 65 میل کے فاصلہ پر ایک سرسبز و شاداب بستی تھی۔ یہ صحت افزا مقام بھی تصور کیا جاتا تھا، اسی وجہ سے مکہ کے رؤساء کی کوٹھیاں بھی وہاں تھیں۔ وہاں آپ ﷺ کے بعض رشتہ دار بھی سکونت پذیر تھے۔ سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا اور ابو طالب کی وفات کے بعد آپ ﷺ اپنے خادم سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر طائف پہنچے۔ اس وقت وہاں کی آبادی میں تین ممتاز سردار تھے۔ عبدیالیل، مسعود اور حبیب۔ آپ ان تینوں سے ملے۔ لیکن ہر ایک نے آپ کا ساتھ دینے اور آپ کی حمایت کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا: خدا نے اگر آپ (ﷺ) کو رسول بنایا ہوتو میں کعبہ کا پردہ پھاڑ ڈالوں۔" دوسرے نے کہا: "خدا کو کیا تمہارے سوا کوئی نہ ملا تھا جس کو وہ رسول بنا کر بھیجتا۔" تیسرے نے کہا: "خدا کی قسم، میں تم سے بات نہیں کروں گا۔ اگر تم اللہ کے رسول ہو تو تمہارا جواب دینا گستاخی ہے۔ اور اگر تم اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہو تو میرے لیے مناسب نہیں کہ میں تم سے بات کروں۔" ②

---

① بخاری ومسلم، کتاب الادب، باب حسن الخلق والسخاء، رقم الحدیث: ٥٥٧٨

② سیرۃ النبی ﷺ ابن ہشام، سیعی الرسول ﷺ الی ثقیف یطلب النصرۃ، روایت ابن اسحاق: ٢/ ٦٠

Marfat.com

ان تینوں کے اس قسم کے جوابات سن کر آپ کچھ غمگین ہوئے اور واپس ہونے کا ارادہ فرمایا۔ مگر ان لوگوں نے پھر بھی آپ کو نہ بخشا۔ انہوں نے بستی کے لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ گالیوں اور پتھروں سے آپ کا پیچھا کرتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنے کمبل سے آپ کو آڑ میں لینے کی کوشش کی، مگر وہ آپ کو بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور ان کے پتھروں سے آپ کا جسم لہولہان ہو گیا۔ بستی سے کچھ دور جا کر عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ، رؤسائے مکہ، کا انگوروں کا باغ تھا۔ یہاں پہنچتے پہنچتے شام ہو گئی اور آپ نے اس باغ میں پناہ لی۔ آپ زخموں سے چور تھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے۔ وہ دعا بھی عجیب تھی۔ جن لوگوں نے اتنی تکلیف دی تھی چاہیے تو یہ تھا کہ ان کے لیے بددعا کی جاتی۔ اور ایسی بددعا کی جاتی کہ ان کی نسلیں یاد کرتیں۔ لیکن تاریخ کے رپورٹرز بتاتے ہیں کہ اس حال میں بھی رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے دشمنوں کے لیے بددعا نکلتی ہے نہ اپنے مالک و مولیٰ سے شکایت کا ایک حرف زبان پر آتا ہے۔ نہ اس پر ایمان و یقین میں سر مو کوئی تزلزل واقع ہوتا ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اٹھتے ہیں اور یہ فریاد زبان پر جاری ہوتی ہے:

> ''بارالٰہا! میں تجھ سے ہی فریاد کرتا ہوں کہ میرے پاس طاقت ہے نہ حیلہ، لوگوں کے لیے میں کوئی چیز نہیں۔ اے ارحم الرحمٰن! تو کمزوروں عاجزوں کا وارث، تو میرا بھی مالک و مولا، تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے؟ بیگانے غیر کے جو خشمناکی و درشتی سے پیش آئے؟ یا اس دشمن کے جسے تیری قدرت نے میرے حال پر قابو عطا کیا؟ مگر مالک اگر تو مجھ پر ناخوش نہیں تو مجھے کسی بات کی پروا نہیں۔ تیری عافیت کا دامن ہی میرے لیے کشادہ تر ہے۔ میں تیرے رخ انور کی ضیاء میں پناہ مانگتا ہوں، جس سے تاریکیاں اور ظلمتیں مطلع انوار اور امور دنیا و آخرت خوش گوار ہو جاتے ہیں۔ اس بات سے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا تیرا عتاب مجھ پر آئے، (میری طرف سے) تسلیم و رضا تیرے لیے ہے۔ جب

Marfat.com

تک تو راضی نہ ہو جائے، اور مولا قوت و طاقت جو ہے سو پس وہ
تیری ذات کی۔"①

خداوند قدوس نے اپنے بندۂ حبیب کی پکار کو سنا اور فرمایا:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾②

"صبر کیجیے جیسے پہلے صاحب عزیمت رسولوں نے صبر کیا۔"

عتبہ اور شیبہ دونوں مشرک تھے جن کے باغ کے اندر انگور کی بیلوں کے سائے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پناہ لیے ہوئے تھے۔ باغ بھی پرانے حریفوں عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کا، دونوں خود بھی یہ حال دیکھنے کو موجود، اس وقت کی کیفیت کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ لات و عزیٰ کے ان دونوں علم برداروں کا انسانی جذبۂ ترحم بھی وقتی طور پر ابھر آیا۔ انہوں نے اپنے نصرانی غلام کو بلایا جس کا نام عداس تھا۔ اور اس سے کہا کہ ان انگوروں کے کچھ خوشے لو اور ان کو ایک برتن میں رکھ کر اس آدمی کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ان میں سے کھائے۔ عداس نے ایسا ہی کیا۔ وہ انگور لے کر آیا اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ انہیں تناول فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اپنے ہاتھ میں لیا تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا اور پھر کھایا۔

عداس نے یہ الفاظ اس سے قبل کسی شخص کے منہ سے نہیں سنے تھے۔ وہ مکہ کے ایک رئیس کا غلام تھا۔ دوسرے بڑے بڑے رئیس ان کے ہاں کھانے کے لیے آتے تھے۔ لیکن کبھی کسی نے کھانے سے قبل یہ الفاظ نہیں کہے تھے۔ لہٰذا عداس کو بڑا تعجب ہوا اور اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا۔ اور کہا: "خدا کی قسم، یہ جو کلمات آپ نے کہے اس ملک کے لوگ ایسا نہیں کہتے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: "عداس! تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟" عداس نے جواب دیا: "میں نصرانی ہوں اور نینوا③ کا رہنے والا ہوں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

① اخرجه ابن اسحاق والطبرانی

② الاحقاف: ۳۵

③ نینوا موصل کے علاقہ میں ایک شہر ہے۔ زرقانی: ۱/ ۲۹۹

Marfat.com

مرد صالح یونس بن متی کے شہر؟" عداس نے عرض کی: "آپ کو کیسے معلوم ہے کہ یونس بن متی کون تھے؟" رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "وہ میرے بھائی ہیں، وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔" ((ذاكَ اَخِیْ كَانَ نَبِيًّا وَّاَنَا نَبِیٌّ)) یہ سن کر عداس آپ ﷺ پر جھک پڑا اور آپ کے سر، ہاتھ اور پاؤں کو چومنے لگا۔" ①

عتبہ اور شیبہ دونوں دور بیٹھے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ ایک نے دوسرے سے کہا: دیکھو اس شخص نے تمہارے غلام کو خراب کر دیا۔ عداس جب واپس لوٹ کر آیا تو انہوں نے کہا: "تمہارا برا ہو تم کو کیا ہوا کہ تم اس کے سر، ہاتھ اور پاؤں کو چومنے لگے؟" عداس نے کہا: "آقا! زمین پر اس سے بہتر اور کوئی شخص نہیں۔ اس نے مجھے ایسی بات بتائی جس کو صرف ایک نبی ہی جان سکتا ہے۔" دونوں نے کہا: "اے عداس! تمہارا برا ہو، وہ تم کو تمہارے دین سے پھیر نہ دے کیونکہ تیرا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔ ②

اس واقعہ سے بتانا مقصود یہ تھا کہ طائف کے اس واقعہ میں آپ کو کس قدر تکلیف اٹھانا پڑی لیکن پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمۃ للعالمین نے بجائے ان لوگوں کے لیے بددعا کرنے کے دعا کی اور "الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر" کے الفاظ آپ کی زبان مبارک سے نکلے۔

ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں زبردست قحط پڑا۔ لوگوں نے ہڈیاں اور چمڑے کھانے شروع کر دیئے۔ اور بقول شیخ سعدی "یاراں فراموش کردند عشق۔" اس زمانہ میں ابو سفیان ابھی حلقہ بگوش اسلام نہ ہوئے تھے۔ وہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور کہا: "محمد (ﷺ)! تم لوگوں کو صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہو۔ خود تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے۔ اپنے خدا سے دعا کیوں نہیں کرتے۔ ابوسفیان اس وقت دشمن رسول اور دشمن اسلام تھا۔ کوئی اور ہوتا تو ابوسفیان کو دھتکار دیتا کہ تم نے کون سا نیک سلوک میرے ساتھ کیا ہے۔ پھر خود مشرکین مکہ کی ایذا رسانی اور اذیتیں انسانیت کی حدود کو پھلانگ گئی تھیں۔

---

① سيرة النبی ﷺ ابن هشام، قصة عداس النصرانی معهٗ ﷺ: ص ٢/ ٦٢

② سيرة النبی ﷺ ابن هشام، قصة ايضاً، عيون الأثر: ١/ ١٣٤، البداية والنهاية، فصلٌ فی ذهابه الیٰ اهل الطائف يدعوهم الی دين الله

لیکن نبی رحمت ﷺ کے ابوسفیان کی بات سن کر فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کو خالی واپس لوٹانا پسند نہ فرمایا۔ اجابت نے در حق کو کھٹکھٹایا۔ دعا قبول ہوئی اور اس قدر مینہ برسا کہ قحط دور ہو گیا۔

ایک مرتبہ ایک کافر سرکار دو عالم ﷺ کے ہاں مہمان ٹھہرا۔ رات کو سوتے ہوئے اس کے پیٹ میں کچھ گڑبڑ ہو گئی اور بستر ہی پر پاخانہ نکل گیا۔ صبح کو شرمندگی کے باعث آپ ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے ہی وہ اٹھ کر چلا گیا۔ راستہ میں یاد آیا کہ جلدی میں وہ اپنی تلوار وہیں بھول آیا ہے۔ تلوار لینے کے لیے واپس آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰت والتحیات خود بستر کو دھو رہے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دوڑے اور عرض کرنے لگے: ''یارسول اللہ! ہم یہ کام کیے دیتے ہیں، لیکن آپ ﷺ فرماتے ہیں:

''نہیں نہیں وہ شخص میرا مہمان تھا اور مجھے ہی یہ کام کرنا چاہیے۔''

پھر سرکار دو عالم ﷺ کی نظر اس شخص پر پڑی تو آپ نے فرمایا: ''بھائی، تم اپنی تلوار یہیں بھول گئے تھے۔ اسے لے جاؤ۔''

سرکار دو عالم ﷺ کے اخلاق کریمانہ کو دیکھ کر اس شخص کے دل سے کفر و شرک کے دبیز پردے دور ہو گئے اور وہ فوراً مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں پر شفقت:

آپ نہ صرف بڑوں کے لیے رحیم و کریم تھے بلکہ بچے بھی آپ کے دامانِ رحمت میں پناہ لیتے تھے۔ دوست اور دشمن کی بھی کوئی تخصیص نہ تھی۔ بچے آپ کو دیکھتے تو لپک کر آپ کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ آپ ﷺ ایک ایک کو گود میں اٹھا کر پیار کرتے اور کوئی کھانے کی چیز بھی عنایت فرماتے۔ کبھی کھجوریں، کبھی تازہ پھل اور کبھی کوئی چیز۔ کافروں سے جنگ ہوتی تو سرکار دو عالم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم فرماتے کہ دیکھو کسی بچے کو مت مارنا۔ وہ بے گناہ ہیں۔ انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ ایک بار فرمایا: ''جو کو دکھ دیتا ہے اللہ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔''

ایک مرتبہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے روز کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک بچے کو دیکھا جو دوسرے بچوں سے الگ تھلگ سخت مغموم و افسردہ بیٹھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے سے پوچھا: ''بیٹا! کیا بات ہے تم مغموم کیوں بیٹھے ہو حالانکہ تمہارے ساتھی کھیل کود رہے ہیں؟''

بچے نے غمزدہ ہو کر جواب دیا: ''میرا باپ فوت ہو گیا ہے اور والدہ نے دوسری شادی کر لی ہے۔ اب میرا سرپرست کوئی نہیں ہے۔''

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارا باپ ہو۔ عائشہ (رضی اللہ عنہا) تمہاری ماں ہو، اور فاطمہ (رضی اللہ عنہا) تمہاری بہن ہو۔''

بچہ یہ سن کر خوش ہو گیا اور رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلاموں پر شفقت:

غلام بھی آپ کی صفتِ رحمت سے محروم نہ تھے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس دنیا سے انتقال فرما رہے تھے تو آپ نے امت کو جو وصیتیں فرمائیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ''لوگو! اپنی عورتوں اور غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔''

ایک مرتبہ سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ اپنے ایک غلام کو کسی قصور کی بنا پر پیٹ رہے تھے اتفاق سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے آئے۔ آپ نے یہ منظر دیکھا تو رنجیدہ ہو کر فرمایا:

''ابو مسعود! اس غلام پر تمہیں جس قدر اختیار ہے اللہ تعالیٰ کو تم پر اس سے زیادہ اختیار ہے۔''

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر تھرا اٹھے اور عرض کی: ''یا رسول اللہ! میں اس غلام کو اللہ کی راہ میں آزاد کرتا ہوں۔''

فرمایا: ''اگر تم ایسا نہ کرتے تو دوزخ کی آگ تم کو چھو لیتی۔''①

---

① مشکوٰۃ: ۲/ ۳۰۰، رقم الحدیث: ۳۲۰۷

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانوروں پر شفقت:

جانور بھی آپ کی رحمت سے مستفید ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ دورانِ سفر میں حضور ﷺ نے کسی جگہ قیام فرمایا۔ وہاں ایک پرندے نے انڈا دیا تھا۔ ایک صحابی نے وہ انڈا اٹھالیا۔ پرندہ بے قرار ہوکر ان کے سر پر منڈلانے لگا۔ سرکارِ مدینہ ﷺ نے پوچھا: ''کس نے اس پرندے کا انڈا اٹھا کر اسے تکلیف پہنچائی ہے۔'' ①

ایک دفعہ حضور ﷺ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک اونٹ پر نظر پڑی جو بھوک کی وجہ سے لاغر ہو گیا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بے تاب ہوکر فرمایا: ''ان بے زبانوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔'' ②

ایک اور موقع پر رسول اللہ ﷺ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک اونٹ بھوک سے بلبلا رہا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت شفقت سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور اس کے مالک کو بلا کر فرمایا: ''اس جانور کے بارے میں تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟'' ③

پیغمبرانہ جذبۂ انتقام کی کیفیت:

دشمن پر فتح، آدمی کے اندر دو قسم کے جذبات پیدا کرتی ہے۔ غرور اور انتقام۔ یہ جذبات بادشاہوں کی فتح میں ہوتے ہیں، لیکن آپ ﷺ کی فتح پیغمبر اور رسول کی فتح تھی۔ آپ اس قسم کے جذبات سے بالکل خالی تھے۔ اصحاب سیر نے روایت کیا ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو تواضع سے آپ کی گردن جھکی ہوئی تھی حتیٰ کہ لوگوں نے دیکھا کہ آپ کی ریش مبارک کجاوہ کی لکڑی کو چھو رہی ہے جبکہ بادشاہوں کی گردنیں کسی شہر کی فتح کے وقت اکڑی ہوتی ہیں۔ باب کعبہ پر کھڑے ہوکر

---

① سبل الهدى والرشاد، باب في برّه و شفقته ورحمة......الخ: ۷/ ۲۸، البداية والنهاية: ۱/ ۱۴۷

② البداية والنهاية: ۱/ ۱۴۸

③ ايضًا

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ دیا۔ اس میں فرمایا:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ)) ①

یعنی ”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ اور اپنے بندے کی مدد کی اور دشمنوں کی جماعتوں کو اس نے تنہا شکست دی۔“

گویا فتح کو اپنی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ ساری فتح کو خدا کے خانہ میں ڈال دیا اور اس طریقہ سے اپنی عبدیت کا اظہار فرمایا۔

مکہ فتح ہو گیا تو یہ وقت تھا کہ ظالموں سے ایک ایک ظلم کا انتقام لیا جائے۔ اور مسلمان انتقام لے بھی سکتے تھے کیونکہ اب وہ فاتح تھے مفتوح نہیں تھے۔ غالب تھے مغلوب نہیں تھے۔ ان کو دس پندرہ برس قبل کی اپنی تمام تکالیف یاد تھیں۔ ان کی پیٹھوں اور سینوں پر ابھی بھی وہ نشان باقی تھے جو اہل مکہ کے ظلم وستم اور تشدد وزیادتی سے لگے ہوئے تھے۔ سردار مکہ ابوسفیان بہت پریشان تھا۔ سعد بن عبادہ انصاری نے ابوسفیان سے کہا: ((اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَلْحَمَه اَلْيَوْمُ نُسْخَلُ الْكَعْبَةَ)) ”آج کا دن قتل اور خونریزی کا دن ہے۔ آج کعبہ میں قتل وقتال حلال ہوگا۔ آج کے روز خدائے شدید العقاب قریش کو خائب وخاسر کرے گا۔“ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ نعرہ سن کر ابوسفیان حواس باختہ ہو گئے۔ اچانک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی نظر پڑی تو دوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کی: ”یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی ہی قوم کے قتل وغارت کا حکم دے دیا ہے؟“ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”ہرگز نہیں۔“ ابوسفیان نے کہا: ”میں آپ کو خدائے برتر کی قسم اور قریش کی قرابت کا واسطہ دیتا ہوں کہ قریش کو معاف کیجیے۔ کوئی انتقام نہ لیجیے۔“ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”ایسا ہی ہوگا۔ تم فکر مت کرو۔“ اور حکم جاری فرمایا کہ سعد رضی اللہ عنہ سے جو انصار کا جھنڈا لیے فوج کی کمان کر رہے

---

① زاد المعاد، ابن اسحاق، سيرة ابن هشام، زرقانى، البدايه والنهاية، سبل الهدى والرشاد، ذكر خطبة يوم الفتح: ٥/ ٤٤٢

Marfat.com

تھے، جھنڈا لے لیا جائے۔ کیونکہ وہ جذبات سے مغلوب ہیں اور انتقامی کارروائی کر سکتے ہیں۔ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ قبیلہ خزرج کے رئیس تھے اور قریش مکہ نے قبول اسلام کی پاداش میں انہیں بری طرح اپنے جور وستم کا تختہ مشق بنایا تھا اور فطری طور پر وہ اس جور و ستم کا انتقام لینا چاہتے تھے، لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ یہ انتقام کا دن نہیں بلکہ یوم رحمت ہے اور احتیاطاً ان سے انصار کا پرچم لے لیا۔ اور جس دستۂ فوج کی وہ کمان کر رہے تھے، اس کی کمان دوسرے انصاری کے سپرد کر دی گئی۔ اب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا:

① جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اس کو امان ہے۔

② جو اپنے گھر کا دروازہ بند رکھے گا اس کو بھی امان ہے۔

③ جو کوئی بیت اللہ میں داخل ہو گیا اس کو بھی امان ہے۔

④ جو کوئی اپنے ہتھیار جسم سے علیحدہ کر دے گا اس کو بھی امان ہے۔

ابوسفیان آج سے پہلے اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا، لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج اس کے گھر کو لوگوں کے لیے پناہ گاہ بنا دیا۔ یہ کتنا بڑا اعزاز تھا جو آج ابوسفیان کو بارگاہِ نبوت سے ملا۔ اس اعلان کے بعد بھی بعض لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ مسلمانوں کی فوج مکہ میں خون کی ندیاں بہا دے گی اور ہمیں اپنی ایذا رسانیوں اور جفا کاریوں کی عبرت ناک سزا ملے گی۔ لیکن جس ہستی کا یہ دعویٰ ہو کہ ((بُعِثْتُ رَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ)) ”میں تو رحمۃ للعالمین بن کر آیا ہوں“ وہ تو جزا دیتا ہے سزا تو اس کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ہوتی۔ اس نے پوری زندگی کبھی اپنی ذات کے لیے کسی کو سزا نہیں دی بلکہ اپنے ساتھیوں کو بھی عفوو درگزر سے کام لینے کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے ساتھ ایسا مشفقانہ برتاؤ کیا کہ بعض انصاری سرگوشیاں کرنے لگے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنی قوم کی الفت اور وطن کی محبت غالب آ گئی ہے۔ اور شاید اب ہم مدینہ والوں کو چھوڑ کر مکہ ہی میں اپنے لوگوں کے ساتھ رہنے لگ جائیں گے۔ نبوت کے کانوں تک بھی یہ بات کسی طریقے سے پہنچ گئی۔ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار کو اکٹھا فرمایا اور پھر انہیں ارشاد فرمایا: ”تم نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی قوم کی

Marfat.com

ان بطالیہ یمانہ کہ سرح قسیبہ

الفت اور وطن کی محبت غالب آ گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں نے اللہ کی خاطر تمہاری طرف ہجرت کی تھی۔ اور تم بالکل مطمئن رہو کہ میرا مرنا جینا تمہارے ساتھ ہی ہے۔'' انصار نے پشیمانی کی حالت میں سر جھکا کر عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! ہم نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ خدا اور اس کے رسول کی محبت میں کہا ہے۔''

آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہارا عذر قبول کرتا ہے۔''

اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ جب آپ مکہ میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے تو آپ کو اپنی ہجرت کا وہ نازک وقت یاد آیا۔ جب دشمنوں نے رات بھر آپ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اور اب اسی شہر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حاکمانہ اقتدار بخشا تھا۔ لیکن آپ نے اقتدار کے نشہ میں بھی کسی متنفس پر زیادتی نہیں کی۔ آپ نے مکہ پر قبضہ کرنے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایک بے گناہ شخص جنید بن اکوع جو مسلمانوں کے ہاتھوں غلطی سے مارا گیا تھا، اس کی دیت سو اونٹ اس کے وارثوں کو ادا کی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان فرمایا۔ صرف چند افراد ایسے تھے کہ ان کے جرائم کی نوعیت نہایت سنگین تھی، ان کے لیے یہ فیصلہ ہوا کہ موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں۔ چنانچہ آپ نے ان کے بارے میں اعلان فرمایا کہ ان میں سے جو شخص جہاں بھی ملے، اس کو قتل کر دیا جائے خواہ وہ خانہ کعبہ کے غلاف ہی کو پکڑ کر کیوں نہ کھڑا ہو۔ پھر ان سولہ میں سے تیرہ کی جان بخشی کر دی گئی۔ صرف تین آدمی مارے گئے۔ ان تین آدمیوں میں سے دو آدمی ایسے تھے جنہوں نے مدینہ طیبہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پناہ لی تھی اور پھر لوگوں کو قتل کر کے مکہ بھاگ آئے تھے۔ تیسرے آدمی حارث بن نفیذ نے بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو سخت اذیتیں دی تھیں۔ اتنے بڑے شہر میں جہاں قدم قدم پر وہ لوگ موجود تھے جنہوں نے نہ صرف مکی زندگی میں آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کا جینا دوبھر کیا ہوا تھا اور ہر قسم کی اذیتیں آپ کو دے چکے تھے بلکہ مختلف جنگوں میں بھی اور آپ کی مدنی زندگی میں بھی آپ کے لیے عرصہ حیات تنگ کیا ہوا تھا اور آپ کے قتل کے درپے تھے، صرف تین آدمی مجرم اور گردن زدنی قرار پائے اور باقی سب معاف کر دیئے گئے۔ ان معافی پانے والوں میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل وحشی

Marfat.com

وغیرہ شامل تھے۔ ابولہب جو آپ کا حقیقی چچا تھا، وہ خود تو جہنم رسید ہو چکا تھا، لیکن اس کے بیٹے موجود تھے۔ آپ کو ان کا خیال آیا۔ وہ خوف کے مارے روپوش ہو گئے تھے کیونکہ انہیں اپنے اور اپنے باپ اور ماں کے جرائم کی فہرست یاد تھی۔ آپ ﷺ نے انہیں تلاش کروایا اور ان سے بڑی محبت اور شفقت سے پیش آئے۔ آپ ﷺ کا یہ حسن سلوک دیکھ کر وہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

ابوسفیان کو نہ صرف معاف کیا گیا بلکہ اس کے گھر کو وہ درجہ دیا گیا جو ایک پناہ گاہ کا درجہ ہوتا ہے اور جو اس وقت بیت اللہ کو دیا گیا تھا۔ بیت اللہ میں جو داخل ہوگا اس کو بھی امان ہے اور جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا اسے بھی امان ہے۔ حالانکہ ابوسفیان نے سوائے جنگ بدر کے اسلام کے خلاف قریش مکہ کی ہر جنگ میں قیادت کی اور سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دیئے۔ یہ وہی ابوسفیان تھے جنہوں نے ایک دفعہ ایک بدوی کو بہت بڑی رقم کا لالچ دے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل پر متعین کیا۔ یہ بدوی جب مدینہ پہنچا تو مسجد نبوی میں سرکار دو عالم ﷺ کسی قبیلے کے وفد سے مصروف گفتگو تھے۔ آپ ﷺ نے بدوی کو دیکھ کر اہل مجلس سے فرمایا کہ یہ آدمی میرے قتل کے ارادہ سے یہاں آیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے پکڑ لیا۔ تلاشی لی تو اس کے کپڑوں سے ایک خطرناک خنجر برآمد ہوا۔ آپ نے بدوی سے فرمایا: ''تم سچ سچ ساری بات بتا دو تو چھوڑ دیئے جاؤ گے۔ یہ لوگ اگرچہ دشمن تھے لیکن نبوت کے مزاج سے واقف تھے کہ زبان سے نکلی ہوئی ہر بات سچی اور ہر وعدہ پکا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نے بے کم وکاست ساری حقیقت بیان کر دی۔ سرکار مدینہ ﷺ نے اسے امان دے کر فرمایا: ''جہاں چاہو چلے جاؤ'' اس حسن سلوک سے متاثر ہو کر وہ بدوی فوراً مسلمان ہو گیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کی تھی تو ان کے مکانوں پر مشرکین نے قبضہ کر لیا تھا۔ اور عام خیال یہ تھا کہ اب مسلمانوں کو ان مکانات کا قبضہ واپس دلوا دیا جائے گا، لیکن یہ مکانات بھی اہل مکہ سے واپس نہیں لیے گئے۔ یہ بھی اہل مکہ سے آپ کا حسن سلوک تھا۔ ام المومنین سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے بھائی نے سب کے سامنے اپنے مکان کا مطالبہ کیا، لیکن سرکار مدینہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تم اپنے مکان کا دعویٰ چھوڑ

Marfat.com

دو تو میں جنت میں ایک محل کا وعدہ کرتا ہوں۔ حضرۃ زینب رضی اللہ عنہا کے بھائی نے فوراً اپنے دعویٰ سے دست برداری اختیار کر لی۔ کچھ اور لوگ بھی اپنی جائیداد کی بازیابی کے خواہاں تھے لیکن جب انہیں یہ بتایا گیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان جائدادوں کے بارے میں جو ہجرت کے بعد قریش کے قبضہ اور تصرف میں چلی گئی تھیں، اب کوئی تذکرہ پسند نہیں فرماتے، تو سب نے خاموشی اختیار کر لی اور اپنی اپنی جائیدادوں کو یک قلم بھول گئے۔ ①

منافقین سے عفو درگزر:

مومن اور کافر کے مابین ایک اور گروہ مدینہ طیبہ میں پیدا ہو گیا جس کو منافقین کہا جاتا ہے۔ یہ گروہ کافروں سے بھی زیادہ بدتر تھا۔ کیونکہ کافر تو کھلے عام اسلام کی مخالفت کرتے لیکن یہ گروہ اسلام کا لبادہ پہن کر اندر ہی اندر مسلمانوں کی جڑیں کاٹنے کی کوشش کرتا۔ اسی وجہ سے یہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے زیادہ باعث نقصان تھا۔ اسی لیے قرآن حکیم نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ جہنم کے سب سے نچلے درجہ میں ہوں گے۔ رحمۃ للعالمین کا دامانِ رحمت اس گروہ کے لیے بھی کشادہ تھا۔ چنانچہ آپ نے ہر موقع پر ان لوگوں سے عفو و درگزر سے کام لیا، لیکن اس گروہ نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

اس گروہ کا سربراہ رئیس المنافقین مدینہ کا باشندہ عبداللہ بن ابی تھا جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے سے قبل وہاں کا سردار سمجھا جاتا تھا۔ مدینہ طیبہ میں جو اس وقت یثرب کہلاتا تھا، دو قبیلے آباد تھے جن میں سے ایک کا نام خزرج اور دوسرے کا نام اوس تھا۔ ان دونوں کے مابین ہمیشہ لڑائی اور چپقلش رہتی تھی۔ ان کی باہمی لڑائی سے یہودی قبائل بھرپور فائدہ اٹھاتے۔ عبداللہ بن ابی بن سلول بھی اپنی سرداری کے لیے انہیں ہمیشہ لڑائے رکھتا۔ آخر اس نے ان دونوں کے مابین کچھ ایسا چکر چلایا کہ دونوں قبیلے اسے اپنا بادشاہ اور سربراہ بنانے کے لیے رضا مند ہو گئے۔ اس کے لیے تاج بننے لگا اور تاج پوشی کے لیے تیاریاں ہونے لگیں۔ بلکہ بعض روایات میں ہے کہ مدینہ

① الصارم المسلول: ص ١٥٤، سیرت المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم: ٣/ ٣٨

کے لوگوں نے اس کے لیے پہلے ہی سے ایک تاج بنا رکھا تھا جس میں موتی اور رنگین سیپ لگے ہوئے تھے، لیکن اس کی شومئ قسمت کہ اچانک یہ دونوں قبائل رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی طرف متوجہ ہوئے اور جلد ہی آپ کی دعوتِ حق کو قبول کر لیا۔

سرکارِ مدینہ ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد عبداللہ بن ابی بن سلول کی بادشاہی اور تاج پوشی کے سارے حسین خواب بکھر گئے اور پورا مدینہ سرکارِ مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گرویدہ اور متبع ہو گیا۔ اب عبداللہ بن ابی کو کوئی پوچھتا بھی نہیں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حضور ﷺ کا سخت دشمن ہو گیا۔ لیکن مدینہ کا قریباً ہر باشندہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکا تھا لہٰذا آپ ﷺ کی عام موافقت کی فضا دیکھ کر وہ کھلے عام مخالفت کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ اس لیے ظاہر داری کے طور پر وہ اسلام تو لے آیا لیکن اندر ہی اندر آپ کے مخالفین کی ایک جماعت اس نے تیار کر لی جو تاریخِ اسلام میں منافقین کی جماعت کہلاتی ہے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ بخوبی جانتے تھے کہ عبداللہ بن ابی کو اپنی بادشاہت چھن جانے کا غم ہے اس وجہ سے آپ اس کے غم کو غلط کرنے کے لیے اور اس کی تسلی خاطر کے لیے اس کے ساتھ ہمیشہ حسنِ سلوک فرماتے تاکہ اس کے یہ عزت و بادشاہت سے محرومی کے زخم مندمل ہو سکیں۔ یہاں تک کہ ایک بار آپ نے اس کی سفارش پر ایسے واجب القتل یہودیوں کی جان بخشی فرمائی، جو بدعہدی، غداری اور دوسری چیرہ دستیوں کی پاداش میں گردن زدنی تھے، لیکن اس سب باتوں کا عبداللہ بن ابی پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اپنی ریشہ دوانیوں اور مخالفانہ کاروائیوں میں مصروف رہا۔ جنگِ احد میں شامل ہوا لیکن عین جنگ سے پہلے اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ میدانِ جنگ سے یہ کہہ کر پلٹ گیا کہ جب ہمارے مشورے پر عمل نہیں کیا جاتا تو ہم کیوں بے وجہ اپنی جان موت کے حوالے کریں۔ اس کا خیال تھا کہ جنگ میں مسلمان ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہو جائیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔

مسلمانوں سے یہودیوں کی جنگ کے دوران عبداللہ ابن ابی نے بنو نضیر کو مسلمانوں کے خلاف ڈٹے رہنے کا مشورہ دیا اور مدد کا وعدہ بھی کیا، لیکن بنو نضیر کو شکست فاش ہوئی۔ عبداللہ بن ابی ان کی کوئی مدد نہ کر سکا آپ ﷺ کو ابن ابی کی اس ساری سازش کا علم بھی ہوا لیکن آپ ﷺ نے اس سے کوئی تعرض نہ فرمایا۔

ان کے سارے احسانات کے بدلہ میں عبداللہ بن ابی آپ ﷺ کی جان اور عزت وناموس پر حملہ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ بچھو کی طرح ہر وقت ڈنگ مارتا رہتا۔ ہر وقت آپ کے خلاف فتنہ انگیزیاں کرتا رہتا۔ سرکار دو عالم ﷺ کو سب سے بڑا صدمہ اس نے یہ پہنچایا کہ آپ ﷺ کی حرم سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا پر تہمت لگائی اور پھر اس کی خوب تشہیر کی۔

عزت وناموس پر اس حملہ سے قلب مبارک کو بہت ٹھیس پہنچی۔ ایک عزت دار آدمی کے لیے یہ سب سے بڑے صدمے کی بات ہوتی ہے کہ کوئی شخص اس کی بیوی پر اس قسم کی تہمت لگائے اور پھر اس کا ہر طرف چرچا کرے۔ اس واقعہ کو اس طرح گھڑا گیا اور پھر اس کی تشہیر کی گئی کہ بعض صحابی بھی اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے اس کی اس بہتان تراشی سے متاثر ہو گئے۔ بلکہ شاعر دربار نبوت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس تہمت سے متاثر ہو کر ایک نظم بھی کہہ ڈالی۔

اس تہمت سے نہ صرف رسول اللہ ﷺ کو صدمہ پہنچا بلکہ جس صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا پر یہ تہمت لگائی گئی تھی، اس کا یہ حال تھا کہ ان کے اپنے قول کے مطابق آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا جو ان کی آنکھوں سے رواں تھا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے والدین کا خیال تھا کہ روتے روتے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت فرمائی۔ آپ ﷺ نے ان سادہ لوح مسلمانوں کو جو اس تہمت سے متاثر ہو کر اس بہتان تراشی میں ملوث ہو گئے تھے، سزا دی لیکن اس ساری شرارت کے بانی عبداللہ بن ابی کو کوئی سزا نہ دی گئی اور نہ ہی مسلمانوں کو اس سے اپنے تعلقات ختم کرنے کا حکم دیا گیا حالانکہ آپ یہ سب کچھ کر سکتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے کچھ نہیں کیا اور شاید مقصد یہ تھا کہ وہ راہ راست پر آ جائے، لیکن جن کے مقدر میں دولت ایمان نہ ہو اسے کوئی رہبر کامل بھی منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکتا۔①

مہاجرین وانصار سگے بھائیوں کی طرح پیار ومحبت سے آپس میں رہتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں گروہوں کے درمیان جو مواخات اور بھائی چارہ قائم کیا تھا۔

① تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ النور: ۱۱۔۲۰

Marfat.com

اس جیسا بھائی چارہ چشم فلک نے آج تک نہیں دیکھا اور نہ آئندہ اس کی مثال ملے گی۔
اس منافق نے غزوۂ بنی المصطلق میں مہاجرین وانصار کے مابین ایک معمولی سی بات پر جھگڑا کروا دیا۔ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ دونوں طرف سے ہتھیار بند لوگ نکل آئے۔ کچھ سمجھدار لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ معاملہ حد سے بڑھ رہا ہے تو انہوں نے درمیان میں پڑھ کر صلح کرا دی۔ معاملہ اگرچہ ختم ہو گیا تھا لیکن جذبات مشتعل تھے۔ عبداللہ ابن ابی نے اس نازک موقع سے مزید فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ کہا کہ مہاجرین کو جو قوت واقتدار حاصل ہے، وہ سب ہماری وجہ سے ہے۔ اگر مدینہ کے لوگ مہاجرین کی امداد بند کر دیں اور ان کے ساتھ دست تعاون نہ بڑھائیں تو یہ لوگ تنگ آ کر خود بخود مدینہ سے چلے جائیں گے۔ اور ساتھ ہی یہ کہا کہ اب معززین مدینہ یہاں سے واپس جا کر ان ذلیل اور درختہ ودرماندہ مہاجرین کو اپنے شہر سے نکال باہر کریں گے۔

سیدنا زید بن ارقم انصاری رضی اللہ عنہ نے اس تمام معاملہ کی اطلاع سرکار دو عالم ﷺ کو دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبداللہ بن ابی سے پوچھا کہ کیا تم نے ایسی باتیں کہی ہیں۔ اس پر وہ جھوٹی قسم کھا کر انکار کر گیا اور کہا کہ میں نے تو کچھ نہیں کہا بلکہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے غلط بیانی کی ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے بیان کی تصدیق کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی ایک صحابہ نے عرض کیا کہ اس بے ایمان کے قتل کی ہمیں اجازت مرحمت فرمائیں، لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے سختی سے منع فرمایا۔ بعض نے اسے شہر بدر کرنے کی تجویز بھی پیش کی لیکن آپ نے اس سے بھی اتفاق نہ فرمایا۔

عبداللہ بن ابی کا بیٹا سچا مسلمان تھا۔ باپ کی یہ حرکت اسے بالکل پسند نہ آئی۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اگر آپ حکم فرمائیں تو میں اپنے ہاتھوں سے اپنے باپ کو قتل کر دوں کیونکہ وہ بڑا ذلیل آدمی ہے، لیکن آپ ﷺ نے اسے اس بات سے منع فرمایا۔ عبداللہ بن ابی کا بیٹا باپ کی اس حرکت کی وجہ سے بڑے غصے میں تھا۔ چنانچہ مدینہ کے باہر اس نے باپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا کہ میں تمہیں اس وقت تک شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک تم یہ اعتراف نہیں کر لیتے کہ

Marfat.com

تم روئے زمین کے ذلیل ترین آدمی ہو اور رسول اللہ ﷺ تمام دنیا کی معزز ترین ہستی ہیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے بیٹے کے یہ جذبات دیکھے تو بیٹے سے فرمایا: ''اس کو چھوڑ دو۔ بخدا! جب تک یہ ہم میں موجود ہیں ہم ان سے اچھا برتاؤ ہی کرتے رہیں گے۔''

پھر اس بے ایمان منافق نے مسلمانوں میں تشتت وانتشار کا بیج بونے کے لیے مسجد نبوی کے مقابلہ میں ایک مسجد بنوائی تاکہ انہیں ایک پناہ گاہ بھی مل جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ان کی اس حقیقت کا پردہ چاک کر دیا۔ اور اس مسجد کو ''مسجد ضرار'' کہا جس کا مقصد انتشار بین المسلمین ہے۔ اور آپ ﷺ سے فرمایا کہ تم کبھی بھی اس مسجد میں جا کر کھڑے نہ ہونا۔ اور وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ اور پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے، اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس میں نماز پڑھو۔ چنانچہ اس مسجد کو جلا دیا گیا اور مسلمان تشتت وانتشار سے محفوظ ہو گئے۔ ①

یہی عبداللہ بن ابی جس نے ساری زندگی سرکارِ دو عالم ﷺ اور مسلمانوں کو مختلف قسم کے صدمات دیئے، جب اس کا انتقال ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے اس کے بیٹے کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنا پیراہن مبارک کفن میں عطا فرمایا۔ اور اس کی نماز جنازہ بھی خود پڑھائی۔ (بعض روایات میں ہے کہ نماز جنازہ نہیں پڑھائی تھی بلکہ پڑھانے کی تیاری فرما رہے تھے) لیکن یہ آیت نازل ہوئی:

> ''اگر منافقوں میں سے کوئی مر جائے تو اس کے جنازے پر نہ نماز پڑھیئے اور نہ دفن کے لیے اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو جایئے کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے۔ اور وہ حالت کفر ہی میں مرے ہیں۔'' ②

منافقین کا ہر وقت مسلمانوں کے درپے رہنا:

عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھی مسلمانوں کے لیے مارِ آستیں تھے۔ وہ ان کی نمازوں میں شریک ہوتے۔ باہمی مشوروں میں موجود رہتے۔ اور مسلمانوں کے

---

① التوبة: ۱۰۸

② التوبة: ۸٤

ہرازوں سے واقف و آشنا تھے۔ پھر وہ راز قریش مکہ اور یہودیوں کو بتاتے تھے۔ کبھی کبھی اہل اسلام کا مذاق بھی اڑایا کرتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عیب جوئی تو ان کا روز مرہ کا معمول تھا۔ غرض کہ ہر وہ کام کرتے جو اخلاق و مروت کے منافی ہوتا۔ ایک عادت ان کی یہ بھی تھی کہ وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے بے سروپا باتیں پھیلایا کرتے تھے۔ ان میں ایک بات یہ تھی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کانوں کے بڑے کچے واقع ہوئے ہیں۔ اور صحابہ کے فلاں فلاں گروہ کی زیادہ طرفداری اور حمایت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں جہاد کے وقت بھی گھر پر بیٹھ جاتے اور دوسروں کو بھی یہی مشورہ دیتے کہ جہاد میں نہ جائیں۔ اور لوگوں میں بددلی پھیلانے کی باتیں جان بوجھ کر کرتے تھے۔ کبھی مال غنیمت کی تقسیم میں بے انصافی کی شکایتیں کرتے کہ فلاں فلاں کو زیادہ دیا گیا ہے اور فلاں فلاں کو کم دیا گیا ہے یا بالکل ہی محروم کر دیا گیا۔ غرضیکہ ہر موقع پر یہ لوگ مسلمانوں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زک پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ منافقین کی ایک ٹولی نے جس میں پندرہ آدمی تھے، یہ منصوبہ بنایا کہ رات کے وقت عقبہ (گھاٹی) سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اچانک حملہ کر کے آپ کو جانی نقصان پہنچایا جائے۔ مگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس عقبہ (گھاٹی) پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سازش سے مطلع فرما دیا اور آپ کو ان سازشی لوگوں کے نام بھی بتا دیئے۔ آپ نے یہ نام سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بتائے۔ چنانچہ منافقین کی یہ سازش ناکام رہی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی ان لوگوں سے کوئی تعرض نہ فرمایا۔ اور وہ مسلم معاشرے میں جان و مال کی پوری حفاظت کے ساتھ رہتے رہے اور ان کو وہ تمام مراعات حاصل رہیں جو مسلمانوں کو حاصل تھیں۔

خلاصہ یہ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لیے رحمت تھے اور آپ کے دوست و دشمن، کافر و مشرک، چھوٹے اور بڑے، غلام اور آزاد، منافقین اور اسلام کے مخالف بلکہ جانور بھی آپ کے چشمہ رحمت سے سیراب ہو رہے تھے۔ آپ کی دنیوی کامیابیوں میں آپ کی اس صفت رحمت اور عفو و درگزر کو بڑا دخل ہے۔ چنانچہ ولیم میکنیل (W. Macneill) نے لکھا ہے:

''آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے یا بعد میں کسی بھی نبی کو کبھی اتنی جلد اور

اتنی عظیم کامیابیاں حاصل نہیں ہوئیں، نہ ہی کسی ایک انسان کے کارناموں سے دنیا کی تاریخ کا رخ اتنی تیز رفتاری سے اور اتنے انقلابی پیمانے پر بدلا ہے۔ اپنے الہامی کلام، اپنی مثالی ذاتی زندگی اور انتظامی ڈھانچہ کے قیام سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک ممتاز نئی طرز زندگی کی بنیاد ڈالی۔ جس نے دو صدیوں کے مختصر عرصے میں نسل انسانی کی کثیر تعداد کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔''①

مقام عبدیت کا اخلاق حسنہ سے تعلق:

آپ کے مکارم اخلاق میں آپ کے مقام عبدیت کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ دو نبیوں کا ایک نام ''عبداللہ'' بھی تھا۔ ان میں ایک سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جن کے بارے میں قرآن حکیم نے کہا:

﴿قَالَ اِنِّیْ عَبْدُاللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا﴾②

''کہا بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا''۔

اور دوسرے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نام عبداللہ تھا جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰهِ﴾③

''پھر جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ''۔

یہ عبدیت کا مقام سب سے اونچا مقام ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مقام حاصل تھا۔ اسی مقام عبدیت کے اثرات ہر وقت آپ کی زندگی میں مترشح ہوتے تھے۔ چنانچہ سیدنا فضل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار چڑھ رہا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک

① W. Macneill, The Rise of The West, P.462

② مریم: ۳۰

③ جن: ۱۹

پر پٹی باندھ رکھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: ''فضل! میرا ہاتھ پکڑ لے۔'' میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہاتھ پکڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو آواز دے کر جمع کرلو۔ میں نے لوگوں کو جمع کرلیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا:

''میرا تم لوگوں کے پاس سے چلے جانے کا زمانہ قریب آ گیا ہے اس لیے جس کی کمر پر میں نے مارا ہو، اس کے لیے میری کمر موجود ہے۔ مجھ سے بدلہ لے لے۔ اور جس کی آبرو پر میں نے حملہ کیا ہو میری آبرو سے بدلہ لے لے۔ جس کا کوئی مالی مطالبہ مجھ پر ہو وہ مال سے بدلہ لے لے۔ کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ مجھ سے بدلہ لینے سے میرے دل میں بغض پیدا ہونے کا ڈر ہے کہ بغض رکھنا یہ نہ تو میری طبیعت میں ہے اور نہ میرے لیے موزوں ہے۔ خوب سمجھ لو کہ مجھے بہت محبوب ہے وہ شخص جو اپنا حق مجھ سے وصول کر لے یا معاف کر دے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں بشاشت قلب کے ساتھ جاؤں۔ میں اپنے اس اعلان کو ایک دفعہ کہہ دینے پر اکتفا نہیں کرنا چاہتا۔ پھر بھی اس کا اعلان کروں گا۔''

چنانچہ اس کے بعد آپ منبر سے اتر آئے اور ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد پھر منبر پر تشریف لے گئے۔ اور وہی اعلان فرمایا کہ ''جس کے ذمہ کوئی حق ہو وہ بھی ادا کر دے اور دنیا کی رسوائی کا خیال نہ کرے کہ دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت کم ہے۔''

جونہی آپ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ میرے تین درہم آپ کے ذمہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں کسی مطالبہ کرنے والے کی نہ تکذیب کرتا ہوں اور نہ اس کو قسم دیتا ہوں، لیکن میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ درہم کیسے ہیں؟ اس شخص نے عرض کیا کہ ایک دن ایک سائل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ تین درہم اس کو دے دو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تین درہم اس کو دے دو۔ اس کے بعد ایک اور صاحب اٹھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ

Marfat.com

میرے ذمہ تین درہم بیت المال کے ہیں۔ میں نے خیانت سے لے لیے تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے پوچھا: ''کیوں خیانت کی تھی۔؟'' عرض کیا کہ میں اس وقت بہت محتاج تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا فضل سے فرمایا: ''ان سے یہ تین درہم وصول کرلو۔'' اس کے بعد سرورِ کائنات ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جس کسی کو اپنی کسی حالت کا اندیشہ ہو تو وہ بھی دعا کرا لے (کیونکہ اب روانگی کا وقت ہے) ایک صاحب اٹھے اور عرض کی: ''یا رسول اللہ! میں جھوٹا ہوں، میں منافق ہوں، بہت سونے کا مریض ہوں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے دعا فرمائی: ''یا اللہ! اس کو سچائی عطا فرما، ایمان کامل عطا فرما اور زیادتی نیند کے مرض سے صحت بخش دے۔'' اس کے بعد ایک اور شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میں جھوٹا ہوں، میں منافق ہوں، کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جو نہ کیا ہو۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو تنبیہ فرمائی کہ اپنے گناہوں کی تشہیر کرتے ہو۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عمر! چپ رہو۔ دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے ہلکی ہے۔'' اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''بارالٰہی! اس کو سچائی اور کامل ایمان نصیب فرما اور اس کے احوال کو بہتر بنا دے۔'' ایک اور شخص اٹھا۔ اس نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میں بزدل ہوں۔ سونے کا مریض ہوں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس کے لیے بھی دعا فرمائی۔ سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے ہم دیکھتے تھے کہ ان کے برابر کوئی بھی بہادر نہ تھا۔

پھر سرکار دو عالم ﷺ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اور اسی طرح عورتوں کے مجمع میں بھی اعلان فرمایا۔ اور جو جو ارشادات مردوں کے مجمع میں فرمائے تھے یہاں بھی ان کا اعادہ فرمایا۔ ایک صحابیہ نے بارگاہِ رسالت پناہ میں عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنی زبان سے عاجز ہوں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کے لیے بھی دعا فرمائی۔

پھر سرکار دو عالم ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جس کسی کو اپنی کسی حالت کا اندیشہ ہو وہ بھی دعا کرا لے۔ چنانچہ لوگوں نے اپنے متعلق مختلف دعائیں کرائیں۔ ①

اسی مقامِ عبدیت کا تقاضا تھا کہ آپ ﷺ ہر لمحہ یادِ الٰہی اور ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ ہر

---

① مجمع الزوائد

Marfat.com

لمحہ اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔ اور ہمیشہ یادِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے اور کوئی چیز ذکرِ الٰہی سے آپ کو باز نہ رکھتی تھی۔ اور آپ کی ہر بات یادِ حق، حمد و ثنا، توحید و تمجید، تسبیح و تقدیس اور تکبیر و تہلیل میں ہوتی تھی۔ اور اسماء و صفات میں یہ سب ذکرِ حق تھا۔ اور خاموشی کے وقت بھی اللہ کی یاد قلبِ اطہر میں رہتی تھی۔ اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر سانس آپ کے قلب اور زبان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اٹھنا بیٹھنا، کھڑا ہونا، لیٹنا، کھانا پینا، سونگھنا، آنا جانا، سفر و حضر غرضیکہ کسی حالت میں بھی ذکرِ الٰہی جدا نہ تھا۔ جو بھی صورت یاد کرنے کی ہوتی، خواہ دل میں یا زبان سے، ہر فعل میں اور ہر شان میں ذکرِ الٰہی ہوتا۔ دن اور رات کے اعمال و اشغال، تہجد سے لے کر سونے کے وقت تک مختلف اوقات و لحات، حالات، اوضاع اور اطوار میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعائیں اور اذکار وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ یہی ادعیہ ماثورہ تمام مقاصد و مطالب اور حاجات کو شامل ہیں اور ہر خاص مقصد و مطلب کے لیے بھی جدا گانہ دعا بیان فرمانے سے نہیں چھوڑی ہے۔①

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع:

اخلاق کا ایک اہم رکن تواضع ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ سید الاولین و الآخرین تھے لیکن اس کے ساتھ آپ میں تواضع بھی بے شمار تھی۔ چنانچہ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصا پر ٹیک لگائے ہوئے ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم آپ کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کھڑے ہوتے دیکھ کر ارشاد فرمایا: ”جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اس طرح تم نہ کھڑے ہوا کرو۔“ اور آپ نے یہ بھی فرمایا: ”میں خدا کا بندہ ہوں۔ اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح بندے کھاتے ہیں اور اسی طرح بیٹھتا ہوں جس طرح بندے بیٹھتے ہیں۔“

آپ کا یہ فرمانا آپ کی تواضع کے تحت تھا، وگرنہ آپ کا جو رتبہ ہے وہ قرآن و حدیث سے واضح ہے۔

---

① مدارج النبوۃ، مشکوٰۃ: ۱/۵۵، رقم: ۴۱۹

Marfat.com

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بازار آیا۔ بازار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پاجامہ خریدا جس کی قیمت چار درہم تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وزن کرنے والے سے فرمایا: ''قیمت میں مال کو خوب کھینچ کر تولو (یعنی وزن میں کم یا برابر نہ لو بلکہ زیادہ لو) وزن کرنے والے نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا: ''حضور! میں نے کبھی بھی کسی شخص کو قیمت کی ادائیگی میں ایسا کہتے نہیں سنا۔'' اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تجھ پر افسوس ہے کہ تو اپنے پیغمبر کو نہیں پہچانتا۔ یہ سننا تھا کہ وہ شخص ترازو چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور سرکارِ مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ کر فرمایا: ''یہ عجمیوں کا دستور ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں اور سربراہوں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں۔ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ میں تو تم ہی میں سے ایک شخص ہوں۔ (یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہِ تواضع فرمایا) اس کے بعد آپ نے سرا بیل کو اٹھا لیا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آگے بڑھ کر ارادہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے سرا بیل لے لوں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''سامان کے مالک ہی کا حق ہے کہ وہ اپنے سامان کو اٹھائے، مگر وہ شخص جو کمزور ہے اور اٹھا نہ سکے تو اپنے اس بھائی کی مدد کرنا چاہیے۔'' ①

اسی طرح سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب ہمیں اور کوئی شخص نہ تھا، اس کے باوجود پھر بھی وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اس لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بات کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک سفر میں چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک بکری ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس کا کام تقسیم فرما لیا۔ ایک صحابی نے اپنے ذمہ ذبح کرنا لیا۔ دوسرے نے کھال اتارنا، کسی نے پکانا اور کسی نے اور کچھ ڈیوٹی اپنے ذمہ لی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس کا گوشت پکانے کے لیے لکڑی اکٹھا کرنا میرے ذمہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

① شمائل ترمذی از مولانا زکریا: ص ۲۶۳

Marfat.com

نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کیا کہ حضور! یہ کام ہم خود کر لیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ تم لوگ اس کام کو کر لو گے لیکن مجھے یہ بات ہرگز پسند نہیں کہ میں مجلس میں ممتاز ہوں اور حق تعالیٰ شانہ بھی اس بات کو ناپسند فرماتے ہیں۔ ①

اس سے زیادہ اتنی بڑی شخصیت کی اور کیا تواضع ہو سکتی ہے کہ جو شخص گدائے راہ کو شکوہ قیصری عطا کرتا ہے وہ خود اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہ سارے کام کرتا ہے جو اس کے ساتھی کرتے ہیں۔ یہی تواضع تھی کہ آپ ﷺ نے جب ۸ھ میں مکہ مکرمہ کو فتح کیا اور آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر جب شہر میں داخل ہوئے، اس وقت آپ کی گردن جھکی ہوئی تھی اور آپ کی ٹھوڑی اونٹ کے پالان کی لکڑی کو بار بار لگتی تھی۔ ②

ایک دفعہ نجاشی شاہِ حبشہ کے کچھ ایلچی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ سرکار دو عالم ﷺ ان کی خاطر مدارات کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! ان لوگوں کی خدمت کی سعادت ہمیں عنایت فرمائیں۔'' آپ نے فرمایا: ''انہوں نے میرے ساتھیوں کی بڑی عزت و تکریم کی ہے، اس لیے میں پسند کرتا ہوں کہ ان کا بدلہ ادا کر دوں۔''

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑے خوش اخلاق تھے۔ ایک روز آپ ﷺ نے مجھے کسی ضرورت کے لیے بھیجا۔ میں گھر سے نکلا۔ راستہ میں کچھ بچے بازار میں کھیل رہے تھے۔ میں ان کا کھیل دیکھنے کے لیے وہاں کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ وہاں سے گزرے۔ آپ ﷺ نے مجھے وہاں کھڑا دیکھا تو آپ نے میرے سر کے بال پیچھے سے پکڑے۔ جب میں نے مڑ کر آپ کی طرف دیکھا تو آپ مسکرا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''اے انس! تم وہاں گئے تھے جہاں میں نے تمہیں بھیجا تھا؟'' میں نے کہا: ''ہاں'' جاؤں گا یا رسول اللہ! اور یہ کہہ کر میں وہاں سے اس کام کے لیے بھاگ گیا۔''

① شمائل ترمذی، باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ و فائدہ: ص ۱۹۴، مترجم مولانا زکریا صاحب۔

② سبل الھدیٰ والرشاد، باب فی تواضعہ ﷺ: ۷/۳۶

Marfat.com

یہی سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے آٹھ برس کی عمر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شروع کی اور میں نے آپ کی دس برس تک خدمت کرتا رہا۔ اس عرصہ میں آپ نے کسی بات پر جو میرے ہاتھ سے ہوئی، مجھے ملامت نہیں کی۔ اگر آپ کے گھر والوں میں سے کسی نے بھی ملامت کی تو آپ نے اس سے فرمایا: ''اس کو چھوڑ دو اگر تقدیر میں کوئی بات ہوتی ہے تو وہ ہو کر رہتی ہے۔''①

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک نے پرانے پالان پر حج کیا۔ اس پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا جس کی قیمت چار درہم بھی نہ ہوگی۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگ رہے تھے

''یا اللہ! اس حج کو ایسا حج بنائیو جس میں ریا اور شہرت نہ ہو۔''②

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رقت قلبی:

رقت قلبی اخلاق حسنہ کا سرچشمہ ہوتا ہے کیونکہ مکارم اخلاق کے سوتے قلب کی سرزمین سے پھوٹتے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں رقت قلبی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کسی کو دکھی نہیں دیکھ سکتے تھے اور ہر مغموم کے غم میں شریک ہوتے تھے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی قریب الوفات تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی گود میں اٹھالیا اور اپنے سامنے رکھ لیا۔ وہ آپ کی گود میں آپ کی نظروں کے سامنے تھیں کہ ان کی وفات ہوگئی۔ سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا جو آپ کی ایک کنیز تھیں، چلا کے رونے لگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نبی کے سامنے بھی رونا شروع کر دیا۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو بھی ٹپک رہے تھے، اس لیے انہوں نے عرض کیا کہ ''حضور! آپ بھی تو رو رہے ہیں۔'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''یہ رونا ممنوع نہیں۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے (کہ بندوں کے دلوں کو نرم فرما دیں اور ان میں شفقت و رحمت کا مادہ رکھ دیں)۔ پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن ہر حال میں خیر ہی میں رہتا ہے حتیٰ کہ خود اس کی

---

① پیکر خلق عظیم ص ٦١٢

② شمائل ترمذی، از مولانا زکریا صاحب: ص ١٩٦، باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

روح کو نکالا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔"①

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو آپ نے ان کی وفات کے بعد ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس وقت آپ کے آنسو ٹپک رہے تھے۔②

آپ صلی اللہ علیہ وسلم عام انسانوں کی طرح ایک انسان تھے۔ خوشی کی بات سے آپ کو خوشی ہوتی اور رنج و غم کی بات سے آپ غمگین ہوتے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت آپ کو خدا کی حدود کے دائرہ سے باہر نہیں جانے دیتی تھی۔ آپ کی آخری عمر میں سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے آپ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ یہ لڑکا نہایت خوبصورت اور تندرست تھا۔ اس کا نام آپ نے اپنے بزرگ ترین جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے نام پر ابراہیم رکھا۔ ابو رافع رضی اللہ عنہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابراہیم رضی اللہ عنہ کی پیدائش کی خوشخبری سنائی تو آپ اتنا خوش ہوئے کہ ابو رافع کو ایک غلام انعام میں دے دیا۔③ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم رضی اللہ عنہ کو گود میں لے کر کھلاتے اور پیار کرتے۔ عربوں کے قاعدہ کے مطابق ابراہیم رضی اللہ عنہ کو ایک دایہ ام بردہ بنت المنذر بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا گیا، تاکہ وہ اس کو دودھ پلائیں۔ یہ دایہ ایک لوہار کی بیوی تھیں۔ ان کے چھوٹے سے گھر میں اکثر بھٹی کا دھواں گھسا رہتا۔ آپ اس بچے کو دیکھنے کے لیے اس لوہار کے گھر جاتے اور وہاں دھواں آپ کی ناک اور آنکھوں میں گھستا رہتا۔ آپ انتہائی نازک مزاج ہونے کے باوجود اس کو برداشت کرتے۔④ ابراہیم ابھی ڈیڑھ سال کے ہوئے تھے کہ ہجرت کے دسویں سال یعنی جنوری ۶۳۲ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ بچے کو آپ نے اس وقت اپنے ہاتھوں پر اٹھایا ہوا تھا جب بچے نے دم توڑا۔

---

① شمائل ترمذی از مولانا زکریا صاحب ص ۲۰۴ باب ماجاء بکاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۹۱ از مولانا زکریا صاحب، ص ۱۹۶

② شمائل ترمذی ص ۲۰۵، باب ماجاء بکاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۹۱

③ طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۳۵، ذکر ابراهیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً

④ طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۳۶۔۱۳۷

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات اور حسرتیں ویسی ہی تھیں جیسی ایک عام باپ کی ہوتی ہیں، مگراس کے باوجود خدا کا دامن آپ کے ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتا۔ آپ غم زدہ ہیں مگر زبان سے نکل رہا ہے۔

''خدا کی قسم، اے ابراہیم! ہم تمہاری موت سے غمگین ہیں۔ آنکھ رو رہی ہے اور دل دکھی ہے مگر ہم ایسی کوئی بات نہ کہیں گے جو رب کو ناپسند ہو۔''①

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر مسلموں کے ساتھ بھی سلوک نہایت مشفقانہ اور ہمدردانہ تھا۔ اکثر لوگ اپنوں سے حسن سلوک میں بڑی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں، لیکن جب اغیار کی بات آتی ہے تو ان کے حسن سلوک کا دامن سکڑ جاتا ہے خصوصاً اپنے اعداء اور دشمنوں سے تو ان کا معاملہ ہی کچھ اور ہوتا ہے، لیکن پیغمبر اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اغیار بلکہ اعداء سے بھی ایسا حسن سلوک کیا اور اپنے مکارم اخلاق اور رواداری کا وہ مظاہرہ کیا کہ اس کی نظیر جریدۂ عالم میں نہ صرف مشکل بلکہ محال اور ناممکن ہے۔ چنانچہ تاریخ کے صفحات پر یہ بات ثبت ہے کہ ۶ھ میں عیینہ بن حصن نامی ایک کافر نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اسے مدینہ منورہ کی چراگاہ میں اونٹ چرانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ چراگاہیں عربوں کا بہت بڑا سرمایہ ہوتی ہیں۔ اپنی چراگاہ میں کوئی بھی دوسرے کو اونٹ نہیں چرانے دیتا پھر جبکہ وہ کافر ہو لیکن رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے بخوشی اسے اجازت مرحمت فرما دی۔ وہ برابر ایک سال تک اپنے اونٹ بلا معاوضہ چراتا رہا۔ پیغمبر اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اسے ایک سال تک اونٹ چرانے کی اجازت دے دی لیکن اس نے معاوضہ اور بدلہ جو آپ کو دیا وہ یہ تھا کہ بنو غطفان کے سواروں کی ایک زبردست جمعیت کے ساتھ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں پر چھاپہ مارا اور ابن ابی ذر نامی ایک چرواہے کو شہید کر کے تمام اونٹ ہانک کے

① رواه البیهقی دلائل النبوة: ٥/ ٤٣٠، باب ماجاء فی شان ابراهیم بن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفاته وذلك قبل حجة الوداع.

Marfat.com

لے گیا۔ یہ اونٹ جن کو وہ ہانک کر لے گیا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اونٹ نہ تھے بلکہ بیت المال کے اونٹ تھے۔ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ طلوع فجر سے پیشتر شہر سے باہر نکلے تو سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے غلام نے انہیں بتایا کہ پیغمبر اسلام کے اونٹ لٹ گئے ہیں اور چرواہا ابن ابی ذر قتل کر دیا گیا ہے۔ سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''یہ اونٹ کس نے لوٹے ہیں؟'' جواب دیا: ''عیینہ بن حصن اور بنو غطفان کے دوسرے سواروں نے۔'' یہ سن کر سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے الفزع الفزع (خطرہ خطرہ) پکارنا شروع کیا۔ پھر نہایت زور سے آواز دی: ''اے اللہ کے گروہ! سوار ہو جاؤ۔'' آواز اتنی زور کی تھی کہ مدینہ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گونج گئی۔ اور وہ خود وہیں سے تن تنہا ان لٹیروں کے تعاقب میں چل پڑے۔

عیینہ بن حصن اور اس کے ساتھی پانی کی تلاش میں تھے کہ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ پہنچ گئے۔ سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ بڑے اچھے تیر انداز تھے لہٰذا تاک تاک کر تیر برسانا شروع کر دیئے۔ تیر اندازی کرتے وقت یہ رجز وِردِ زبان تھا

أَنَـــا ابْـنُ الأَكْـوَعِ   اَلْيَـوْمُ يَـوْمُ الـرُّضَّـعِ

یعنی میں اکوع کا بیٹا ہوں   آج کا دن سخت جنگ کا دن ہے

سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر سب سے پہلے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر سرراہ جا کھڑے ہوئے تاکہ اور مسلمان بھی تیار ہو کر آ جائیں۔ سب سے پہلے مقداد بن عمر رضی اللہ عنہ پہنچے۔ پھر دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم آئے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پانچ یا سات سو مجاہدین کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے اور نہایت تیزی سے مسافت طے کر کے وہاں پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روانہ ہونے سے قبل سیدنا مقداد بن اسود، عباد بن بشر، سعد بن زید، عکاشہ بن محصن اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کو روانہ فرما چکے تھے۔ اس دستہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن زید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔①

ان حضرات نے پہلے پہنچ کر ان کا مقابلہ کیا۔ مشرکین کے دو افراد مارے گئے

① عیون الأثر: ۲/ ۱۲۶

Marfat.com

اور مسلمانوں میں سے ایک سیدنا محرز بن فضلہؓ شہید ہوئے۔ ①

جب آپ مجاہدین کے ساتھ پہنچے تو سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں عرض کی: ''میں ان کو فلاں جگہ پیاسا چھوڑ کر آیا ہوں۔ اگر مجھے سو آدمی مل جائیں تو سب کو پابجولاں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابن اکوع! جب تو ان پر قابو پائے تو نرمی کرنا۔''

ایسے موقع پر بھی پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابی کو نرمی کرنے کی تاکید فرما رہے ہیں۔

((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ))

عبادات کا مقصد اخلاق حسنہ:

اگر غور کیا جائے تو تمام عبادات کا مقصد بھی اخلاق حسنہ ہے۔ اگر بظاہر دین کی عمارت ایمان کے بعد چار ستون نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج بتائے گئے اور اس میں اخلاق کے نام کا کوئی ستون نہیں۔ یہ دراصل ایک غلط فہمی ہے، کیونکہ ہر عبادت کا مقصد انسان میں تقویٰ پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ ②

''بے شک نماز فحشاء اور منکر (یعنی بے حیائی اور بری باتوں) سے روکتی ہے۔''

اور فحشاء اور منکر سے رک جانا اس کا نام تقویٰ ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ انسانی ہمدردی کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں جہاں بھی نماز کا ذکر ہے اس کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر ہے کیونکہ نماز کے بعد اسلام میں جو فریضہ سب سے اہم ہے وہ زکوٰۃ ہے۔ نماز حقوق اللہ میں سے ہے جب کہ زکوٰۃ حقوق العباد میں سے ہے۔ اس سے پتا چلا کہ زکوٰۃ کی اسلام میں وہی اہمیت ہے جو نماز کی ہے۔ نماز کا مقصد اگر تقویٰ اور بے حیائی اور

---

① الاصابہ: ۳/۳۶۸، الطبقات: ۲/۶۵، غزوہ ذی قرد، رقم الحدیث: ۷۷۴۶

② عنکبوت: ۴۵

Marfat.com

بری باتوں سے انسان کو روکنا ہے تو زکوٰۃ کا بھی مقصد تقویٰ اور ایثار کا جذبہ انسان میں پیدا کرنا ہے۔ حدیث جبرئیل میں بھی جبرئیل علیہ السلام کے سوال پر کہ اسلام کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر فرمایا۔①

قرآن حکیم میں ایک مقام پر فرمایا:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾②

''اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے صدقہ لیجیے جو ان کو پاک وصاف کر دے اور ان کے لیے سلامتی اور رحمت طلب کیجیے کیونکہ آپ کی صلوٰۃ ان کے لیے تسکین کا باعث ہے۔''

حدیث میں آتا ہے کہ ((حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ)) ''دونیا کی محبت ہر گناہ کی اصل ہے۔'' ایک مال دار آدمی کے دل میں مال کی محبت بس جاتی ہے اور مال کو اسی لیے مال کہتے ہیں کہ دل اس کی طرف قدرتی طور پر مائل ہوتا ہے اور اس کی محبت قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں جم جاتی ہے۔ اس محبت کو نکالنے کے لیے زکوٰۃ کو فرض کیا گیا تاکہ ایثار اور قربانی کا جذبہ پیدا ہو۔ مال کی محبت دل سے نکلے اور دل میں ''حب دنیا'' کے بجائے صرف ''کسب دنیا'' کا جذبہ رہ جائے۔ اسی تقویٰ کے جذبہ کو انسان کے دل میں پیدا کرنے کے لیے اسلام نے زکوٰۃ کو فرض کیا۔ چنانچہ سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے دربار میں جو تقریر کی تھی، اس میں یہ بھی ذکر کیا تھا:

''وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو یہ سکھاتے ہیں کہ ہم نماز پڑھیں، روزے رکھیں اور زکوٰۃ دیں۔''③

---

① بخاری، کتاب الایمان، باب سؤال جبرائیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان...... الخ، کتاب الایمان: ۱/ ۳۷ مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بالقتال حتی یقولو الا اله الا الله: ۱/ ۳۷

② التوبة: ۱۰۳

③ مسند احمد بن حنبل: ۱/ ۲۰۲، حدیث جعفر بن ابی طالبؓ وھو حدیث الھجرة

Marfat.com

شاید یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے پر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بڑی سخت وعید سنائی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

''جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیں۔ جس روز آتش جہنم میں وہ تپائے جائیں گے اور اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور ان سے کہا جائے گا) یہ وہ (مال) ہے جو تم نے اپنے نفس کے لیے جمع کر رکھا تھا، سواب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔'' ①

اصل بات یہ ہے کہ انسان کسی چیز کا مالک نہیں ہے۔ حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس نے انسان کو ان چیزوں پر اختیار صرف محدود مقاصد کے لیے، محدود وقت اور محدود طریقہ پر بخشا ہے، اسی وجہ سے قرآن حکیم نے تمام انسانی معاملات کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا ہے اور انسان کو صرف ایک چیز کا ذمہ دار بنایا ہے اور وہ چیز ہے منصب خلافت یعنی انسان اللہ جل شانہ کا خلیفہ ہے، اور جہاں اس نے اس کو اپنی توانائیاں اور مال خرچ کرنے کے لیے کہا ہے، وہاں اس کو خرچ کرے اور اپنے کو ان تمام اشیاء کا مالک نہیں بلکہ کسٹوڈین یعنی متولی سمجھے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ ②

''اور جو کچھ ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

انسان چونکہ بالطبع مال کی محبت میں غرق ہوتا ہے۔ ''وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ'' یعنی بخیلی اس کی فطرت ہے۔ اپنے گاڑھے خون پسینہ کی کمائی کا ایک پیسہ بھی کسی کو دینا گوارا نہیں کرتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انفاق مال کا عنوان دل نشین رکھا تا کہ یہ قربانی آسان ہو جائے۔ فرمایا کہ یہ ہمارا ہی دیا ہوا مال تو ہے جس میں سے خرچ کرنے کو تمہیں کہا جا رہا ہے۔ ماں کے پیٹ سے تم نہیں لائے تھے۔ وہاں سے تو ننگ دھڑنگ خالی ہاتھ آئے تھے۔ پھر

---

① التوبة: ٣٤۔٣٥

② البقرة: ٣

Marfat.com

یہ زعم کیسا؟ ہم اگر سارا مال لے لیتے تو یہ ہمارا ہی تھا، تمہارا تو نہیں تھا

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں:

''اس مختصر جملہ میں لفظ ''مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ'' پر غور کیجیے تو ایک طرف یہ لفظ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا داعیہ شریف انسان کے دل میں پیدا کر دیتا ہے کہ جو کچھ مال ہمارے پاس ہے وہ سب خدا ہی کا عطا کیا ہوا ہے اور اسی کی امانت ہے۔ اگر ہم اس تمام مال کو بھی اللہ کی راہ میں اس کی رضا کے لیے خرچ کر دیں تو حق اور بجا ہے۔ اس میں ہمارا کوئی احسان نہیں۔ اس پر مزید اضافہ لفظ ''مما'' نے کر دیا، جس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے دیئے ہوئے مال کو بھی پورا خرچ کرنا نہیں بلکہ اس کا کچھ حصہ خرچ کرنا ہے۔'' ①

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مقصد بھی انسان کے دل میں ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کرنا اور بخل اور شح سے روکنا ہے۔ اور اسی کا نام تقویٰ ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زکوٰۃ سے مقصود بھی انسان میں تقویٰ پیدا کرنا ہے،

اور روزہ کے بارے میں تو صاف طور پر قرآن حکیم میں ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ''تاکہ تم متقی بن جاؤ۔'' اور یہی مقصد حج کا ہے۔ غرض کہ ان مختلف عبادات کو ہماری اخلاقی اصلاح اور ترقی کا ذریعہ بنانا ہے، لہٰذا اسلام کی تمام عبادات کا واحد مقصد انسان کے اخلاق کی اصلاح ہے۔ اگر عبادات سے روحانی اور اخلاقی ثمرات ظاہر نہ ہوں تو سمجھ لینا چاہیے کہ ہماری عبادت صرف لفظی تعمیل ہے اور یہ روح اور جوہر سے یک قلم خالی اور معرا ہے۔ یہ وہ درخت ہے جس میں پھل نہیں اور وہ پھول ہے جس میں خوشبو نہیں اور وہ قلب ہے جس میں کوئی روح نہیں۔ اسی وجہ سے بعض احادیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ میں ہر ایک کی نماز قبول نہیں کرتا۔ میں اس کی نماز قبول کرتا ہوں جو میری بڑائی کے

① معارف القرآن: ۱/ ۱۷۳

Marfat.com

سامنے سرنگوں ہے اور میرے بندوں پر اپنی بڑائی نہیں جتاتا، اور جو بھوکے محتاج کو میرے لیے کھانا کھلاتا ہے"۔ ایک اور حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس کی نماز اس کو برائی اور بدی سے نہ روکے تو ایسی نماز اس کو اللہ سے اور دور کر دیتی ہے۔" ①

اس حدیث کی دوسری روایت میں ہے کہ "جس کو اس کی نماز برائی اور بدی سے باز نہ رکھے اس کی نماز ہی نہیں۔" اور کچھ اسی قسم کے الفاظ روزہ کے بارے میں بھی ابوداؤد اور ترمذی کی روایت میں آئے ہیں کہ "روزے رکھ کر بھی جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔" ②

معلوم ہوا کہ تمام عبادات کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ انسان کے اخلاق کا تزکیہ ہو۔ اس میں فضائل پیدا ہوں اور رذائل سے وہ یک قلم محفوظ رہے۔ اس کو شریعت کی اصطلاح میں تقویٰ کہتے ہیں اور تزکیۂ قلب بھی۔ اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کی اصطلاح میں انسان کی اس قلبی کیفیت کو جو ہر قسم کی نیکیوں کی محرک ہے، تقویٰ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر اہل تقویٰ کے اوصاف یوں بیان فرمائے گئے:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ ③

"نیکی یہی نہیں ہے کہ تم نماز میں اپنا منہ مشرق اور مغرب کی طرف

---

① احیاء العلوم، باب فضیلة الخشوع: ١/١٧٣

② رواه البخاری، کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور..........الخ: ١/٢٥٥

③ البقرة: ١٧٧

Marfat.com

کرو بلکہ اصل نیکی تو اس کی ہے جو اللہ پر، قیامت پر، فرشتوں پر اور انبیاء پر ایمان لایا، اور مال کی خواہش اور طلب کے باوجود (یا اللہ تعالیٰ کی محبت کے سبب سے) اپنا مال رشتہ داروں کو، یتیموں کو، غریبوں کو، مسافروں کو، مانگنے والوں کو اور غلاموں کو آزاد کرنے میں دیا، اور نماز ادا کرتا رہا، اور زکوٰۃ دیتا رہا۔ اور جو وعدہ کر کے اپنے وعدہ کو پورا کرتے ہیں، اور جو مصیبت، تکلیف اور لڑائی میں ثابت قدم رہتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو راست باز ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو متقی ہیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ راست بازی اور تقویٰ کا نتیجہ جس طرح ایمان ہے اسی طرح اس کا نتیجہ اخلاق کے وہ بہترین اوصاف ہیں جنہیں فیاضی، ایفائے عہد، صبر و ثبات بھی ہیں۔

شیخ الہند حضرۃ مولانا محمود الحسن قدس سرہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''نیکی اور بھلائی جو اثر ہدایت اور سبب مغفرت ہو، یہ ہے کہ اللہ اور روز قیامت اور جملہ ملائکہ اور کتب آسمانی اور انبیاء پر دل سے ایمان لائے اور ان پر یقین کرے اور باوجود محبت و رغبت کے اپنے مال کو علاوہ زکوٰۃ کے قریبیوں اور یتیموں اور غریبوں اور مسافروں اور سائلوں کو جو کہ محتاج ہوں دے، اور گردنیں چھڑانے میں یعنی مسلمان جس کو کفار نے ظلماً قید کرلیا ہو اس کی رہائی میں یا مقروض کو قرض خواہ سے چھڑانے میں یا غلام کو آزاد کرانے میں یا غلام مکاتب کو خلاصی دلانے میں مال دیوے، اور نماز کو خوب درستی کے ساتھ پڑھے، اور چاندی اور سونے اور جملہ اموال تجارت میں سے زکوٰۃ دے اور اپنے عہد و اقرار کو پورا کرے، اور فقر و فاقہ اور بیماری اور تکلیف اور خوف کی حالت میں صبر و استقلال سے رہے............ جو لوگ اعتقادات و اخلاق و اعمال مذکورہ کے ساتھ

Marfat.com

متصف ہیں وہی لوگ سچے ہیں اعتقادات اور ایمان اور دین میں یا اپنے قول و قرار میں، اور وہی لوگ پرہیز گار اور متقی ہیں اپنے اخلاق اور اپنے اعمال میں یا بچنے والے ہیں گناہ اور بری باتوں سے یا عذاب الٰہی سے۔"①

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں اللہ تعالیٰ کے متقی اور پرہیز گار بندے وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم کی مختلف آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے جن اوصاف کو بیان کیا ہے ان کا زیادہ تر تعلق اخلاقیات سے ہے۔ کہیں فرمایا کہ "جنت ان پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے، جو خوشی اور تکلیف دونوں حالتوں میں خدا کی راہ میں کچھ خرچ کرتے ہیں اور جو غصہ کو دباتے ہیں، اور جو لوگوں کو معاف کرتے ہیں، اور اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"②

کسی جگہ فرمایا کہ "کھانے کی خود ضرورت ہوتے ہوئے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں۔"③

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام میں اخلاق کا کیا مقام ہے؟ اسلام میں اخلاق کی اس اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دعا فرمایا کرتے تھے:

((وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ، لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَاتِهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَاتِهَا إِلَّا أَنْتَ))④

"اے اللہ! تو مجھ کو سب سے بہتر اخلاق کی راہ نمائی فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی بھی بہترین اخلاق کی راہ نہیں دکھا سکتا، اور اے اللہ! برے اخلاق کو مجھ سے پھیر دے اور ان کو صرف تو ہی پھیر سکتا ہے۔"

اسلام نے اخلاق حسنہ کو ایک اور نظریہ سے بھی پیش کیا ہے کہ اخلاق حسنہ

---

① تفسیر عثمانی: ص ٣٤

② آل عمران: ١٣٤

③ دھر: ٨

④ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل: ٢/١٨٥

Marfat.com

دراصل صفات الٰہی کا سایہ اور ظل ہیں، اور یہ اخلاق حسنہ اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا ادنیٰ ترین مظاہر ہیں۔ چنانچہ طبرانی میں حدیث ہے کہ

((حُسْنُ الْخُلُقِ خُلُقُ اللّٰهِ الْاَعْظَمُ))

"یعنی خوش اخلاقی اللہ تعالیٰ کا خلق عظیم ہے۔"

معلوم ہوا کہ اچھے اخلاق وہی ہیں جو حق تعالیٰ شانہ کی صفات کا پرتو اور عکس ہیں اور وہ اخلاق نہایت برے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے منافی ہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات ایسی بھی ہیں جو صرف اور صرف اس کے ساتھ مخصوص ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا واحد ہونا، خالق ہونا، اس کا متکبر ہونا، یہ وہ صفات ہیں جن میں سے ایک بھی بندہ کے شایان شان نہیں بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے شایان شان ہیں۔ البتہ ان کی مقابل صفات بندہ میں پائی جانی چاہئیں کیونکہ بندہ کی شان کے یہی لائق ہیں۔ جیسے اللہ کی کبریائی اور بڑائی کے مقابلہ میں ایک بندہ میں تواضع اور خاکساری، اللہ تعالیٰ کی بلندی کے مقابلہ میں بندہ کی پستی اور فروتنی ہی اس کی شان اور مرتبہ کے لائق ہیں۔

معلمین اخلاق میں آپ کی امتیازی شان:

یوں تو اخلاق کے بے شمار معلم پیدا ہوئے۔ ان میں چھوٹے بھی تھے اور بڑے بھی، فلسفی بھی تھے اور دانشور بھی، انہوں نے اخلاق پر ضخیم ضخیم کتابیں بھی لکھیں اور اپنے مواعظ سے بھی قوموں کو ادب کا سبق دیا۔ قوموں نے ان کے سامنے زانوئے ادب بھی تہہ کیا۔ ان معلمین اخلاق میں انبیاء بھی تھے اور غیر نبی بھی، لیکن سرکار دو عالم ﷺ کی ان تمام معلمین اخلاق میں ایک امتیازی شان تھی۔ آپ سے قبل جتنے بھی معلمین اخلاق اس دنیا میں آئے، وہ دو قسم کے تھے۔ بعض وہ تھے جنہوں نے وحی الٰہی کی روشنی میں لوگوں کو اخلاق کی تعلیم دی۔ اور دوسری قسم وہ تھی جنہوں نے اخلاق کی تعلیم کی بنیاد اپنے فلسفہ وحکمت اور عقل و دانائی پر رکھی۔ پہلی قسم کو انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں اور دوسری قسم کو حکماء کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن ان دونوں جماعتوں کی تعلیم میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔ انبیاء علیہم السلام نے اپنی تعلیمات کو اللہ تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں اور اللہ تعالیٰ

Marfat.com

کے احکام کے تحت دنیا میں پھیلایا۔ قوموں کو زبانی بھی اور عملی طور پر بھی اس کا درس دیا۔ جو کچھ زبان سے کہا اس پر عمل کر کے بھی دکھایا تا کہ عمل میں کوئی غلطی نہ ہو۔ ان کی تعلیمات نہایت سادہ، دقیق نکتوں سے مبرا اور علت و معلول کے فلسفوں سے یک قلم خالی تھیں۔ ان میں کوئی ایسا نکتہ نہ تھا جس کی گرہ کشائی کرنی پڑے، کوئی عقلی حکمت نہ تھی جس کو ایک جاہل اور ان پڑھ آدمی سمجھ نہ سکے، لیکن ان کی اخلاقی تعلیم کی سادگی پر دنیا کے تمام فلسفے قربان تھے۔ وہ انبیاء اگرچہ خود امی تھے، وہ دنیا میں سب کے معلم تھے لیکن ان کا کوئی انسان معلم نہ تھا بلکہ ان کی تمام تعلیم اللہ کی وحی کی روشنی میں پایۂ تکمیل کو پہنچی تھی، لیکن علم الاخلاق انہوں نے دنیا کے سامنے پیش کیا، وقت کی تمام حکمتیں اور زمانہ کے تمام فلسفے اس کے سامنے ہیچ تھے

وہ امی کر دیئے حل جس کی ابجد ناشناسی نے
وہ نکتے جن کو سمجھے تھے نہ اشراقی نہ مشائی

جو کچھ انہوں نے دنیا کے سامنے پیش کیا اس پر خود بھی عمل کیا۔ ان کی کتاب زندگی میں عمل کا باب نہایت نمایاں تھا۔ اس کے برعکس حکماء کے علم الاخلاق میں علت و معلول کی بحث، نفسیاتی خواص کی تحقیق، قوائے عملی کی تحدید اور اخلاق کی غرض و غایت کی تعیین اور اہمیت، یہ سب کچھ تھا، لیکن بحث و نظر سے آگے عمل کا باب ان کی کتاب زندگی میں یا تو تھا نہیں، اور اگر تھا تو وہ نامکمل تھا، اور وہ بھی بے کیف اور بے لذت۔ ان حکماء کی اخلاقی سخن طرازی اور نکتہ پروری سے اگرچہ ایک دنیا محو حیرت تھی، لیکن اسی دنیا نے دیکھا کہ ان کی باتیں تو بڑی سخن گسترانہ ہیں، فلسفہ و حکمت کی آمیزش ہے۔ ان کی باتوں میں علت و معلول کا سلسلہ بھی ہے اور اخلاقی نکتہ سنجیاں بھی، لیکن ان کی عملی زندگی ایک معمولی بازاری آدمی سے ایک انچ بھی بلند نہیں۔ اگر ان کے پاس چراغ راہ ہے جس سے وہ دوسروں کو روشنی دکھا رہے ہیں لیکن خود ظلمت و تاریکی میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں اور اس تاریکی سے انہیں باہر نکلنے کا راستہ ہی نظر نہیں آ رہا بلکہ وہ عمل کی ہر راہ میں بھٹکتے پھرتے ہیں، وہ راست بازی کی حقیقت پر ایک بہترین تقریر کر سکتے ہیں، ایک ضخیم کتاب لکھ سکتے ہیں لیکن ان کی زبان سے خود سچائی اور راست بازی کا ایک لفظ نہیں نکلتا۔ وہ رحم

و محبت پر ایک بہترین خطبہ دے سکتے ہیں، ایک مقالہ لکھ سکتے ہیں لیکن غریبوں، ناتوانوں، نادانوں اور ضعیفوں پر رحم کھانا اور اپنے دشمنوں اور جان کے قاتلوں سے محبت کرنا ان کی کتاب زندگی ان سے یکسر خالی ہے۔ انہیں کسی پر رحم و محبت کا طریقہ ہی نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تقریر، ان کا خطبہ اور ان کا مقالہ اور ان کی ضخیم کتاب کسی دل کے دروازہ پر دستک نہیں دیتی اور کسی دل کی لوح پر کوئی نقش نہیں بناتی بلکہ ہوا کے تموج میں مل کر بے نشان ہو جاتی ہے اور حروف میں تحلیل ہو کر ختم ہو جاتی ہے، لیکن انبیاء علیہم السلام جس بات کی تعلیم دیتے ہیں وہی ان کا عمل ہوتا ہے۔ ان کے علم و عمل کی خوشبو لوگوں کو معطر کرتی ہے۔ یہ فرق تھا یونان کے حکماء اور فلاسفہ سقراط، بقراط، ارسطو اور افلاطون اور اللہ کے رسولوں سیدنا موسیٰ، سیدنا عیسیٰ اور محمد رسول اللہ ﷺ میں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں آپ کو ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جس نے افلاطون کے مکالمات اور ارسطو کی اخلاقیات پر لکھی ہوئی کتابوں کو پڑھ کر اپنے اندر اخلاق کی شمع روشن کی ہو۔ لیکن دنیا نے دیکھا اور اب بھی دیکھ رہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے قوموں کی قومیں اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہوئیں۔ اور آج زمین کے جس خطہ میں بھی آپ کو حسن اخلاق کی کوئی کرن نظر آتی ہے وہ انہیں انبیاء علیہم السلام کے مطلع انوار ہی سے چھن کر آ رہی ہے اور وہ مشکوٰۃ نبوت ہی کی روشنی ہے جس سے آج بھی دنیا منور و مستنیر ہے۔ لہٰذا حکماء کا انبیاء علیہم السلام سے کوئی مقابلہ اور موازنہ نہیں۔ ان دونوں جماعتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اور ان کی تعلیمات کے ماخذ میں بھی زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔

باقی رہے انبیاء علیہم السلام، تو وہ بھی اس وصف میں یکساں نہیں ہیں۔ ارشاد خداوندی ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ ① کے مطابق ان کے مدارج بھی مختلف ہیں۔ پھر ان کی اخلاقی تعلیمات روایتوں کے اوراق میں محفوظ نہیں۔ ان پر نازل شدہ کتابیں مدت ہوئی محرف ہو چکی ہیں، لہٰذا بعد میں آنے والے لوگ ان کے قدموں کے نشانات سے یکسر محروم ہونے کی وجہ سے منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتے۔ اگر ان

① البقرة: ۵۳

Marfat.com

کے قدموں کے نشان باقی ہوتے تو ان کی ان اخلاقی تعلیمات کے بارے میں کچھ بحث ہو سکتی تھی، لیکن تاریخ کے رپورٹرز بتاتے ہیں اور وقت کی کروٹیں اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ ان کی زندگی کا قریباً ہر پہلو پردہ خفا میں ہے، نہ ان کی زبانی اور علمی تعلیمات دنیا میں موجود ہیں اور نہ ہی ان کی عملی مثالوں سے کوئی شخص آشنا ہے۔ پھر ان کی تعلیمات ان کے اپنے زمانہ کے لیے تو کامل اور مکمل تھیں لیکن اس زمانہ کے لیے ان کو مکمل نہیں کہا جا سکتا۔ ان کے زمانہ میں یہ سائنس منظر شہود پر جلوہ گر نہیں ہوئی تھی۔ انسان فضاؤں میں نہیں اڑتا تھا۔ سمندروں کے سینوں کو اس طرح نہیں چیر سکتا تھا جیسا کہ اس زمانہ میں ہو رہا ہے۔ نئی نئی ایجادات نے وہ مسائل پیدا نہیں کیے تھے جو اس زمانہ میں پیدا ہو گئے ہیں۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور اخلاقیات کو ان میں ایک امتیازی اور خصوصی شان حاصل ہے۔

تورات کے پیغمبروں کے اول تو تمام حالات ہی پردۂ خفا میں ہیں۔ اور جن پیغمبروں کا کچھ تھوڑا بہت ذکر جو تورات میں آیا ہے، ان میں اخلاقی کمالات تو کسی کے نہیں بتائے گئے البتہ غیر اخلاقی قصوں کے ذکر بے شمار ہیں، اور ان معصوم بزرگوں کے دامن عصمت کو ان بے ہودہ قصوں سے جس طرح داغدار کیا گیا ہے قلم کو اس کی تابِ نگارش نہیں۔ سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا موسیٰ علیہ السلام تک ہر پیغمبر کی زندگی کے کتنے حالات ہیں جو تورات نے بیان کیے ہیں اور ان حالات سے دنیا ان پیغمبروں کی اخلاقیات سے کس قدر مستفید ہو سکتی ہے؟ یہی حال عہد نامہ جدید یعنی انجیل کا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ۳۳ سالہ زندگی میں سے صرف تین برس کے حالات کچھ ہم کو معلوم ہیں۔ اس صورت میں دنیا ان کی زندگی کے اخلاقی پہلو پر کتنا عمل کر سکتی ہے؟

یہی حال ان دوسرے بانیان مذاہب کا ہے جن کا تعلق ہندوستان، ایران اور چین وغیرہ سے ہے۔ اول تو ان کی اخلاقی زندگی کا ہر پہلو پردۂ خفا میں ہے۔ خود ان کے ماننے والے ان سے نا آشنا ہیں۔ مثال کے طور پر مہاتما بدھ کی زندگی کو لے لیں۔ ان کے بارے میں اس قدر تو علم ہے کہ وہ ریاست کپل وستو کے مقام پر جو نیپال کے جنوب

Marfat.com

میں واقع ہے پانچویں صدی قبل مسیح میں پیدا ہوئے؟①

اور بعض دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ گوتم بدھ کی پیدائش سنہ ۵۶۸ قبل مسیح میں ہوئی۔ ان کی عمر کے بارے میں کہا یہ جاتا ہے کہ وہ ۸۰ سال تک زندہ رہے۔ اگر ان کا سن ولادت درست تسلیم کیا جائے تو ان کی وفات سنہ ۴۸۸ قبل مسیح میں ہوگی، اور متعدد قرائن سے یہی دونوں سن قریب قریب صحیح معلوم ہوتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ گوتم بدھ ایک شاہی خاندان میں پیدا ہوئے۔ عنفوان شباب میں ایک خوبصورت لڑکی سے شادی بھی کی۔ خود شاہزادے تھے اس لیے شادی بھی کسی شہزادی ہی سے کی ہوگی۔ کہتے ہیں کہ ایک روز تین واقعات اس کو ایسے پیش آئے جنہوں نے اس کی زندگی کے دھارے کو یکسر بدل دیا۔ ان میں پہلا واقعہ یہ تھا کہ اس نے ایک بوڑھے اور ضعیف آدمی کو دیکھا اس کی کمر ضعف سے بالکل جھک گئی تھی اور وہ نہایت مشکل کے ساتھ چل پھر سکتا تھا۔ دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ اس نے ایک طاعون کا مریض دیکھا جو مرض کی شدت سے اینٹھا جاتا تھا۔ تیسرا واقعہ یہ تھا کہ اس نے ایک مردے کو دیکھا جس کی شکل بالکل بدل گئی تھی۔ اس لیے اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ انسانی زندگی کے مصائب و آلام کے اسباب معلوم کریں جو دنیوی زندگی کا جزو لاینفک (نہ جدا ہونے والے اجزاء) ہیں۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر رادھا کرشن کا بیان ہے کہ اسے تین کے بجائے چار واقعات پیش آئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

> ”چار مرتبہ وہ اپنے محل سے باہر نکلا تو عام کہانی کے مطابق ایک بوڑھے کو دیکھا تو محسوس کیا کہ وہ خود بھی ضعف اور مجبوری کا شکار ہوسکتا ہے۔ ایک بیمار کو دیکھا تو محسوس ہوا کہ وہ خود بھی بیمار ہوسکتا ہے۔ ایک مردے کو دیکھا تو محسوس کیا کہ ایک دن اس کا بھی یہی حشر ہوگا، لیکن اس کے برخلاف ایک تارک الدنیا فقیر کو دیکھا جس کے چہرے سے اطمینان اور مسرت کی شعائیں پھوٹ رہی تھیں،

① تمدن عرب، مصنفہ لی بان ترجمہ سید علی بلگرامی

کیونکہ اس نے متلاشی حق کا روایتی مسلک اختیار کیا تھا۔ گوتم بدھ نے بنا برآں طے کر لیا کہ وہ بڑھاپے بیماری اور موت سے اس سادھو کے نقش قدم پر چل کر رہائی حاصل کر لے گا۔ سادھو گوتم بدھ سے کہتا ہے: میں ایک راہب ہوں جس نے پیدائش اور پھر موت کے ڈر سے آزادی حاصل کرنے کے لیے عائلی زندگی کو تیاگ دیا ہے۔ اس مقدس آدمی کے دیدار نے جو باوجود زندگی کی ہر قسم کی لذت سے محروم رہنے کی جسمانی حیثیت سے مضبوط اور قلبی اعتبار سے مسرور اور شاداں تھا، گوتم بدھ کو بے حد متاثر کیا اور اس کے دل میں یہ اذعان پیدا ہوا کہ انسان کے شایانِ شان منزل مقصود مذہب (حق گوئی اور صداقت پر مبنی اصولوں) کی تلاش ہے۔''①

کہا جاتا ہے کہ گوتم بدھ کو گیان ایک درخت کے نیچے حاصل ہوا تھا جہاں وہ مراقبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان چند باتوں کے علاوہ گوتم بدھ کی زندگی کا کوئی اہم پہلو آج دنیا کے سامنے نہیں ہے کیونکہ وہ اپنی بیوی کو محل میں چھوڑ کر جنگل میں چلا گیا اور پھر ساری زندگی بیوی کا منہ نہیں دیکھا۔ اب کسی بدھ مت کے پیروکار سے آپ پوچھیں کہ معاشرتی زندگی کے بارے میں گوتم بدھ کی کیا تعلیم ہے تو اس کے جواب سے وہ قاصر ہو جائے گا۔ کیونکہ مہاتما بدھ نے اپنی معاشرتی زندگی گزاری ہی نہیں۔

یہی حال دوسرے مذہبی راہ نماؤں کا ہے کہ ان کی زندگی کے بہت سے پہلو پردۂ خفا میں ہیں اور ان کی اخلاقی زندگی میں وہ جامعیت نہیں پائی جاتی جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پائی جاتی ہے۔ سارے انبیاء کرام علیہم السلام اور مذہب کے بانیوں کی زندگیوں کا اگر کوئی بغور مطالعہ کرے تو وہ دیکھے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ان سب کے مقابلہ میں جامع کمالات ہے، اور دنیا کا کوئی پیغمبر یا بانی مذہب ایسا نہیں جس کی اخلاقی اور معاشرتی زندگی ہر پہلو سے اتنی بے نقاب ہو جتنی بے نقاب زندگی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ چنانچہ آپ کی زندگی کی بے نقابی کے بارے میں باسورتھ اسمتھ

---

① مقدمہ کتاب 2500 Years Buddhism مرتبہ پروفیسر پی وی باپٹ۔

نے اپنی کتاب ''سیرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ص ۱۰۸'' میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ''یہاں (سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم) پورے دن کی روشنی ہے جس میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کا ہر پہلو روزِ روشن کی طرح نمایاں اور ظاہر و باہر ہے۔①

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے خطبات مدراس میں ایک خطبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شان جامعیت پر ہی دیا ہے اور سچی بات ہے کہ انہوں نے اس طریقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کو بیان کیا ہے کہ شاید اور کوئی مقرر اس طرح بیان نہیں کر سکا، لہٰذا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کے بارے میں کچھ بیان کرنے کے لیے یہاں اس خطبہ سے چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں۔ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''عزم و استقلال، شجاعت، صبر، شکر، توکل، رضا بتقدیر، مصیبتوں کی برداشت، قربانی، قناعت، استغنا، ایثار، جود، تواضع، خاکساری، مسکنت، غرض، نشیب و فراز، بلند و پست، تمام اخلاقی پہلوؤں کے لیے جو مختلف انسانوں کو مختلف حالتوں میں یا ہر انسان کو مختلف صورتوں میں پیش آئے ہیں، ہم کو عملی ہدایت اور مثال کی ضرورت ہے، مگر وہ کہاں مل سکتی ہے؟ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ہم کو سرگرم شجاعانہ قوتوں کا خزانہ مل سکتا ہے مگر نرم اخلاق کا نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاں نرم اخلاق کی بہتات ہے۔ مگر سرگرم اور خون میں حرکت پیدا کرنے والی قوتوں کا وجود نہیں۔ انسان کو اس دنیا میں ان دونوں قوتوں کی معتدل حالت میں ضرورت ہے اور ان دونوں قوتوں کی جامع اور معتدل مثالیں صرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح میں مل سکتی ہیں۔''

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ

''ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے

① سیرۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم: ص ۱۰۸

مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔ اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو۔ اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ احد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفہ کی درس گاہ کے معلم قدس کو دیکھو، اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ، اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو، اگر تنہائی اور بے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے۔①

اسی خطبہ میں سید سلیمان ندوی قدس سرہ نے لکھا ہے کہ

''آج سے تیس چالیس برس پہلے پٹنہ کے مشہور واعظ اسلام ماسٹر حسن علی مرحوم ''نور اسلام'' نام سے ایک پرچہ نکالتے تھے۔ اس میں انہوں نے اپنے ایک ہندو تعلیم یافتہ دوست کی رائے لکھی ہے کہ اس نے ایک دن ماسٹر صاحب سے کہا کہ میں آپ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کا سب سے بڑا کامل انسان تسلیم کرتا ہوں۔ انہوں نے پوچھا: ''ہمارے پیغمبر کے مقابلہ میں تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کیا سمجھتے ہو؟'' اس نے جواب دیا کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کہ دانائے روزگار کے سامنے ایک بھولا بھالا بچہ بیٹھا ہوا میٹھی میٹھی باتیں کر رہا ہو۔'' انہوں

① خطبات مدراس، خطبہ نمبر ۵، سیرت محمدی کی جامعیت، ص ۷۷۔۷۸

Marfat.com

نے دریافت کیا کہ "تم کیوں پیغمبر اسلام ﷺ کو دنیا کا کامل ترین انسان جانتے ہو؟" اس نے جواب دیا کہ "مجھ کو ان کی زندگی میں بیک وقت اس قدر متضاد اور متنوع اوصاف نظر آتے ہیں جو کسی ایک انسان میں تاریخ نے کبھی یک جا کر کے نہیں دکھائے۔ بادشاہ ایسا کہ ایک پورا ملک اس کی مٹھی میں ہو اور بے بس ایسا کہ خود اپنے آپ کو بھی اپنے قبضہ میں نہ جانتا ہو، بلکہ خدا کے قبضہ میں ہو، دولت مند ایسا ہو کہ خزانے کے خزانے اونٹوں پر لدے ہوئے اس کے دارالحکومت میں آ رہے ہوں، اور محتاج ایسا کہ مہینوں اس کے گھر میں چولھا نہ جلتا ہو اور کئی کئی وقت اس پر فاقے گزر جاتے ہوں۔ سپہ سالار ایسا ہو کہ مٹھی بھر نہتے آدمیوں کو لے کر ہزاروں غرق آہن فوجوں سے کامیابی سے لڑا ہو اور صلح پسند ایسا کہ ہزاروں پر جوش جانثاروں کی ہم رکابی کے باوجود صلح کے کاغذ پر بے چون و چرا دستخط کر دیتا ہو، شجاع اور بہادر ایسا ہو کہ ہزاروں کے مقابلہ میں تن تنہا کھڑا ہو، اور نرم دل ایسا کہ کبھی اس نے انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا ہو، باتعلق ایسا کہ عرب کے ذرہ ذرہ کی اس کو فکر ہو، بیوی بچوں کی اس کو فکر، غریب اور مفلس مسلمانوں کی اس کو فکر، خدا کی بھولی ہوئی دنیا کے سدھار کی اس کو فکر، غرض سارے سنسار کی اس کو فکر ہو، اور بے تعلق ایسا کہ اپنے خدا کے سوا کسی اور کی یاد اس کو نہ ہو اور اس کے سوا ہر چیز اس کو فراموش ہو، اس نے کبھی اپنی ذات کے لیے اپنے برا کہنے والوں سے بدلہ نہیں لیا، اور اپنے ذاتی دشمنوں کے حق میں دعائے خیر کی اور ان کا بھلا چاہا، لیکن خدا کے دشمنوں کو اس نے کبھی معاف نہیں کیا، اور حق کا راستہ روکنے والوں کو ہمیشہ جہنم کی دھمکی دیتا اور عذاب الٰہی سے ڈراتا۔ عین اس وقت جب اس پر ایک تیغ زن

Marfat.com

سپاہی کا دھوکہ ہوتا ہو وہ ایک شب زندہ دار زاہد کی صورت میں جلوہ نما ہو جاتا ہے۔ عین اس وقت جب اس پر کشور کشا فاتح کا شبہ ہو وہ پیغمبرانہ معصومیت کے ساتھ ہمارے سامنے آ جاتا ہے۔ عین اس وقت جب ہم اس کو شاہ عرب کہہ کر پکارنا چاہتے ہیں، وہ کھجور کی چھال کا تکیہ لگائے کھردری چٹائی پر بیٹھا درویش نظر آتا ہے۔ عین اس دن جب عرب کے اطراف سے آ کر اس کے صحن مسجد میں مال و اسباب کا انبار لگا ہوتا ہے، اس کے گھر میں فاقہ کی تیاری ہو رہی ہے۔ عین اس عہد میں جب لڑائیوں کے قیدی مسلمانوں کے گھروں میں لونڈی اور غلام بن کر بھیجے جا رہے ہیں، فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جا کر اپنے ہاتھوں کے چھالے اور سینہ کے داغ باپ کو دکھاتی ہے جو چکی پیستے پیستے اور مشکیزہ بھرتے بھرتے ہاتھ اور سینہ پر پڑ گئے تھے۔ عین اس وقت جب آدھا عرب اس کے زیر نگین ہوتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر دربار ہوتے ہیں، اِدھر اور اُدھر نظر اٹھا کر کاشانۂ نبوت کے سامان کا جائزہ لیتے ہیں، ایک کھردری چارپائی یا چٹائی پر آرام فرما رہے ہیں، جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں، ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں، ایک کھونٹی میں خشک مشکیزہ لٹک رہا ہے، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی یہ کل کائنات دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رو پڑتے ہیں۔ سبب دریافت ہوتا ہے، عرض کرتے ہیں: "یا رسول اللہ! اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہوگا؟ قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں، اور آپ پیغمبر ہو کر اس حالت میں ہیں۔" ارشاد ہوتا ہے: "عمر! کیا تو اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا کے مزے لوٹیں اور ہم آخرت کی سعادت کے؟" ①

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان اقتباسات سے روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ

① خطبات مدراس، خطبہ نمبر ۵، سیرت محمدی کی جامعیت، ص ۷۹-۸۰

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی زندگی نہایت جامعیت کی حامل زندگی تھی اور آپ ﷺ کی زندگی میں اس قدر متضاد اور متنوع اوصاف موجود تھے جو کسی اور پیغمبر اور بانی مذہب کی زندگی میں نہ تھے۔ اور ہو بھی کیسے سکتے تھے جب کہ وہ ایک محدود علاقہ اور محدود وقت کے لیے آئے تھے اور آپ ﷺ پوری دنیا کے لیے اور قیامت تک کے لیے آئے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی:

پھر اکثر بانیان مذاہب کی زندگی صرف قول اور علم تک محدود تھی کیونکہ اخلاق کی خوبیاں بیان کرنا اور اس کی اچھائی پر لیکچر دینا اور اس کی عمدگی پر مواعظ و نصائح کرنا نہایت آسان ہے، لیکن کیا دنیا کو خود ان بزرگوں کے عملی اخلاق کا بھی کوئی علم ہے۔ کوہ زیتون کے واعظ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی معصومانہ باتیں، دل کش تمثیلیں، سچائی اور راست بازی کی نصیحتیں عہد نامہ جدید میں موجود ہیں، دنیا نے اس کو پڑھا اور دوسروں سے سنا بھی اور ان کی فصاحت اور شیرینی کا مزہ اب تک ان کے کام و دہن میں ہے لیکن کیا اس واعظ کی عملی مثالیں بھی دنیا نے دیکھیں؟ کیا اس سلبی پہلو کے سوا ان کے اخلاق کا کوئی ایجابی پہلو بھی دنیا کے سامنے ہے؟ وہ جس نے یہ کہا تھا کہ ''سب کچھ جو تمہارے پاس ہے جب تک تم اس کو خدا کی راہ میں نہ لوٹا دو، آسمان کی بادشاہت میں داخل نہ ہو گے۔'' کیا اس نے اپنا بھی سب کچھ خدا کی راہ میں لٹا دیا تھا؟ جس نے یہ کہا تھا کہ ''دشمنوں کو بھی پیار کرو'' کیا اس نے بھی کبھی دشمن کو پیار کیا تھا؟ اگر کیا تھا تو کس دشمن کو کیا تھا؟ وہ جس نے کہا تھا کہ ''تو اپنے پڑوسی کو اپنے ساری جان اور مال سے پیار کر' کیا خود بھی اس کا ایسا ہی عمل تھا؟ اور وہ جس نے کہا تھا کہ ''اگر تمہارے داہنے گال پر کوئی تھپڑ مارے تو بایاں گال بھی اس کے سامنے کر دو۔'' کیا اس نے خود بھی کبھی ایسا کیا تھا؟ اور وہ جس نے کہا کہ ''تم سے اگر کوئی تمہارا کرتہ مانگے تو قبا بھی اس کے حوالہ کر دو۔'' کیا ایسی فیاضی کبھی اس سے خود بھی ظہور میں آئی؟ ہم یہ نہیں کہتے کہ سیدنا مسیح علیہ السلام میں یہ صفات موجود نہ تھیں، یقیناً تھیں کیونکہ وہ اللہ کے فرستادہ تھے اور اللہ کا پیغمبر جو کچھ کہتا ہے اس پر خود بھی عمل کرتا ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ انجیل نے ان کے اس عمل اور حیثیت کو محفوظ نہیں رکھا۔ ①

① سیرۃ النبی ﷺ: ۲/۳۲

Marfat.com

لیکن ان کے مقابلہ میں پیغمبر اسلام کی اخلاقی تعلیم کی شان یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے جو کچھ فرمایا اپنے عمل سے اس کو کر کے دکھایا۔ اس کا جو قول تھا وہی اس کا عمل تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدہ عائشہ صدیقہ ام المومنین سلام اللہ علیہا سے پوچھا گیا کہ سرکار دو عالم ﷺ کے اخلاق کیا تھے؟ فرمایا: "کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْآنَ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ خُلُقَ رَسُوْلِ اللّٰہِ کَانَ الْقُرْآنَ"① جو کچھ قرآن میں الفاظ کی صورت میں ہے وہی رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں عمل کی صورت میں تھا۔ ایثار و قربانی، عفو و درگزر، عدل و احسان، ہمدردی و خیر خواہی، دیانت و امانت، صدق و حیاء، حلم و بردباری، رفق و لطف، تواضع و انکساری، جود و سخا، ایفائے عہد اور سادگی و قناعت کون سی اخلاقی خوبی اور صفت تھی جو آپ ﷺ کی ذات میں نہ پائی جاتی تھی اور جس کا مظاہرہ آپ ﷺ نے اپنے عمل سے نہ کیا ہو؟

پھر یہ اخلاقی خوبیاں اور صفات اعلان نبوت کے بعد آپ میں پیدا نہیں ہوئیں تھیں بلکہ قبل از نبوت بھی آپ ان اوصاف حمیدہ سے مزین تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ پر جب سب سے پہلی وحی نازل ہوئی تو بدن میں کپکپی اور رعشہ کی کیفیت سی پیدا ہو گئی جیسے سردی سے آدمی کانپتا ہے آپ فوراً وہاں سے اٹھے اور اسی گھبراہٹ اور کپکپاہٹ کی کیفیت میں سیدھے اپنے دولت کدہ پر تشریف لائے اور اپنی رفیقۂ حیات سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا نے آپ کی جو یہ کیفیت دیکھی تو پریشان سی ہو گئیں۔ نبوت کے لبوں سے ایک آواز سیدہ کے کانوں میں پڑی "زَمِّلُوْنِیْ، زَمِّلُوْنِیْ" مجھے کچھ اڑھاؤ، مجھے کچھ اڑھاؤ۔" سیدہ رضی اللہ عنہا نے اسی وقت ایک چادر اوڑھا دی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت گھبراہٹ کی وجہ اس لیے نہ پوچھی کہ وہ پندرہ سال سے محمد ﷺ کو دیکھ رہی تھیں کہ اس سے قبل انہیں ایسی گھبراہٹ کبھی نہ ہوئی تھی۔ اس لیے ان کو یقین تھا کہ آپ کو کوئی غیر معمولی واقعہ درپیش ہوا ہے جس سے یہ غیر معمولی گھبراہٹ پیدا ہوئی ہے۔ جب آپ ﷺ کی طبیعت میں کچھ سکون پیدا ہوا تو سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا نے بلائیں لیں اور پوچھا کیا

---

① ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب صلاۃ اللیل: ۲/ ۷۸، مسلم کتاب المساجد، باب جامع صلاۃ اللیل: ۲/ ۱۶۹

Marfat.com

بات ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حرا کا پورا واقعہ بیان فرمایا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

((كَلَّا وَاللّٰهِ! لَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، تَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ)) ①

''بخدا! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناکام اور نامراد کر دے (اور اس کی وجہ یہ ہے کہ) آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، تھکے ہارے اور درماندہ انسانوں کو ان کی منزل تک پہنچاتے ہیں اور ایسی خدمات جلیلہ سرانجام دیتے ہیں جن کی نظیر نہیں ملتی، ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں، بے ٹھکانہ مسافروں کو اپنا مہمان بناتے ہیں اور حق بجانب امور میں معین و مددگار رہتے ہیں۔''

یہ وہ اخلاقی خوبیاں تھیں جو قبل از نبوت بھی آپ میں پائی جاتی تھیں جو سیدہ رضی اللہ عنہا نے ایک ایک کر کے گنوائیں۔ معلوم ہوا کہ حسن اخلاق آپ کی سرشت اور فطرت میں رکھا گیا تھا، ویسے بھی خلق یا اخلاق ان ہی عادات اور اعمال کو کہتے ہیں جو پختہ ہوں اور جن کا صدور انسان سے بلا تکلف ہو۔ وہ اعمال جو کسی انسان سے اتفاقاً صادر ہوں یا کسی وقتی جذبہ کے تحت سرزد ہوں، وہ کتنے ہی اعلیٰ اور عمدہ کیوں نہ ہوں، ان کو خلق یا اخلاق نہیں کہتے۔ اہل لغت نے بھی خلق اور اخلاق کا یہی مطلب لکھا ہے۔ ②

"اَلْخُلُقُ وَالْخُلْقُ: السجية وَهُوَالدِّيْنُ وَالطَّبْعُ والسجية وَحَقِيْقَتُهُ أَنَّهُ لِصُوْرَةِ الْإِنْسَانِ الْبَاطِنَةِ وَهِيَ نَفْسُهُ وَأَوْصَافُهَا وَمَعَانِيْهَا

---

① بخاری مع فتح الباری، کتاب بدء الوحی، باب حدیث عائشه اول مابدء به من الوحی ۱/ ۲۲۔
بخاری کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... الخ، رقم الحدیث: ۳

② لسان العرب لابن منظور فصل الخاء: ۱۰/ ۸۶،

Marfat.com

الْمُخْتَصَّهِ بِمَنْزِلَةِ الْخَلْقِ لصورة انّهَا الظَّاهِرَةِ وَأَوْصَافُهَا وَمَعَانِيهَا"

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس بارے میں لکھا ہے کہ خلق اور اخلاق کے بارے میں دو نقطہ ہائے نظر ہیں۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ جس طرح انسان کا ظاہر نقشہ ہے یعنی صورت جسے خلق کہتے ہیں، اسی طرح اس کا ایک باطنی نقشہ یعنی باطنی صورت ہے جسے خُلق کہتے ہیں۔ جس طرح انسان کی ظاہری شکل وصورت میں تبدیلی ممکن نہیں اسی طرح انسان کی باطنی صورت یعنی اخلاق میں بھی تبدیلی ممکن نہیں چنانچہ اس نظریہ کے حامل حضرات ایک حدیث بھی نقل کرتے ہیں کہ "جب تم سنو کہ ایک پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو اس کی تصدیق کرلو لیکن اگر یہ سنو کہ

((اِنَّ الرَّجُلَ زَالَ عَنْ خُلُقِهِ فَلَا تُصَدِّقُوْهُ))

"ایک شخص اپنے اخلاق سے ہٹ گیا ہے تو اس کو سچا نہ مانو۔"

لیکن اس بارے میں دوسرا نظریہ یہ ہے کہ انسان کے جذبات وخواہشات پر قابو پا کر اس کی باطنی قوتوں کی مناسب تنظیم سے اس کے اندر تبدیلی ممکن ہے اور اسی تبدیلی کا نام "حسن خلق" یا "حسن اخلاق" ہے۔ اگر انسان کے ان اندرونی جذبات اور خواہشات میں تبدیلی ممکن نہ ہوتی تو تعلیم وتربیت، وعظ ونصیحت اور تزکیہ اور انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام رحمۃ اللہ علیہم اور علماء کرام کی سب کوششیں ایک عمل بیکار سمجھا جاتا۔ اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی یہ نہ فرماتے: ((حَسِّنُوْا أَخْلَاقَكُمْ)) اپنے اخلاق میں حسن پیدا کرو۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس دوسرے نظریہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ ①

اور ہمارے نزدیک یہ دوسرا نقطۂ نظر صحیح ہے کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان کے اندر تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں، لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی وقتی وحادثاتی اور کبھی تدریجی اور ارتقائی، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنے اندر اثر پذیری کی صلاحیت کو بعض عوامل کی وجہ سے یک قلم ضائع کر بیٹھتا ہے پھر اس پر کسی وعظ ونصیحت کا اثر نہیں ہوتا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا:

---

① احیاء علوم الدین، باب قبول الاخلاق للتغیر: ۳/ ۵۲

Marfat.com

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ ①

''بلاشبہ جو لوگ کافر ہو چکے ہیں برابر ہے ان کے لیے آپ ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

اس لیے کہ انہوں نے کفر اور ضد سے اپنے اندر کی اثر پذیری کی صلاحیت کو ضائع کر دیا ہے جس کی وجہ سے انہیں تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا البتہ جو ان کو وعظ اور نصیحت کرے گا اس کو فائدہ ضرور ہوگا کیونکہ دین کی دعوت دینا ایک نہایت فائدہ مند چیز ہے۔ اسی وجہ سے سرکار دو عالم ﷺ اپنا فریضہ تبلیغ برابر ادا کرتے رہے اگرچہ آپ کو یہ بتا دیا گیا تھا کہ آپ کے تبلیغ و وعظ کے باوجود یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ انہوں نے اپنی اثر پذیری کی صفت کو فنا کر دیا ہے۔

اخلاقی تعلیم کی چند شرائط

پہلی شرط:

دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں ان کے ہاں اخلاق کا ماٰخذ (Source) صرف اور صرف حکم خداوندی ہے، لیکن اس بارے میں بھی اسلام کی ایک خصوصیت ہے۔ وہ یہ کہ اسلام کا یہ فرمان ہے کہ خدا نے اپنے اخلاقی احکام کو وحی کے الفاظ میں بیان بھی کیا ہے اور اپنے بندوں کی فطرت اور طبیعت میں بھی اس کو ودیعت کیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے طبیعت اور فطرت خاموش رہے تو احکام الٰہی اور فرمان خداوندی کی آواز اس کو پکار کر ہوشیار اور خبردار کر دے۔ اس بات کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک مظلوم کی امداد اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے اور انسانی فطرت کے اندر بھی اس کو ودیعت کیا گیا ہے اور ہمارے ضمیر کا بھی یہی تقاضا ہے اور وجدان بھی اس کام کی تحسین کرتا ہے، لیکن بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا، فطرت، ضمیر، جذبات اور وجدان کا ایک حکم ہوتا ہے اور ہماری خود پسندی اور مصلحت شناس عقل و خرد دوسری طرف جا رہی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اخلاق کے باب میں وہ عقل جو ہمارے قویٰ کے مجموعی احکام اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف جانا چاہتی ہے، قابل اصلاح

① البقرہ: ٦

Marfat.com

ہے، اور شریعت کی نظر میں وہ عقل نہیں حماقت ہے، علم نہیں جہالت ہے۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم ہونے کے ساتھ انسان کے اندر کی آواز اس کو آپ کسی فطرت یا وجدان یا ضمیر کی آواز کہہ لیں، ان میں اصل چیز اسلام میں حکم خداوندی کی تعمیل ہے۔ اگرچہ اخلاقی حسن ہمارے اندر اسی طرح فطرت میں ودیعت ہے جس طرح دوسرے قویٰ اور حواس ودیعت ہیں، لیکن اسلام میں اخلاق کا کمال یہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ یہ سمجھ کر کیے جائیں کہ یہ احکام خداوندی اور فرمان الٰہی ہیں اور وہ دوسرے فطری احکام کی طرح اللہ کی طرف سے ہمارے اندر ودیعت ہیں۔ انہی احکام الٰہی کے مطابق ہمارا ضمیر، وجدان، اخلاقی حواس اور عقل میں سے جس ایک کو یا سب کو اصل کہے، ان میں باہمی طور پر جس حد تک باہمی موافقت و مطابقت زیادہ ہوگی، اسی قدر انسان کا روحانی کمال بلند و بالا ہوگا اور جس حد تک ان میں کمی ہوگی اسی حد تک ان کے اس کمال میں نقص اور کمی ہوگی۔ اس کو اس مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک بیمار کی تیمارداری یا ایک نادار کی امداد یہ سمجھ کر کی جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ پھر ایسا کرنے والے کی ضمیر کی آواز بھی یہی ہونی چاہیے اور اس کی فطرت اور اس کا وجدان بھی یہی ہو، اس کو وہ اپنا فریضہ بھی جانے اور اس کے کرنے میں وہ اپنی روحانی خوشی اور مسرت بھی محسوس کرے۔ الغرض جس حد تک اس کے ان تمام قویٰ میں اس بارے میں باہمی موافقت اور مطابقت اور یکسانیت ہوگی اتنا ہی اس کا روحانی کمال بلند ہوگا۔ اور جس قدر اس مطابقت میں کمی ہوگی اسی قدر اس کے روحانی اور ایمانی کمال میں نقص ہوگا، اس کو روحانی مسرت و انبساط حاصل نہ ہوگی۔ کتنا ہی نیک اور اچھا کام ہم اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھتے ہوئے انجام دیں، لیکن اگر ہمارے اندرونی احساسات، فطرت، وجدان اور ضمیر اس کو نیک نہیں سمجھتا اور ہماری عقل و دانش اس کے خلاف ہم کو راہ سجھاتی ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کے خدا کا حکم ہونے پر ہمارا یقین پختہ نہیں ہوا۔ دوسرے لفظوں میں یہ ہمارے ایمان اور روحانی تکمیل کا نقص ہے۔ اسی طرح اگر کسی نیک اور پاکیزہ سے پاکیزہ کام کو ہم صرف اپنے ضمیر، وجدان، طبیعت، ودیعت اور اپنے اندر کی آواز یا حصول مسرت یا افادۂ عوام کی غرض اور نیت سے انجام دیں لیکن خدا کے حکم کی حیثیت اس میں پیش نظر نہ ہو تو وہ نیک اور پاکیزہ کام بھی اسلام کی نظر میں ثواب اور تزکیۂ روح کا ذریعہ نہیں ہوسکتا۔

Marfat.com

دوسری شرط:

اسلامی اخلاق میں دوسری شرط اخلاص اور بے غرضی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اسلام میں اخلاق دوسرے اعمال کی طرح ایک عبادت ہے، لہٰذا دوسرے اعمال کی طرح اس کی غرض و غایت بھی اخلاص پر مبنی ہونا ضروری ہے نہ کہ دنیوی، نفسانی اور ذاتی اغراض اس میں شامل ہوں۔ ایسا اخلاق جس میں اعمال میں اخلاص اور بے غرضی نہیں ہے تو ان کاموں میں کوئی ثواب مرتب نہیں ہوگا۔ مثال کے طور پر ایک غریب و نادار شخص آپ کی اعانت کا مستحق ہے۔ آپ اپنے اس جذبہ کے تحت کہ آج میں اس کی مدد کرتا ہوں اور کل جب مجھ پر کوئی برا وقت آئے گا تو یہ میری مدد کرے گا۔ اس سے اس نادار کی مدد تو ہو جائے گی اور اگر وہ نادار احسان فراموش نہ ہوا اور وہ آپ کی مدد بھی کر سکتا ہوا تو مدد ضرور کرے گا۔ لیکن آپ کے اس نادار کی مدد کرنے پر کوئی ثواب مرتب نہ ہوگا اور نہ ہی وہ کام اسلام میں نیکی شمار ہوگا۔ نیکی میں شمار اور باعث ثواب صرف وہی کام ہے جو اخلاص پر مبنی ہو اور جس میں بے غرضی پائی جائے اور کوئی نفسانی خواہش اس میں نہ ہو۔

تیسری شرط:

تیسری شرط نیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں نیت یعنی قلبی ارادہ اور انسان کی اندرونی غرض و غایت کو ہر اچھے اور برے کام کی بنیاد قرار دیا ہے۔ اگر نیت اچھی نہیں تو اعمال کی اچھائی کی روح بھی پرواز کر جاتی ہے۔ آپ ایک اچھے سے اچھا عمل لے لیں، اگر آپ اس کو خراب نیت سے کریں گے تو وہ اچھا عمل بھی خراب ہو جائے گا۔ اسی لیے اسلام میں ہر عمل کے لیے نیت کی درستی کو ضروری قرار دیا گیا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ ①

''اور انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اخلاص ہی کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں۔''

---

① البینہ: ۵

ایسا ہی قرآن حکیم میں اور کئی مقامات پر فرمایا گیا۔ حدیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَإِنَّمَا يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ)) ①

''بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو صرف تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔''

یہاں دل کی طرف دیکھنے سے مراد نیت کی طرف دیکھنا ہے کیونکہ نیت ہی انسان کو عمل پر آمادہ کرتی اور ابھارتی ہے۔

ایک اور حدیث میں تو صاف لفظوں میں یہ بتایا گیا:

((إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى)) ②

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی۔''

اس حدیث کی شرح میں علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''نیت کا معنی قصد و ارادہ سے کسی کام کا معین کرنا ہے۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اعمال کے تحقق اور ثبوت کا مدار نیت پر ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کا شرعاً معتبر ہونا نیت پر موقوف ہے۔ اور کسی فعل سے پہلے اس کی نیت نہ ہو تو وہ شرعاً معتبر نہیں ہوگا۔ اور اس میں یہ دلیل ہے کہ وضو، غسل، تیمم، نماز، روزہ، حج، اعتکاف اور تمام عبادات نیت کے بغیر صحیح نہیں ہوتیں۔'' ③

ایسا ہی علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

---

① مسلم، كتاب البر والصلة، والأدب، باب تحريم الظلم والمسلم......الخ، رقم الحديث: ٦٥٤٣، ابن ماجه، كتاب الزهد، باب القناعة، كتاب باب مسند السابق، رقم الحديث: ٤١٣٣، مسند احمد، كتاب الباقى مسند المكثرين، باب مسند ابى هريرةؓ، رقم الحديث: ٧٤٩٣

② بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی: ١/٢

③ نووی شرح مسلم: ٢/١٤١، کتاب الامارة، باب انما الاعمال بالنيات......الخ، ٢/١٤١

''اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اعمال کا کامل ہونا یا ان کا ثواب ہونا نیات پر موقوف ہے کیونکہ نیت نہ ہونے سے اصل عمل باطل نہیں ہوتا، اوراس پر قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا: ((وَلِکُلِّ امْرِئٍ مَّانَوٰی)) ہر شخص کواس کی نیت کا پھل ملتا ہے، اوراس سے ثواب مراد ہے۔ نیز اگراس سے مراد صحت لی گئی یعنی بغیر نیت کے عمل صحیح نہیں ہے تو لامحالہ بعض عبادات میں تخصیص کرنا پڑے گی...... اس سے مراد یہ ہے کہ ہر عمل کا کمال اور ثواب نیت پر موقوف ہے۔'' ①

معلوم ہوا کہ اسلام میں نیت کی بڑی اہمیت ہے۔ دراصل روحانی حیثیت سے کوئی کام اپنے نتیجہ کے لحاظ سے اتنا اچھا یا برا نہیں ہوتا جتنا قلب کی کیفیت اوراس کی اندرونی نیت کے لحاظ سے ہوتا ہے، نماز سے بڑھ کر دین میں اور کوئی نیک کام کیا ہوسکتا ہے؟ حدیث میں اس کی بڑی اہمیت بتائی گئی ہے، لیکن اگر وہ بھی فخر، نمائش یا ریا اور دکھلاوے کے لیے پڑھی جائے تو قرآن کہتا ہے کہ وہ ثواب کی بجائے الٹا اس پر عذاب ہوگا۔ اسی طرح اگر آپ کسی نادار اور قلاش شخص کی امداد اس لیے کریں کہ لوگ آپ کی تعریف کریں اور آپ کی تحسین میں رطب اللسان ہوں تو اسلام کی نگاہ میں یہ نیکی کا کام شمار نہیں ہوگا بلکہ یہ گناہ کا کام ہوگا۔ چنانچہ فرمایا گیا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ ②

''اے ایمان والو! تم لوگ اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور اذیت دے کر برباد نہ کرو جس طرح وہ شخص اپنے مال کو برباد کرتا ہے جو لوگوں کے دکھلاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور یوم آخرت پر یقین نہیں رکھتا۔''

---

① عمدة القاری، بیان سبب المورد استنباط الاحکام: ۱/ ۳۰۔۳۱

② البقرة: ۲٦٤

Marfat.com

معلوم ہوا کہ کسی عمل کا نیک و بد ہونا تمام تر نیت پر موقوف ہے۔ حسن نیت نہ ہو تو اخلاق کا بڑا سا کام بھی حسن خلق کے دائرہ سے باہر اور روحانی خیر و برکت اور اخروی ثواب سے محروم رہ جاتا ہے۔ ارادہ اور نیت پر اخلاق کی بنیاد ہے اور نیت کا تعلق قلب سے ہے تو قلب کی اندرونی کیفیت اور حالت کی درستی کے لیے یہ اعتقاد ضروری ہے کہ کوئی ہستی ہے جو ہمارے دل کے ہر گوشہ کو ہر طرف سے جھانک رہی ہے۔ اس سے پتہ چلا اخلاقیات کے لیے ایمان بھی شرط ہے چنانچہ قرآن حکیم نے بھی اللہ اور قیامت پر ایمان لانا ہر عمل کی بنیاد قرار دیا ہے اور اس کے بغیر ہر کام محض ریا اور دکھلاوا ہے۔ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾①

"اے ایمان والو! اپنے صدقات اور خیرات کو احسان جتا کر اور اذیت دے کر برباد نہ کرو، جو اپنے مال کو لوگوں کے دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔"

اس آیت کی تفسیر میں حضرۃ شیخ الہند قدس سرہ فرماتے ہیں:

"صدقہ دے کر محتاج کو ستانے اور اس پر احسان رکھنے سے صدقہ کا ثواب جاتا رہتا ہے یا اوروں کو دکھا کر اس لیے صدقہ دیتا ہے کہ لوگ سخی جانیں۔ اس طرح کی بھی خیرات کا ثواب کچھ نہیں ہوتا۔ باقی یہ فرمانا کہ وہ یقین نہیں رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر، یہ ابطال صدقہ کے لیے قید و شرط نہیں ہیں کیونکہ صدقہ تو صرف ریا ہی سے باطل ہو سکتا ہے اگرچہ خرچ کرنے والا مومن ہی کیوں نہ ہو، مگر اس قید کو صرف اس نفع کی غرض سے بڑھایا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ ریاکاری مومن کی شان سے بعید ہے بلکہ یہ امر منافقین کے مناسب حال ہے۔"②

---

① البقرة: ٢٦٤

② فوائد عثمانی: ص ٥٦

Marfat.com

اخلاقی اصول:

اسلام نے نہ صرف حسن اخلاق کی اہمیت کو واضح کیا بلکہ اس کے لیے کچھ اصول بھی بیان کیے۔ علمائے اخلاق نے تو اس پر طویل بحثیں کیں لیکن نتیجہ کچھ حاصل نہ ہوا، لیکن اسلام نے ان تمام بحثوں سے نہ الجھتے ہوئے اس کے لیے کچھ اخلاقی اصول وضع کر دیئے جن سے حسن اخلاق کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مسرت وانبساط:

اسلام نے ایک اصول یہ بتایا کہ ایک مومن جب کوئی نیکی کا کام کرتا ہے تو اس کو ایک خاص روحانی خوشی ہوتی ہے اور جب وہ کوئی برائی کا کام کرتا ہے تو اس کو ایک خاص قسم کا قلبی رنج ہوتا ہے۔ یہ انشراح اور انقباض بھی ایک معیار ہے اس بات کا کہ یہ کام اچھا تھا یا برا۔ سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ ایک سال تک اس انتظار میں مدینہ طیبہ میں ٹھیرے رہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کی حقیقت سمجھیں۔ آخر ایک روز ان کو موقع مل گیا اور انہوں نے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالإِثْمُ مَاحَاكَ فِيْ صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ)) ①

"نیکی حسن اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تجھ کو یہ پسند نہ ہو کہ تیرے اس کام پر لوگ مطلع ہوں۔"

اس سلسلہ میں ایک اور روایت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ کی ہے۔ یہ خدمت نبوی میں نیکی اور گناہ کی حقیقت جاننے کی غرض سے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف جان نثاروں کا ہجوم تھا وہ ذوق وشوق میں ان کو ہٹاتے ہوئے آگے بڑھتے گئے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں میں پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا: "وابصہ! قریب آجاؤ۔" جب وہ قریب آگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وابصہ! میں بتاؤں کہ تم کیوں

① مسلم، كتاب البر والصلة، باب تفسير البر الاثم: ٨/٧، رقم الحديث: ٦٥١٦

Marfat.com

آئے ہو یا تم بتاؤ گے؟ عرض کی: ''حضور ہی فرما دیں۔'' فرمایا: ''وابصہ! تم مجھ سے نیکی اور گناہ کی حقیقت معلوم کرنے آئے ہو۔'' عرض کی: ''حضور! آپ نے درست فرمایا۔'' فرمایا:

((يَاوَابِصَةُ! اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ وَاسْتَفْتِ نَفْسَكَ اَلْبِرُّ مَااطْمَأَنَّ إِلَيْهِ الْقَلْبُ وَاطْمَأَنَّتْ إِلَيْهِ النَّفْسُ، وَالإِثْمُ مَاحَاكَ فِي الْقَلْبِ وَتَرَدَّدَفِي النَّفْسِ وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ)) ①

''اے وابصہ! اپنے دل سے فتویٰ لے اور اپنے نفس سے پوچھ، نیکی وہ ہے جس سے دل اور نفس میں طمانیت پیدا ہو، اور گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے اور نفس کو ادھیڑ بن میں ڈالے اگرچہ لوگ تمہیں اس کا کرنا جائز ہی کیوں نہ بتائیں۔''

ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ)) ②

''جب تمہاری نیکی تمہیں خوشی و مسرت بخشے اور تمہاری بدی تم کو رنجیدہ اور غمگین کر دے تو تم (اس وقت) مومن ہو۔''

ایک اور روایت میں فرمایا:

((مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَةٌ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَةٌ فَهُوَ مُؤْمِنٌ)) ③

''جس کو نیکی خوشی بخشے اور برائی اسے غمگین کر دے وہ مومن ہے۔''

---

① مسند احمد، مسند الشامین: ۱/ ۲۲۸، دارمی، کتاب البیوع، باب دع مایریبك الی مالا یریبك: ۲/ ۲۴۶

② مسند احمد، کتاب الباقی المسند الانصار، باب حدیث ابی امام الباهلی......الخ، رقم الحدیث: ۲۱۱۴۵

③ کنز العمال، الفصل السابع فی صفات المومنین: ۱/ ۱۴۴، دارمی: ۲/ ۲۴۶

Marfat.com

ان احادیث میں نیکی پر انشراح، اطمینان اور خوشی و مسرت کو ایمان کی پہچان قرار دیا گیا، بنیاد نہیں بنایا گیا۔ نیکی سے خوشی و مسرت حاصل کرنا اور گناہ سے قلبی غم اور رنج ہونا، نیکی کی غرض و غایت نہیں بلکہ اس کا لازمی اور طبعی نتیجہ ہے۔

رضائے الٰہی:

اسلام میں جس قدر بھی نیک اعمال ہیں خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا اخلاقیات سے ان سب کی غرض و غایت رضائے الٰہی ہے۔ ایک سچا مسلمان ہر کام اسی غرض سے کرتا ہے کہ میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے۔ اسی بات سے اسلامی اخلاق کا حکمائے اسلام کے فلسفہ اخلاق سے فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔ حکمائے اخلاق اس بات کی تلاش میں ہوتے ہیں کہ انسانی اخلاق کی غرض و غایت کیا ہوتی ہے؟ اور شریعت اسلامیہ یہ بتاتی ہے کہ انسان کو اپنے اخلاق کی غرض و غایت کیا قرار دینی چاہیے؟ اور اس کی ایک ہی غرض و غایت ہے، وہ ہے رضائے الٰہی۔ اگر کسی کے اخلاق اور اعمال کی غرض و غایت خود غرضی اور ذاتی منفعت ہے تو وہ عمل ثواب کی روح سے یک قلم خالی ہے۔ انسان اپنی جان اور اپنے مال کی خواہ کتنی بڑی قربانی کیوں نہ کرے اگر اس کی غرض رضائے الٰہی نہیں ہے تو وہ قربانی اپنا اثر کھو دیتی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں کئی آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے، چنانچہ سورۃ بقرہ میں فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ﴾ ①

"اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنی جان کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے فروخت کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔"

① البقرة: ٢٠٧

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾①

''اور وہ لوگ جو اپنی دولت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں۔''

اسی طرح کسی شخص کی مالی اعانت کرنا حسن اخلاق کا بہترین نمونہ ہے اور اسلام نے اس شخص کی بڑی تحسین وتعریف کی ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ شرط لگا دی کہ اس میں اپنی کوئی ذاتی غرض اور شخصی فائدہ مقصود نہ ہو۔ چنانچہ ایک بندہ مومن کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی، وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤی اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی﴾②

''جو اپنا مال دیتا ہے دل پاک کرنے کو، اور اس پر احسان نہیں کسی کا جس کا بدلہ دے مگر اپنے رب کی مرضی چاہنے کے لیے جو سب سے برتر ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''یعنی خرچ کرنے سے کسی مخلوق کے احسان کا بدلہ اتارنا مقصود نہیں بلکہ خالص رضائے مولیٰ کی طلب اور دیدار الٰہی کی تمنا میں گھر بار لٹا رہا ہے تو وہ اطمینان رکھے کہ اسے ضرور خوش کر دیا جائے گا اور اس کی یہ تمنا ضرور پوری ہو کر رہے گی ((اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ))③

قرآن وسنت میں اس نظریہ کو نہایت واضح طریق سے بیان کیا گیا ہے کہ تمام اعمال واخلاق کی بنیاد ایک مومن کے لیے صرف اور صرف رضائے الٰہی ہے۔ تمام اعمال اس کے بغیر بے روح، اور تمام عبادتیں اس کے بغیر بے کار اور تمام اخلاق اس کے بغیر

---

① البقرہ: ٢٦

② اللیل: ١٨۔٢٠

③ تفسیر عثمانی: ص ٧٩٤

Marfat.com

تصنع سمجھے جاتے ہیں، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے سرکار دو عالم ﷺ سے دریافت کیا: ''یا رسول اللہ! کوئی شخص اس لیے لڑتا ہے کہ مال غنیمت حاصل ہو، کوئی اس لیے لڑتا ہے کہ وہ بہادر اور شجاع کہلائے اور کوئی اس لیے لڑتا ہے کہ اس کو شہرت حاصل ہو، تو ان میں کون ہے جو صحیح معنوں میں جہاد کر رہا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ))①

''جو اس لیے لڑتا ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، وہی اللہ کی راہ میں (جہاد کرتا ہے)۔''

اسی طرح ایک اور روایت میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''گھوڑا باندھنا کسی کے لیے باعث اجر وثواب ہے، تو اس کے گھاس چرنے اور پانی پینے کا بھی اس کو ثواب ملتا ہے۔ کسی کے لیے پردہ پوشی ہے۔ پردہ پوشی کا باعث اس کے لیے ہے جو ضرورت کے لیے باندھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مال دیا تو اس کو اپنی ضرورت کی چیز دوسروں سے نہ مانگنی پڑے، وہ رحم وشفقت کے ساتھ اس گھوڑے سے کام لیتا ہے اور اس کا حق ادا کرتا ہے۔ اور گناہ کا باعث اس کے لیے ہے جو فخر ونمائش اور ریا کاری اور دکھاوے کے لیے باندھتا ہے۔''②

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑا اگر جہاد کے لیے باندھا جائے اور مقصود رضائے الٰہی ہو، نمائش اور دکھاوا نہ ہو اور فخر ومباہات مقصود نہ ہو تو اس گھوڑے کا باندھنا، اس کا چارہ کھانا، اس کا پانی پینا سب کا ثواب ملتا ہے۔ لیکن اگر مقصود نمائش اور ریا کاری اور فخر اور دکھلاوا ہو تو ایسا گھوڑا باعث گناہ ہے۔

اس تعلیم کا سب سے موثر بیان اس روایت میں ہے جس کو امام ترمذی نے اپنی سنن میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ اور اس روایت کو بیان کرتے ہوئے سیدنا

① بخاری، کتاب الجهاد، باب من قاتل لتكون كلمة الله......الخ، رقم الحديث: ۲۸۱۰

② مسلم كتاب الزكوة، باب اثم مانع الزكاة: ۱/ ۳۱۹، (درمیان حدیث)، بخاری كتاب الجهاد: ۴/ ۷۵

Marfat.com

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تین مرتبہ غش کھا کر گرے اور جس کو سن کر سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ زاروقطار روئے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر اس روایت کو بیان کیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ قیامت کے روز جب حق تعالیٰ شانہ عدالت کے لیے اترے گا اور ہر امت اپنی اپنی جگہ پر گھٹنے ٹیکے ہوگی، اس وقت بارگاہ خداوندی میں ان کی پیشی ہوگی۔ جو قرآن حکیم کے عالم تھے، اور جو جہاد میں شہید کیے گئے تھے اور جو مال دار تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ عالم سے پوچھے گا: ''کیا میں نے تجھ کو وہ سب کچھ نہیں سکھایا تھا جو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا تھا، تم نے اس علم پر کیا عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا: ''اے میرے رب: میں شب و روز نماز میں قرآن پڑھتا تھا۔'' حق تعالیٰ شانہ فرمائیں گے: ''تو جھوٹ بولتا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے یہ جھوٹا ہے۔'' پھر حق تعالیٰ شانہ فرمائیں گے: تو تو اس لیے یہ کرتا تھا تاکہ لوگ تجھ کو کہیں کہ تو بڑا عالم اور قرآن کا قاری ہے، سو دنیا میں تجھ کو یہ کہا جا چکا یعنی تو اپنا بدلہ پا چکا۔ پھر مال دار سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''کیا میں نے تجھ پر دنیا کو کشادہ نہیں کیا تھا یہاں تک کہ تو کسی کا محتاج نہ رہا؟'' وہ کہے گا: ''اے میرے رب: کیوں نہیں۔'' حق تعالیٰ پوچھیں گے تو میں نے جو کچھ تجھ کو دیا تھا اس میں تو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا: ''میں اہل استحقاق کا حق ادا کرتا تھا، اور صدقات و خیرات دیتا تھا۔'' ارشاد ہوگا: ''تو جھوٹ کہتا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے کہ یہ جھوٹا ہے۔'' پھر حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو یہ سب کچھ اس لیے کرتا تھا تاکہ لوگ کہیں کہ تو بڑا سخی ہے، سو یہ تجھ کو دنیا میں کہا جا چکا ہے۔ اس کے بعد وہ شخص لایا جائے گا جو جہاد میں مارا گیا تھا۔ حق تعالیٰ شانہ اس سے پوچھیں گے کہ تو کس بات کے لیے قتل کیا گیا؟ وہ کہے گا: ''اے میرے رب! تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا تھا، سو میں نے جنگ کی یہاں تک کہ میں اس میں مارا گیا۔'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے، فرشتے بھی کہیں گے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو اس لیے لڑا تھا کہ لوگ تجھ کو بہادر کہیں، اور دنیا میں تجھ کو یہ کہا جا چکا ہے۔ پھر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے پہلے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔''

((اُولٰئِكَ الثَّلَاثَةُ اَوَّلُ خَلْقِ اللّٰهِ تُسْعَرُ بِهِمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ①

---

① ترمذی، کتاب الزهد، باب ماجاء فی الریاء والسمعة: ٤ / ٥١٠-٥٢.

Marfat.com

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو سن کر بہت روئے، پھر فرمایا: "خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سچا ہے اور اس حدیث کی تائید میں قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھی:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ①

"جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی رونق چاہتا ہو تو ہم اس کا عمل اسی دنیا میں پورا کر دیں گے بے کم و کاست، ان لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں مگر آگ، اس دنیا میں انہوں نے جو بنایا وہ مٹ گیا اور جو کیا وہ برباد ہو گیا۔" ②

اسلام کے اخلاقی نظام کی امتیازی شان:

اسلام سے پہلے جتنے مذاہب اس دنیا میں تھے ان سب نے اخلاق کی اہمیت کو واضح کیا۔ جھوٹ ہر مذہب میں ایک برا فعل تھا، چوری ہر دین میں گناہ تھی اور ہر دین اور ہر سلطنت نے اس کو جرم قرار دیا، لیکن اس جرم کے استیصال کے لیے صرف اس قدر کافی نہیں کہ اس جرم کو جرم تسلیم کیا جائے بلکہ اس جرم کا استیصال صرف اس وقت ہو سکتا ہے جب وہ تمام لوگ مجرم قرار دیئے جائیں جو کسی جرم میں شریک اور معاون ہوں، مثلاً چوری میں ہر اس شخص کو مجرم قرار دیا جائے جو جرم کرے، جرم میں اعانت کرے، موقع و اردات کا سراغ دے اور مال مسروقہ کی بیع و شراء (خرید و فروخت) میں شریک ہو۔ چنانچہ ہر مذہب میں عقائد، اعمال، عبادات، معاملات اور اخلاق میں جو چیزیں ناجائز اور مصلحت عامہ کے خلاف تھیں ان کی سرسری طور پر سب نے ممانعت کر دی، اور جو چیزیں جائز اور مصالح عامہ کے موافق تھیں، ان کی ترغیب دی، لیکن امر و نہی کے طریقے اور ان کی جزئیات کے احاطہ میں کمی بیشی ہے اور اسی نے ان مذاہب کے احکام و شرائع میں

---

① هود: ١٥۔١٦

② انسان کامل: ٦٢٠

Marfat.com

باہم امتیاز پیدا کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے جس طرح اس حکومت کے قانون کو سب سے بہتر کہا جاتا ہے جس سے برائیوں کا تمام تر سد باب ہوتا ہے اور جس کے اندر تمام جزئیات کا احاطہ کر لیا گیا ہو۔ بالکل اسی طرح بہترین اخلاقی نظام وہ ہے جس نے محاسن اور مفاسد کا سب سے زیادہ استقصاء کیا ہو، اور انسانوں کے لیے کھول کر اور اچھی طرح بیان کیا ہو، اور اس کے ہر گوشہ کو اس طرح واضح طور پر بیان کر دیا ہو کہ کسی کو غلط فہمی کی گنجائش نہ رہے۔ اس لحاظ سے دین اسلام کو دوسرے تمام مذاہب پر ایک امتیازی شان حاصل ہے کہ اس نے اخلاقی احکام کی تفصیل، ان کی ہمہ گیری کو اس تفصیل اور وضاحت سے بیان کیا ہے کہ ان برائیوں کا کلی طور پر استیصال ہو گیا ہے اور نیکیوں کے مظاہر عام ہو گئے ہیں۔ اس کے برعکس دوسرے مذاہب نے ان مسائل کی جزئیات کو بیان ہی نہیں کیا بلکہ بعض کلیات بھی نامکمل ہیں۔ اس کی مثال مسئلہ توحید ہے۔ اس مسئلہ کو پوری وضاحت کے ساتھ کسی مذہب نے بیان نہیں کیا۔ اسی وجہ سے ہر مذہب میں شرک کسی نہ کسی صورت میں شامل ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف اسلام نے اس مسئلہ کی تفصیل اور وضاحت کچھ اس طرح بیان کی ہے کہ اس کے علل واسباب اور عواقب ونتائج کی تحدید کر کے ان کا کلی طور پر استیصال کیا۔ اسلام نے نہ صرف بتوں کو توڑ کر توحید کی دعوت دی بلکہ ان تمام چیزوں کو ناجائز قرار دیا جو ان بتوں کی یاد کو تازہ کر سکتی تھیں۔ چنانچہ اسلام نے تصویر کو بھی حرام قرار دیا حالانکہ تصویر بجائے خود کوئی بری چیز نہ تھی لیکن وہ چونکہ بت پرستی کا ایک عام مظہر تھی اس لیے اسلام نے اس کو بھی حرام قرار دیا، گویا کہ تمام برائیوں کے ذرائع کو مسدود کر دیا۔ غرضیکہ شرک کے ایک ایک ریشہ کو بتا بتا کر اس کی بیخ کنی کی۔ یہی حال ہر مسئلہ میں ہے۔ اسلام نے نہ صرف زنا کو حرام قرار دیا بلکہ ﴿لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا﴾ ① (یعنی زنا کے قریب بھی نہ جاؤ) فرما کر ان تمام برائیوں کو حرام اور ناجائز قرار دے دیا جو آدمی کو زنا کی طرف لے جاتی ہیں۔ اس کو شریعت کی اصطلاح میں ''سد ذرائع'' کہتے ہیں۔ اسی طرح اخلاقی احکام میں بھی اسلام نے ان تمام برائیوں کو حرام اور ناجائز قرار دیا جو تمام قوموں اور زمانوں میں پائی جانے والی تھیں یا پائی جاتی تھیں۔ چنانچہ قرآن حکیم اور

---

① بنی اسرائیل: ۳۲

Marfat.com

احادیث نبویہ میں ان تمام اخلاقی جزئیات کا استقصاء کر کے ان کو ناجائز قرار دیا گیا۔ انسان چونکہ بڑا بہانہ جو اور حیلہ طلب ہے اس لیے اسلام نے اخلاقیات کے صرف کلی اصول ہی بیان نہیں فرمائے تا کہ انسان لفظوں کے ہیر پھیر کے سایہ میں پناہ نہ لے سکے۔ چنانچہ اس نے ہر خوش اخلاقی اور بداخلاقی کے ایک ایک جزئیہ کو بیان کیا۔ صدقہ اور خیرات سب ادیان و مذاہب میں ثواب کا سب سے بڑا کام سمجھا گیا، لیکن تورات نے اس کو صرف زکوٰۃ اور عشر تک محدود رکھا ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور قسم کی خیرات کا ذکر تورات میں نہیں ملتا۔ انجیل نے سب کچھ غریبوں کو دے کر خود غریب بن جانے کو بہتر اور اچھا سمجھا۔ لیکن اسلام نے ان دونوں کے برعکس عشر اور زکوٰۃ کو نہ صرف ضروری اور واجب قرار دیا بلکہ اس کے متعلق مقدار، تعداد اور زمانہ کی پوری پوری تعیین کر دی۔ پھر ان کی تحصیل کا طریقہ بھی بتا دیا اور ان کے اخراجات اور مصارف کی نوعیتوں کی تفصیل و تشریح بھی کر دی۔ جن کے ذکر سے تورات میں کوئی حکم نہ تھا۔ انجیل کی طرح یہ بھی نہیں کہا کہ سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا کر خود مفلس و نادار ہو جاؤ بلکہ یہ کہا:

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ ①

''لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں، آپ کہہ دیں کہ جو تمہاری ضرورت سے زائد ہو۔''

یعنی اپنی ضروریات سے جو زائد ہو وہ اللہ کی راہ میں دے سکتے ہو، لیکن اخلاقی حیثیت سے اس نے یہ تلقین بھی کی کہ خود اپنی ضرورت کو روک کر دوسرے کی ضرورت کو پورا کرنا ایک مسلمان کا شعار زندگی ہونا چاہیے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہارے ''کمال خلق'' کی دلیل ہے۔ چنانچہ سورۃ حشر میں انصار کی تعریف اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ کی:

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ ②

''اور وہ (انصار مدینہ) دوسروں (یعنی مہاجرین کو) اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کو خود حاجت ہوتی ہے۔''

---

① البقرہ: ۲۱۹

② الحشر: ۹

اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾ ①

''اور وہ خود کھانے کی خواہش کے باوجود مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلا دیتے ہیں۔''

قرآن حکیم میں اور بھی کئی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرنے کا حکم فرمایا گیا۔ پھر صدقہ کے بارے یہ بھی فرمایا کہ اللہ کی راہ میں ردی اور خراب چیزیں نہ دو بلکہ اچھی چیزیں اللہ کے راستہ میں دو، اور اپنی زکوٰۃ وعشر میں خراب چیزیں دینے کا ارادہ بھی نہ کرو ﴿وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ﴾ کیونکہ اگر تم کو کوئی خراب اور ناکارہ چیز دے تو تم خود بھی نہ لو مگر یہ کہ چشم پوشی کر لو۔ ②

اور تمہاری امداد کے محتاج سب سے پہلے وہ ہیں جن کی کفالت کا بار تم پر ہے یعنی تمہارے والدین، اہل وعیال، دست نگر عزیز وقریب، پھر دوسرے محتاج، مسکین، یتیم اور مسافر۔ ③

یہ تو سب کچھ ان لوگوں کے لیے ہے جو مال دار ہیں، جن کے پاس دولت ہے اور جن پر زکوٰۃ اور عشر واجب ہے، وہی صدقات مالیہ بھی دیں گے، لیکن اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ خیرات میں کیا دے؟ اس کے بارے میں سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''ہر مسلمان پر صدقہ دینا واجب ہے۔'' لوگوں نے عرض کیا کہ اگر اس کی طاقت اور قدرت نہ ہو؟ فرمایا: ''مزدوری کر کے اور جو کمائے اس میں سے کچھ خود کھائے اور کچھ اہل حاجت کو کھلائے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ''اگر مزدوری کرنے کی بھی طاقت نہ ہو؟'' یعنی بیمار یا بوڑھا ہو۔ فرمایا: ''غم رسیدہ حاجت مند کی کوئی جسمانی خدمت کرے، اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو نیکی کی تعلیم دے، اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو برائی کرنے سے

---

① دھر: ۸

② البقرہ: ۲۶۷

③ البقرہ: ۲۱۵

بچے۔ یہ بھی صدقہ ہے۔''①

ایک اور موقع پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اپنے مسلمان بھائی کو مسکراتے ہوئے چہرہ سے ملنا بھی صدقہ ہے، اچھی بات کہنا اور بری بات سے روکنا بھی صدقہ ہے، کسی بھولے بھٹکے مسافر کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے، کسی اندھے کی دست گیری بھی صدقہ ہے، راستہ سے پتھر کا ٹکڑا اور ہڈی کو ہٹا دینا بھی صدقہ ہے، اور اپنے ڈول کا پانی اپنے بھائی کے ڈول میں ڈال دینا بھی صدقہ ہے۔''②

ایک اور روایت میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے آدم کے بیٹے! تو اپنی ضرورت سے زائد مال کو خرچ کر دے یہ تیرے لیے بہتر ہے، اور تو اس کو روک کر رکھے تو یہ تیرے لیے برا ہے، اور بقدرِ کفایت روکنے پر ملامت نہیں۔ اور خرچ کرنے میں جن کی کفالت کا بار تم پر ہے ان سے ابتداء کر یعنی ان پر خرچ کرنا دوسروں سے مقدم ہے۔''③

اس حدیث کی رو سے جن کی روزی اپنے ذمہ ہے اور ان کو ضائع اور برباد کرنے کا گناہ اور وبال ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آدمی کے گناہ کے لیے یہی بہت ہے کہ جس کی روزی اس کے ذمہ ہو اس کو ضائع کر دے۔''④

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ضرورت سے زائد چیز کو خرچ کر دینے کی اتنی ترغیب دی ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ خیال ہونے لگا کہ آدمی کو اپنی ضرورت سے زیادہ چیز رکھنے کا حق ہی نہیں۔ چنانچہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں جا رہے تھے کہ ایک شخص اپنی اونٹنی کو اِدھر اُدھر لے جاتا تھا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے پاس زائد سواری ہو وہ اس شخص

---

① الادب المفرد: ص ٤٦، بخاری، کتاب الادب، باب کل معروف صدقة: ٧/ ٧٩

② ترمذی، ابواب البر والصلة، باب فی طلاقة الوجه وحسن البشر: ٢/ ١٨، بالفاظ مختلفه، و ابواب الذهد، باب ماجاء فی الذهادة فی الدنیا: ٢/ ٦٠

③ مسلم، کتاب الزکاة، باب بیان ان الید العلیا خیر من ید السفلی: ١/ ٣٣٢

④ مشکوٰة المصابیح: ٢/ ٢٩٩، رقم الحدیث: ٣٢٠٠

Marfat.com

کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں، اور جس کے پاس زائد توشہ ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس توشہ نہیں، حتیٰ کہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ آدمی کا اپنی ضرورت سے زیادہ میں کوئی حق ہی نہیں۔"

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: "یارسول اللہ! کون سا صدقہ ثواب کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ صدقہ اجر کے لحاظ سے سب سے بہتر ہے جو تو ایسی حالت میں کرے کہ تندرست ہو، مال کی حرص دل میں ہو، اپنے فقیر ہو جانے کا اندیشہ ہو، اپنے مال دار ہونے کی تمنا ہو، اور صدقہ کرنے کو اس وقت تک مؤخر نہ کر کہ روح حلق تک پہنچ جائے یعنی مرنے کا وقت قریب آجائے تو تو یوں کہے کہ اتنا مال فلاں کا اور اتنا مال فلاں کا حالانکہ اب مال فلاں (وارثان) کا ہو گیا۔"

> "فلاں وارث ہو گیا" کا مطلب یہ ہے کہ وراث کا حق اس میں شامل ہو گیا، اسی لیے وصیت صرف ایک تہائی میں ہو سکتی ہے، اور مرض الموت کے صدقات بھی تہائی میں ہو سکتے ہیں اس سے زیادہ کا حق مرنے والے کو نہیں ہے۔ اسی لیے حدیث میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کہ آدمی کہتا ہے: میرا مال میرا مال، حالانکہ اس کا مال صرف تین چیزیں ہیں، جو کھا لیا یا پہن لیا یا اللہ کے خزانہ میں صدقہ کر کے جمع کر دیا، اس کے علاوہ جو رہ گیا وہ جانے والا ہے یعنی یہ شخص اس کو لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔"①

اسلام نے مسلمانوں کو ہر طرح سے صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

> "صدقہ کرنے میں جلدی کیا کرو، اس لیے کہ بلا صدقہ کو پھاند نہیں سکتی۔"②

---

① مشکوۃ المصابیح: ۲/۳، رقم الحدیث: ٤٩٣٦

② مشکوۃ المصابیح: ۱/۱٦۸، رقم الحدیث: ۱۷۹۱

Marfat.com

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا: ''اپنے مالوں کو زکوۃ ادا کر کے پاک کرو اور اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو اور مصیبتوں کی موجوں کا دعا سے استقبال کرو۔'' ①

ایک اور روایت میں ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک شخص ایک جنگل میں تھا۔ اس نے ایک بادل میں سے یہ آواز سنی کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دے۔ اس آواز کے فوراً بعد وہ بادل ایک طرف چلا اور ایک پتھریلی زمین پر خوب پانی برسا اور وہ سارا پانی ایک نالے میں اکٹھا ہو کر چلنے لگا۔ یہ شخص جس نے آواز سنی تھی اس پانی کے پیچھے چل دیا۔ وہ پانی ایک جگہ پہنچا جہاں ایک شخص کھڑا ہو کر بیلچہ سے اپنے باغ میں پانی پھیر رہا تھا۔ اس نے باغ والے سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے وہی نام بتایا جو اس نے بادل میں سے سنا تھا۔ پھر باغ والے نے اس سے پوچھا کہ تم نے میرا نام کیوں پوچھا؟ اس نے کہا میں نے اس بادل میں جس کا پانی یہ آرہا ہے، یہ آواز سنی تھی کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دے، اور تمہارا نام بادل میں سے سنا تھا۔ تم اس باغ میں کون سا ایسا کام کرتے ہو جس کی وجہ سے بادلوں کو یہ حکم ہوا کہ اس کے باغ کو پانی دو۔ باغ والے نے کہا کہ جب تم نے یہ سب کچھ کہا تو مجھے بھی کہنا پڑا۔ میں اس باغ میں جو کچھ پیدا ہوتا ہے اس کو دیکھتا ہوں اور اس کے تین حصے کرتا ہوں۔ ایک حصہ یعنی تہائی اللہ کے راستہ میں صدقہ کر دیتا ہوں اور ایک تہائی میں اور میرے بال بچے کھاتے ہیں اور ایک تہائی اسی باغ کی ضروریات میں لگا دیتا ہوں۔ ②

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف ایک تہائی آمدنی کے خرچ کرنے پر پردۂ غیب سے باغ کی پرورش کے سامان ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنی آمدنی کا کچھ حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے متعین کر لینا چاہیے۔

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن تھیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک عجیب طریقہ سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی۔ فرمایا:

---

① الترغیب والترهیب، کتاب الصدقات، الترغیب فی اداء الزکاة......الخ ١ / ٥٢٠
② رواہ مسلم

"خوب خرچ کیا کرو اور شمار نہ کیا کرو۔ اگر شمار کرے گی تو حق تعالیٰ شانہ بھی تم کو شمار کر کے دیں گے۔ اور محفوظ کر کے نہ رکھ، اگر ایسا کرو گی تو حق تعالیٰ شانہ بھی تجھ پر محفوظ کر کے رکھے گا یعنی کم دے گا۔ عطا کر جتنا بھی تجھ سے ہو سکے۔" ①

بعض روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چار سو دینار (جو اس زمانہ میں ایک بہت بڑی رقم تھی) ایک تھیلی میں بھرے اور اپنے غلام سے فرمایا کہ یہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو دے آؤ کہ اپنی ضروریات میں خرچ کر لیں، اور غلام سے یہ بھی فرمایا کہ یہ تھیلی ان کو دینے کے بعد وہیں کسی کام میں مشغول ہو جانا تاکہ دیکھ سکو کہ وہ اس رقم کا کیا کرتے ہیں۔ غلام نے وہ تھیلی لے جا کر سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دی۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بڑی دعائیں دیں اور اپنی خادمہ کو بلایا اور اسی مجلس میں وہ سب رقم تقسیم کر دی۔ غلام نے واپس آ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو وہ ساری تفصیل سنائی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پھر اتنی ہی رقم اسی غلام کے ہاتھ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھیجی اور اس کو بھی یہی کہا کہ دیکھنا وہ اس رقم کا کیا کرتے ہیں۔ جونہی سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو رقم ملی انہوں نے بھی اسی وقت وہ ساری رقم راہِ خدا میں تقسیم کر دی۔ اتنے میں سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ آئیں اور کہا کہ ہم بھی تو مسکین اور ضرورت مند ہیں، کچھ ہمیں بھی دے دو۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے وہ تھیلی ان کی طرف پھینک دی اور فرمایا جو اس میں باقی بچا ہے وہ تم لے لو۔ انہوں نے تھیلی اٹھا کر دیکھا تو اس میں صرف دو دینار تھے باقی سب تقسیم ہو چکے تھے۔ غلام نے واپس آ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ سنایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا یہ سب بھائی بھائی ہیں۔ ②

غرباء اور مساکین اور بیوہ عورتوں کی خدمت گزاری کو مجاہد کے برابر درجہ دے کر معاشرہ کے اس بے سہارا طبقہ کی امداد کی ترغیب دی۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیوہ عورت اور مسکین کی ضرورت پوری کرنے میں کوشش کرنے والا شخص ایسا ہے جیسا کہ جہاد میں کوشش کرنے والا۔" اور غالباً یہ بھی فرمایا کہ ایسا ہے جیسا رات بھر نماز

① مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الانفاق......الخ، ۱/ ۱۳۱

② ترغیب: ۳/ ۲۴۵

Marfat.com

پڑھنے والا جو ذرا بھی سستی نہ کرے اور دن بھر روزہ رکھنے والا جو ہمیشہ روزہ دار رہے۔①

سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ فِي الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكٰوةِ))

''مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق ہے۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ سب سے افضل صدقہ کیا ہے؟ فرمایا:

((جُهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ))②

''نادار کی انتہائی کوشش اور ابتداء اس سے کرو جس کی کفالت کا بار تمہارے ذمہ ہے۔''

سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے اس طرح صدقہ کرے کہ (اسراف وغیرہ سے) اس کو خراب نہ کرے تو اس کو خرچ کرنے کا ثواب ہے، اور اس کے خاوند کو اس لیے ثواب ہے کہ اس نے کمایا تھا، اور کھانے کا انتظام کرنے والے (مرد ہو یا عورت) کو ایسا ہی ثواب ہے۔ اور ان تینوں میں سے ایک کے ثواب کی وجہ سے دوسرے کے ثواب میں کمی نہ ہو گی۔''

ایک اور حدیث میں سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''حق تعالیٰ شانہ روٹی کے ایک لقمہ اور کھجور کی ایک مٹھی کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتے ہیں۔ ایک گھر کے مالک یعنی خاوند کو، دوسرے بیوی کو جس نے یہ کھانا پکایا اور تیسرے

---

① ابن ماجه، باب فضل الجهاد فی سبیل الله، رقم الحدیث: ۲۱٤۰،
سنن کبریٰ بیهقی: ۱/ ۲۸۳، شرح السنة البغوی ،کتاب الاستیذان، باب الساعی علی الارملة.

② رواه ابوداؤد، کتاب الذکوة، باب الرخصة فی ذلك: ۱/ ۲۳٦

Marfat.com

اس خادم کو جو دروازہ پر مسکین کو دے کر آیا۔①

ایک شخص نے سرکار دو عالم ﷺ سے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میری بیوی میرے مال میں سے بغیر اجازت خرچ کرتی ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم دونوں کو اس کا ثواب ہوگا۔'' اس نے عرض کیا کہ میں اس کو منع کر دیتا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''تجھے تیرے بخل کا بدلہ ملے گا اور اس کو اس کے احسان کا اجر ہوگا۔''

ایک حدیث میں ہے کہ اگر مسلمان خزانچی امانت دار مالک کے حکم کی تعمیل پوری پوری خندہ پیشانی اور خوش دلی کے ساتھ کرے، اور جتنا دینے کا اس کو حکم ہے اتنا ہی دے دے تو وہ بھی صدقہ کرنے والوں میں ہے۔''

ایک حدیث میں ہے کہ اگر صدقہ (بالفرض) سات کروڑ آدمیوں کے ہاتھ میں سے نکل کر آئے تو آخر والے کو بھی ایسا ہی ثواب ہوگا جیسا کہ اول والے کو۔

اپنے مال کو دوسروں پر خرچ کرنے کے بارے میں بے شمار احادیث ہیں جن میں سے چند ایک ہم نے نقل کی ہیں، لیکن اس خرچ کے بارے میں اسلام نے ایک نظریہ یہ پیش کیا کہ یہ سب کام صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے ہو، دنیا کو دکھانے کے لیے نہ ہو۔ چنانچہ سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

> ''جس نے ریا کی نیت سے نماز پڑھی اس نے شرک کیا۔ جس نے ریاکاری اور دکھلاوے کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھلاوے کے لیے صدقہ دیا اس نے شرک کیا۔''②

گویا بتایا یہ کہ دکھلاوے کے لیے اگر صدقہ دیا تو صدقہ لینے والے کو تو فائدہ ہو گا لیکن دینے والے کو گناہ ہوگا کیونکہ ریا کو شریعت نے شرک کہا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے عمل میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو

---

① بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب أمر خادمه بالصدقة ولم يناول بنفسه، رقم الحديث ١٤٢٥

② رواہ احمد فی مسندہ

Marfat.com

شریک کرتا ہے تو میں اس سارے عمل ہی کو چھوڑ دیتا ہوں۔ میں صرف اسی عمل کو قبول کرتا ہوں جو خالص میرے لیے ہو۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب الحزن'' سے پناہ مانگا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! اس میں کون لوگ رہیں گے؟ فرمایا: ''جو اپنے اعمال میں ریاکاری کرتے ہیں۔'' ①

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کیلئے احسان کا نہ جتانا:

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے رضائے خداوندی کے علاوہ دوسری شرط یہ بتائی کہ جس پر خیرات کی جارہی ہے اس پر کوئی احسان نہ جتایا جائے اور نہ اسے کسی قسم کی کوئی ایذا اور تکلیف دی جائے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ ②

''اے ایمان والو! تم احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد نہ کرو۔ جس طرح وہ شخص (برباد) کرتا ہے جو اپنا مال دکھلاوے اور ریا کی غرض سے خرچ کرتا ہے۔''

ایک حدیث میں بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خَبٌّ وَلَا بَخِيلٌ وَلَا مَنَّانٌ)) ③

''جنت میں نہ تو دھوکہ باز داخل ہوگا، نہ بخیل اور نہ صدقہ کر کے احسان جتلانے والا۔''

صدقہ اور خیرات کے بارے میں یہ ساری تفصیلات ہم نے اس لیے نقل کی ہیں تاکہ اندازہ ہو کہ اسلام نے اس ایک تعلیم کے لیے کتنے گوشوں کا احاطہ کیا ہے۔

---

① رواہ الترمذی، بالفاظ مختلفة، کتاب الزهد باب ماجاء فی الریاء والسمعة، رقم الحدیث: ۲۳۸۳

② البقرہ: ۲٦٤

③ رواہ الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی البخیل، رقم الحدیث: ۱۸۸٦

Marfat.com

تمام اخلاق کی بنیاد دو قوتوں پر ہے:

اسی طرح اخلاقیات کے دوسرے احکام میں بھی اسی قسم کی وسعت اور ہمہ گیری نمایاں ہے۔ اس کے ساتھ اسلام کے فلسفۂ اخلاق سے آشنا حضرات جانتے ہیں کہ انسان کے تمام اخلاق کی بنیاد دو قوتوں پر ہے۔ قوت غضبیہ اور قوت شہویہ۔

قوت غضبیہ اس قوت کو کہتے ہیں جو اپنے نفس کے نامناسب امور کے پیش آنے پر ان کی مدافعت کرتی ہے جب کہ قوت شہویہ نام ہے نفس کے مناسب امور کے حصول اور طلب کی قوت کا۔ ان دونوں قوتوں کی افراط وتفریط اور اعتدال اور ان کے مختلف مراتب سے سینکڑوں اچھے برے اخلاقی جزئیات پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کا علم اخلاق میں الگ الگ نام ہے۔ چنانچہ قوت غضبیہ اگر افراط وتفریط سے پاک ہو تو اس کا نام شجاعت ہے۔ اسی طرح قوت شہویہ میں اگر کامل اعتدال ہو تو اس کو عفت کہتے ہیں۔ شجاعت مختلف پیکروں میں ڈھل کر مختلف ناموں سے پکاری جاتی ہے مثلاً خودداری، بہادری، حق گوئی، بلند ہمتی، بردباری، پرہیز گاری، شرم وحیا، خوش طبعی، نسل واولاد کی آرزو اور خانگی مسرت وغیرہ ناموں سے یاد کی جاتی ہے۔ عیسائیت میں ان دونوں قوتوں کی مذمت کی گئی ہے اور ان دونوں کو برا کہا گیا ہے جب کہ اسلام کی تعلیم یہ نہیں کہ اپنی قوت غضبیہ کو فنا کر کے دشمن کو پیار کرو اور نہ یہ کہ اپنی قوت شہویہ کو تباہ و برباد کر کے مجرد زندگی گزارو، بلکہ یہ ہے کہ اپنے ذاتی دشمنوں کو بہتر تو یہ ہے کہ معاف کر دو اور خدائی دشمنوں کے حق میں دعائے خیر کرو کہ انہیں ہدایت کی راہ نصیب ہو، اور خدا کے حلال کیے ہوئے لذائذ سے لطف اندوز ہوں، لیکن شریعت کے مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کرو اور بقول امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اسلام نے غصہ دبانے والے کی تعریف کی ہے غصہ مٹانے والے کی تعریف نہیں کی یعنی اس نے "وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ" کہا ہے۔ "وَالْفَاقِدِينَ الْغَيْظَ" نہیں کہا۔

اسلام نے نرمی کے موقع پر نرمی اور سختی کے موقع پر سختی کرنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ ایک جگہ قرآن حکیم میں فرمایا:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ،

Marfat.com

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ﴾①

''اور ان کے لیے تم سے جو کچھ طاقت مہیا ہو سکے (وہ مہیا کرو) اور گھوڑوں کا باندھنا تم تیار رکھو، اور اس سے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو مرعوب کرو۔''

اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انہیں ڈرایا کرو بلکہ یہ مطلب ہے کہ تمہارا ساز و سامان اور تمہاری جنگی تیاری، تمہارے میزائیل، تمہارا ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم چلانے اور استعمال کرنے کے لیے نہ ہو بلکہ ان چیزوں کا سن کر دشمن تم سے مرعوب ہو جائے اور تمہار مقابلہ کرنے کی جرأت نہ کرے۔ اس قسم کا پورا جنگی ساز و سامان رکھنا ایک مسلمان حکومت پر فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو جہاد کی غرض سے گھوڑوں کے رکھنے کو باعث اجر و ثواب بتایا ہے۔ فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں گھوڑا باندھتا ہے اور اس کا حق ادا کرتا ہے وہ اس کے لیے اجر و ثواب کا موجب ہے۔ جو ضرورت کے لیے باندھتا ہے اس کے لیے پردہ پوش اور جو نمائش کے لیے باندھتا ہے وہ اس کے لیے باعث عذاب و وزر ہے۔②

اللہ کے لیے محبت و دشمنی:

اصل میں لوگوں کو اور خصوصی طور پر غیر مسلموں کو ایک غلط فہمی یہ ہوگئی ہے کہ اسلام کے ماننے والوں کی محبت اور دشمنی اپنی ذات کے بارے میں ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ محبت، عداوت، موافقت اور مخالفت، رضامندی اور ناراضی انسان کے فطری جذبات ہیں اور فطرت کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ پھر دنیا کے تمام کام، تمام تحریکیں اور تمام جدوجہد یک قلم ختم کر دے تو اس کی ہر قسم کی گرم جوشیاں سرد پڑ جائیں گی اور انسان کا دل جس کو آگ کے شعلہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، برف کا تودہ بن جائے گا۔ اس لیے یہ تو ناممکن تھا کہ محبت اور غصہ کے جذبات کو سرے سے ختم ہی کر دیا جائے۔ لیکن اتنا ہو سکتا ہے کہ ان کے اندر سے شخصی میلانات اور ذاتی رجحانات کو علیحدہ کر دیا جائے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ان دونوں قوتوں کو

① الانفال: ٦٠

② صحیح البخاری، کتاب الجهاد: ٢/ ٤٠٣

Marfat.com

اپنی شخصیت کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے لیے استعمال کیا جائے۔ کسی کی مخالفت اور آزردگی، ذاتی خودغرضی اور شخصی نفع ونقصان کے لیے نہ ہو بلکہ یہ حق کی حمایت، نیکی کی اعانت، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لیے ہو، دوستی اور دشمنی، جنگ اور صلح محبت اور عداوت اپنے لیے نہیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ اسی بات کو اس حدیث میں یوں بیان فرمایا گیا:

((مَنْ أَحَبَّ لِلّٰہِ وَأَبْغَضَ لِلّٰہِ وَأَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْإِیْمَانَ))①

''جو اللہ کے لیے محبت کرے، اللہ کے لیے بغض رکھے، اللہ کے لیے کسی کو کچھ عطا کرے اور اللہ کے لیے روکے، اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کرلی۔''

یہ ناممکن ہے کہ انسان کسی چیز سے اور اس کی ضد سے بھی برابر محبت کرے۔ وہ جب خیر سے محبت کرے گا تو شر سے نفرت بھی کرے گا، کسی دوست سے محبت کرے گا تو دشمن سے عداوت بھی رکھے گا، ایمان سے محبت کرے گا تو کفر سے بیزاری کا اظہار بھی کرے گا۔ ایک ہی دل میں دو مخالف جذبوں اور متضاد صفات کی محبت اکٹھی اور یکجا نہیں ہوسکتی۔ اسی چیز کو سرکار دو عالم ﷺ نے یوں بیان فرمایا جب کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا: ''کون سی نیکی اللہ تعالیٰ کو سب سے پیاری اور محبوب ہے؟ کسی نے کہا نماز، کسی نے کہا زکوٰۃ اور کسی نے جہاد کو بتایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سنو! سب نیکیوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو یہ نیکی پسند ہے کہ ایک بندہ اللہ ہی کے لیے محبت اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھے۔②

پھر اسلام نے دوسری تعلیم یہ دی کہ مخالفت و محبت، صلح و جنگ وغیرہ جذبات میں نفسانی غرض و غایت کا کوئی دخل نہ ہو۔ اور کسی کی شخصیت سے مخالفت یا بیزاری نہ ہو بلکہ اس کے افعال، اعمال اور اخلاق سے مخالفت اور بیزاری ہو، بقول

---

① رواہ ابوداؤد، الترمذی، عن معاذ بن انس مع تقدیم و تاخیر وفی حدیث الترمذی فقد استکمل ایمانہ، مشکوٰۃ المصابیح: ۱/ ۱۵

② رواہ احمد فی مسندہ، کتاب مسند الانصار، باب حدیث ابی ذر الغفاریؓ: ۵/ ۱۴۶

Marfat.com

مولانا تھانوی قدس سرہ عاصی سے نفرت نہ ہو بلکہ اس کے معاصی سے نفرت ہو، بیمار سے نفرت نہ ہو بلکہ اس کی بیماری سے نفرت ہو۔ چنانچہ قرآن حکیم میں نفرت ومحبت کا ہدف انسان کو نہیں بلکہ اس کے اعمال وافعال کو بنایا گیا ہے۔ سورہ حجرات میں فرمایا:

''اللہ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنایا اور اس کو تمہارے دلوں میں مزین کیا اور کفر، فسوق اور نافرمانی کو تمہارے نزدیک مکروہ اور ناپسندیدہ بنا دیا۔'' ①

اس آیت میں بھی موصوف کو نہیں بلکہ صفات کو باعث محبت ونفرت بیان کیا۔ مومن اور فاسق اور عاصی کی ذات کو نہیں بلکہ ایمان کو محبت کا اور فسق وفجور اور عصیان کو نفرت وناپسندیدگی کا مواد قرار دیا۔ بتایا کہ ایک مسلمان کی محبت اور نفرت کا بنیادی سبب کوئی فرد نہیں بلکہ اس کی اچھی اور بری صفات ہیں، اور ایک مسلمان کی بیزاری اور نفرت کا بنیادی سبب کافر اور منافق نہیں بلکہ ان کا کفر ونفاق ہے۔ جب یہ ان سے دور ہو جائے گا تو قرآن ہی نے یہ فیصلہ دیا:

﴿فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ ②

''پھر وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی دشمنی نہ تو ذوات سے ہے اور نہ ہی دوامی ہے بلکہ صفات سے ہے اور وقتی اور عارضی ہے۔ اسلام میں شخصی یا نسلی یا وطنی، پیدائشی یا دائمی نفرت کا کوئی وجود نہیں اور نہ ہی ہندوؤں کی طرح ان میں کوئی ملیچھ اور نہ شودر اور نہ یہودیوں کی طرح کوئی پاک غیر مختون ہے، اسلام میں تو ایک عرب اور قریشی کافر ہو کر ابوجہل، ابولہب اور امیہ بن خلف ہو سکتا ہے اور ایک معمولی حبشی وعجمی مومن وموحد ہو کر بلال حبشی رضی اللہ عنہ اور صہیب رومی رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا رتبہ حاصل کر سکتا ہے۔ وہی عمر، ابوسفیان، عمرو بن العاص، ابوعبیدہ اور وہی خالد بن ولید رضی اللہ عنہم جو کل تک کفر کے علم بردار، قائد اور روحِ رواں تھے اور مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے، لیکن جونہی حلقہ بگوش اسلام ہوئے وہ مسلمانوں کے قائد اور سپہ سالار بن گئے اور پھر سب آپس میں بھائی بھائی بن

① الحجرات: ۷

② الاحزاب: ٥

Marfat.com

گئے، جس کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ، فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾①

"(وہ وقت یاد کرو) جب تم آپس میں دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی اور تم اس کے فضل و کرم سے بھائی بھائی بن گئے۔"

کامیاب معلم کی شرائط:

ایک کامیاب معلم کے لیے کئی شرائط ہیں، ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس میں اپنے اپنے موقع پر سختی اور نرمی دونوں ہوں۔ وہ ایک جراح ہوتا ہے جس کے ایک ہاتھ میں نشتر اور دوسرے ہاتھ میں مرہم ہوتی ہے۔ نشتر سے وہ دنبل اور پھوڑے کو چیر کر اس سے فاسد مواد نکالتا ہے اور مرہم کا پھایا لگا کر زخم کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔ اور اس کو مندمل کرتا ہے۔ کسی جراح یا سرجن کے پاس اگر دونوں میں سے صرف ایک چیز ہو تو وہ کامیاب سرجن نہیں ہے شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے ۔

درشتی و نرمی بہم در بہ است   چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است②

"سختی اور نرمی ملی جلی بہتر ہے جراح کی طرح کہ زخم لگانے والا اور مرہم رکھنے والا ہے۔"

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو آپ کی زندگی میں نرمی اور سختی دونوں کی مثالیں ملتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سختی کے وقت سختی اور نرمی کے وقت نرمی سے کام لیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا مگر یہ کہ اگر کوئی شریعت کی حدود کو توڑتا تو پھر آپ اس کو سزا دیتے۔③

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض حدود کی سزائیں بھی دیں۔ یہ آپ کی سختی کی مثالیں

---

① ال عمران: ۱۰۳

② بوستان: باب اول، ص ۲۵

③ بخاری، کتاب الحدود، باب اقامة الحدود: ۲/۱۰۰۳

Marfat.com

تھیں اور نرمی کی مثال یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک بدو مسجد نبوی میں آیا۔ اتفاق سے اس کو پیشاب کی حاجت ہوئی اس نے وہیں مسجد میں بیٹھ کر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی اس حرکت کو دیکھ کر چاروں طرف سے اس کو مارنے کے لیے دوڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روکا اور فرمایا کہ تم سختی کے لیے نہیں بلکہ نرمی کے لیے بھیجے گئے ہو۔ اس کے بعد اس بدوی کو بلا کر نہایت نرمی سے فرمایا کہ مساجد اللہ کا گھر ہیں اور یہ عبادت کے لیے ہیں نجاست کے لیے نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی یاد، نماز اور قرآن حکیم کی تلاوت کے لیے ہیں۔ پھر لوگوں سے فرمایا کہ اس پیشاب پر پانی بہا دو۔"①

اسی طرح ایک مرتبہ ایک شخص سے رمضان المبارک میں بحالت روزہ ایک غلطی ہوگئی۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ مجھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہم سے نہیں ہوگا۔ وہ اکیلا ہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ گیا اور واقعہ عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک غلام آزاد کرو۔" اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس تو ایک بھی غلام نہیں۔ فرمایا ساٹھ روزے رکھو۔ عرض کیا: "روزہ ہی میں تو یہ گناہ ہوا۔" فرمایا: "پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔" عرض کیا: "میں تو خود نادار اور کنگال ہوں۔" فرمایا: "بنی زریق کے صدقہ کے منتظم کے پاس جاؤ اور اس سے صدقہ کی رقم لے کر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ اور جو بچے وہ تم اور تمہارے گھر والے کھالیں۔ وہ خوش ہو کر اپنے قبیلہ میں آیا اور کہا: "تم کتنے سخت تھے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی نرمی فرمائی۔"②

ایسے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہیں تو بہت نرم لیکن جہاں حدود الٰہی کا معاملہ آجاتا وہاں چونکہ نرمی نہیں برتی جا سکتی تھی لہٰذا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سخت ہو جاتے ع

قاہری با دلبری پیغمبری است

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیم کا دوسرا اسلوب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیم کا دوسرا اسلوب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

① بخاری، کتاب الوضوء، باب صب الماء علی البول فی المسجد: ۱/۳۵، مسلم، کتاب الطھارہ: ۱/۱۳۸، باب وجوب غسل البول......الخ، مشکوٰۃ: ۱/۵۳

② ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی الظھار: ۱/۳۰۸

Marfat.com

فضائل کو نہایت عمدہ تشبیہات کے ساتھ اور رذائل کو قابل نفرت صورتوں اور تشبیہات میں اس طرح پیش کیا کہ سننے والا طبعی طور پر فضائل کی طرف مائل اور رذائل سے روگردان ہو جاتا، مثال کے طور پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ایک اخلاقی فضیلت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس طرح بیان فرمایا کہ ﴿كَمَثَلِ حَبَّةٍ﴾ ① یعنی اس نیکی کی مثال ایک دانہ کی ہے جو زمین میں ایک پودے کی شکل میں نکلتا ہے اور اس کو بالیں لگتی ہیں اور ہر بال میں سینکڑوں دانے ہوتے ہیں، اسی طرح نیکی کا ایک دانہ سینکڑوں ربانی انعامات کا باعث ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ نیکی جس میں ریاکاری اور دکھلاوا ہو وہ بے اثر اور بے نتیجہ ہوتی ہے۔ خداتعالیٰ کے ہاں اس کا کوئی بدلہ نہیں ملتا اور بعض دفعہ مخلوق پر بھی اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ قرآن حکیم نے اس کو اس اسلوب میں بیان کیا: ﴿كَمَثَلِ صَفْوَانٍ﴾ ② یعنی اس ریاکاری سے خرچ کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کسان اپنا بیج ایسی چٹان میں پھینک دے جس پر ذرا سی مٹی پڑی ہو۔ جہاں ذرا زور کی بارش ہوئی تو بیج اور مٹی دونوں بہ گئیں اور چٹان دھل کر صاف ہوگئی۔ اس بیج سے ایک دانہ بھی پیدا نہیں ہوگا۔'' اس قسم کی اور بے شمار تشبیہات قرآن حکیم میں موجود ہیں۔ جن میں برائی اور نیکی کو نہایت عمدہ اسلوب سے بیان کیا گیا ہے۔

تیسرا اسلوب:

ایک داعی اخلاق کے لیے تعلیم کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اچھے کاموں کو اچھے اور برے کاموں کے برے نتیجہ کو نہایت واضح طریقہ سے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ سننے والوں کو اچھے اخلاق اختیار کرنے اور برے کام کے ترک کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اپنی احادیث میں اور قرآن حکیم میں بھی اسی طریقہ تعلیم کو اختیار کیا گیا ہے۔ جیسا کہ شراب نوشی اور قمار بازی سے روکا اور ان کے برے نتائج لوگوں کے سامنے واضح طور پر بیان کیے گئے کہ شراب اور جوئے کے برے نتائج یہ ہیں کہ ان کا خاتمہ اکثر کھیلنے والوں کی باہمی دشمنی اور لڑائی پر بلکہ قتل تک ہوتا ہے اور انسان

① البقرة: ٢٦١
② البقرة: ٢٦٤

Marfat.com

ان چیزوں میں پھنس کر دین و دنیا کے فرائض سے یک قلم غافل اور بیکار ہو جاتا ہے اور اس کا نتیجہ جانی اور مالی بربادی ہوتی ہے۔

اسلام نے نہایت احسن طریقہ سے اور بلاغت کے مختلف اسلوبوں سے اخلاقی فضائل کی خوبی اور رذائل کی برائی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہن نشین کرا دی۔ چنانچہ سیدنا جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں وہ دربار رسالت میں اپنی پہلی حاضری کا واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ ''میں نے دیکھا کہ ایک شخص مجلس میں بیٹھا ہے، جو وہ کہتا ہے، ہر شخص اس کی بجا آوری میں پہل کرتا ہے، میں نے لوگوں سے پوچھا: یہ شخص کون ہے؟ انہوں نے کہا یہ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ سن کر میں نے دو دفعہ کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام'' (علیک السلام) آپ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ پھر فرمایا: علیک السلام نہ کہو یہ مردہ کا سلام ہے بلکہ السلام علیک کہو۔ میں نے کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ فرمایا: ہاں، میں اللہ کا رسول ہوں جس کو تم تکلیف میں پکارتے ہو تو وہ اس تکلیف کو دور کر دیتا ہے، اور جس سے خشک سالی میں مانگتے ہوں تو وہ اگا دیتا ہے، اور جس سے تم جب کسی لق و دق بے نشان بنجر میں ہوتے ہو، تمہاری سواری وہاں گم ہو جائے، تم دعا کرتے ہو تو وہ اس کو تمہارے پاس لوٹا دیتا ہے۔ میں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ ارشاد ہوا کسی کو برا نہ کہو۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ کے اس فرمانے کا یہ اثر ہوا کہ میں نے پھر کسی کو شریف ہو کہ غلام، یہاں تک کہ کسی جانور کو بھی برا نہیں کہا۔ آپ نے پھر یہ نصیحت فرمائی کہ تم کسی چھوٹی نیکی کو بھی حقیر نہ جانو یعنی اس کو کرو، اور تم کو چاہیے کہ اپنے بھائی سے جب بات کرو تو تمہارا چہرہ کھلتا رہے۔ یہ بھی نیکی ہے۔ اور اپنا تہہ بند آدھی پنڈلی تک اونچا کرو، اگر یہ نہیں تو ٹخنے سے اونچا ضرور رہے کیونکہ تہبند کو بہت نیچے تک لٹکانا غرور کی نشانی ہے، اور اللہ غرور کو پسند نہیں کرتا۔ اور اگر تمہیں کوئی گالی دے اور تم میں جو برائی وہ جانتا ہے تم کو اس کی عار دلائے تو تم اس کی اس برائی سے جو تم جانتے ہو اس کو عار نہ دلاؤ کہ اس کا وبال اس کی گردن پر ہوگا۔ ①

① سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی اسبال الآزار: ۲/ ۲۱۰

Marfat.com

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق

گذشتہ صفحات میں اسلام کے نظام اخلاق کے بارے میں کچھ اصولوں کو بیان کیا گیا ہے۔اسلام نے اپنی تعلیمات کی کتاب کا باب اخلاق صرف تھیوری (Theuary) ہی تک نہیں رکھا بلکہ سرکار دو عالم ﷺ نے ان تمام اخلاق کو لوگوں کے سامنے عملی طور پر پیش فرمایا۔قرآن حکیم کے ایک ایک لفظ پر عمل کر کے دکھایا تا کہ کل کو کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ قرآن حکیم پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔ بلکہ لوگوں سے اگر ایک پاؤ عمل کرنے کا مطالبہ کیا تو خود اس پر ایک سیر عمل کر کے دکھایا۔آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد جو قرآن حکیم نے بیان فرمائے ہیں وہ چار ہیں:

① تلاوت آیات ② تزکیہ نفس

③ تعلیم کتاب ④ تعلیم حکمت

قرآن حکیم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾①

''بے شک آپ اخلاق عظیم کے درجہ پر فائز ہیں۔''

اس آیت کی تفسیر میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے جن اعلیٰ اخلاق و ملکات پر آپ کو پیدا فرمایا، کیا

---

١ القلم: ٤

Marfat.com

دیوانوں میں اِن اخلاق و ملکات کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ایک دیوانے کے افعال واقوال میں قطعاً نظم وترتیب نہیں ہوتی، نہ اس کا کلام اس کے کاموں پر منطبق ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے آپ کی زبان قرآن ہے اور آپ کے اعمال واخلاق قرآن حکیم کی خاموش تفسیر، قرآن جس نیکی جس خوبی اور بھلائی کی طرف دعوت دیتا ہے وہ آپ میں فطرتاً موجود، اور جس بدی و زشتی سے روکتا ہے، آپ طبعاً اس سے نفور و بیزار تھے۔ پیدائشی طور پر آپ کی ساخت اور تربیت ایسی واقع ہوئی ہے کہ آپ کی کوئی حرکت اور کوئی چیز حد تناسب واعتدال سے ایک انچ ادھر ادھر ہٹنے نہیں پاتی۔ آپ کا حسن اخلاق اجازت نہیں دیتا کہ جاہلوں اور کمینوں کے طعن و تشنیع پر کان دھریں۔ جس شخص کا خلق اس قدر عظیم اور مطمح نظر اتنا بلند ہو، بھلا وہ کسی مجنون کے مجنون کہہ دینے پر کیا التفات کرے گا۔ آپ تو اپنے دیوانہ کہنے والوں کی نیک خواہی اور دردمندی میں اپنے کو گھلائے ڈالتے تھے جس کی بدولت ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ﴾① کا خطاب سننے کی نوبت آئی تھی۔ فی الحقیقت اخلاق کی عظمت کا سب سے زیادہ عمیق پہلو یہ ہے کہ آدمی دنیا کی ان حقیر ہستیوں سے معاملہ کرتے وقت خداوند قدوس کی عظیم ہستی سے غافل و ذاہل نہ ہو۔ جب تک یہ چیز قلب میں موجود رہے گی تمام معاملات عدل واخلاق کی میزان میں پورے اتریں گے۔

کیا خوب فرمایا شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے:

"سُمِّیَ خُلُقُهٗ عَظِيماً إِذْلَمْ تَكُنْ لَهٗ هِمَّةٌ سِوَى اللّٰهِ تَعَالٰى عَاشَرَ الْخَلْقَ بِخُلُقِهٖ وَذَاهلهم بِقَلْبِهٖ فَكَانَ ظَاهِرُهٗ مَعَ الْخَلْقِ وَبَاطِنُهٗ مَعَ الْحَقِّ"

① الكهف: ٦

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو عظیم اس لیے کہا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر توجہ کا مرکز صرف ذات خداوندی تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاق کے ذریعے مخلوق سے تعلق جوڑا اور دل سے انہیں بے تعلق رکھا۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر مخلوق کے ساتھ تھا اور باطن کا تعلق ذات برحق کے ساتھ تھا۔

اور بعض حکماء کا قول ہے:

''عَلَيْكَ بِالْخُلُقِ مَعَ الْخَلْقِ وَبِالصِّدْقِ مَعَ الْحَقِّ''①

سیدہ عائشہ صدیقہ ام المؤمنین سلام اللہ علیہا سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ آپ کے اخلاق کیا ہیں، تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

((إِنَّ خُلُقَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْآنَ))②

''آپ کے اخلاق قرآن حکیم تھے یعنی جو کچھ قرآن میں تھیوری کی شکل میں ہے وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں عملی شکل میں تھا۔''

علامہ یوسف الصالحی الشامی نے خلق کی تعریف میں فرمایا ہے:

''حسن خلق کی حقیقت وہ نفسانی قوتیں ہیں جن کی وجہ سے افعال حمیدہ اور آداب پسندیدہ پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے، اور یہ چیزیں اس کی فطرت بن جاتی ہیں۔''

یعنی جس طرح آنکھ بغیر کسی تکلف کے دیکھتی ہے اور کان ہر آواز کو بغیر تکلف کے سنتے ہیں اسی طرح وہ تمام افعال حسنہ پر بغیر تکلف کے عمل پیرا ہوتا ہے۔

اخلاق حمیدہ کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے علامہ یوسف الصالحی تحریر فرماتے ہیں کہ حسن خلق میں مندرجہ ذیل امور کو شامل کیا جاتا ہے:

''انسان بخل اور کنجوسی سے اجتناب کرے، جھوٹ نہ بولے، دیگر

---

① تفسیر عثمانی: ص ۷۴۸

② ابوداؤد: ، کتاب الصلوٰة، باب صلاة اللیل: ۲/۸۸، مسلم، کتاب المساجد، باب جامع صلاة اللیل: ۲/۱۶۹

اخلاق مذمومہ سے پرہیز کرے۔ لوگوں کے ساتھ ایسی گفتگو کرے اور ایسے کام کرے جو پسندیدہ ہوں۔ کشادہ روئی کے ساتھ اپنا مال خرچ کرے تاکہ اس کی نگاہوں میں اس کا وجود محبوب ہو جائے وہ اپنے رشتہ داروں اور بے گانوں کے ساتھ کشادہ روئی سے پیش آئے۔ وہ تمام معاملات میں آسانی کو ملحوظ رکھے اور سب سے درگزر کرے، کسی سے قطع تعلق نہ کرے، اعلیٰ اور ادنیٰ کی طرف سے جو تکلیف اسے پہنچے اس پر وہ ترش روئی کا مظاہرہ نہ کرے۔"

آخر میں فرماتے ہیں:

"فِي هٰذِهِ الْخِصَالِ تَجْمَعُ مَحَاسِنُ الْأَخْلَاقِ وَ مَكَارِمُ الْأَفْعَالِ"①

"انہیں خصال حمیدہ میں تمام اخلاق حسنہ اور افعال کریمانہ منحصر اور جمع ہیں۔"

اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ تمام صفات جلیلہ و جمیلہ کامل ترین صورت میں پائی جاتی تھیں، اس لیے حق تعالیٰ شانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ فرمایا: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾۔②

اس آیت میں "علیٰ" اظہار غلبہ کے لیے ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان اخلاق عالیہ پر پوری طرح قابو رکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ امور نہایت مشکل ہیں اور ہر موقع پر ان پر عمل پیرا ہونا از حد دشوار ہے لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان کو بجا لانے میں کوئی دقت نہ تھی۔ آپ بڑی آسانی سے تمام حالات میں ان پر عمل پیرا رہتے تھے۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کو "خلق عظیم" اس لیے کہا گیا ہے "لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لَهُ همة سِوَى اللّٰهِ" کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا حضور

---

① باب فی حسن خلقه، فی التنبيهات: ۱۳/۷

② القلم: ٥

Marfat.com

کے دل میں اور کوئی آرزو نہ تھی۔''①

گویا دو قرآن تھے ایک علمی قرآن اور دوسرا عملی قرآن، اور آپ کی فطرت طیبہ ہی اخلاق حسنہ میں گندھی ہوئی تھی۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعویٰ نبوت کیا تو سب سے پہلے آپ پر جو ایمان لائیں وہ آپ کی زوجۂ محترمہ ام المؤمنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا تھیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد تقریباً پندرہ برس آپ کی رفاقت میں رہیں۔ جب آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے، آپ کو سخت پریشانی ہوئی۔ آپ نے ان کو ان الفاظ میں تسلی دی:

((كَلَّا، وَاللّٰهِ! مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ أَبَداً إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَتَقْرِيْ الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ))②

''ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں اور مصیبت میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ نیکی سے دیتے تھے اور نیکی کا بدلہ بھی نیکی سے دیتے تھے، برائی سے نہ دیتے تھے، بلکہ اکثر آپ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ اکثر لوگوں کو معاف فرما دیتے تھے۔ اور آپ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو ان میں سے جو آسان ہوتی اسے اختیار فرماتے، بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو ورنہ آپ اس سے بہت دور ہوتے، اور آپ نے کبھی کسی شخص سے اپنی ذات کے بارے میں انتقام نہیں لیا، لیکن اگر کوئی احکام الٰہی اور حدود اللہ کو توڑتا تو اس کو سزا ملتی۔③

---

① سبل الهدى والرشاد، جماع ابواب صفاته النبوية، باب في حسن خلقه. في التنبيهات: ١٣/٧

② بخاري، كتاب بدء الوحي، باب ايضاً: ١/٢

③ بخاري، كتاب الحدود، باب اقامة الحدود، رقم الحديث: ٦٧٨٦، ترمذي: ٣٦٩/٤، مسلم: ٨٠/٧، ابوداؤد: ١٤٢/٥

Marfat.com

طبیعت میں رفق اور نرمی تھی اور کسی کو بے آبرو کرنا یا کسی کی توہین کرنا نہ آپ کے نزدیک جائز تھا اور نہ یہ آپ کا شیوہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہار تشکر فرماتے۔ یہ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ کسی چیز کو برا نہ کہتے۔ کھانا جیسا بھی آتا تناول فرما لیتے اور اس میں کوئی عیب نہ نکالتے۔ آپ کو دنیا اور دنیا کا سامانِ زیست غصہ نہ دلا سکتا کیونکہ ان چیزوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی رغبت نہ تھی۔ ویسے بھی مختلف روایات میں آپ کا یہ قول منقول ہے ''تمہاری دنیا میں سے'' مجھے فلاں فلاں چیز مرغوب ہے۔'' یعنی دنیا کی نسبت اپنی طرف نہیں کی بلکہ لوگوں کی طرف کی۔ معلوم ہوا کہ دنیا کو آپ کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اگر کوئی شخص حق کی مخالفت کرتا تو ناراض ہوتے اور حق کی حمایت میں رطب اللسان ہوتے۔ ذاتی معاملہ پر نہ تو کبھی غصہ آیا اور نہ ہی کبھی کسی سے انتقام لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت سے قبل اور بعد لوگوں کو جہاں توحید ورسالت اور نماز کی تلقین فرمائی وہاں اخلاقیات کی تعلیم بھی دی۔ اس بات کی شہادت آپ کے مخالفین نے بھی دی۔ بخاری وغیرہ میں ہے کہ ابوسفیان نے حالت کفر میں جب کہ وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت مخالف تھے، ہرقل کے دربار جہاں عربی اور غیر عربی کافی تعداد میں موجود تھے، اس نے بادشاہ کے سوال پر بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، کبھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ پھر جب ہرقل نے آپ کی تعلیمات کے بارے میں پوچھا تو ابوسفیان نے باوجود دشمن ہونے کے نہایت کھلے طریقہ سے کہا:

يَقُوْلُ! اللّٰهُ وَحْدَهٗ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَاتْرُكُوْا مَايَقُوْلُ آبَائُكُمْ، وَيَاْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ وَالصِّدْقِ، وَالْعِفَافِ وَالصِّلَةِ ①

''وہ فرماتے ہیں کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور کسی اور کو (نہ ذات میں اور نہ صفات میں) اس کے ساتھ شریک نہ ٹھیراؤ، ان تمام چیزوں کو جو تمہارے باپ دادا (غیر اسلامی) کرتے ہیں، ان کو یک قلم ترک کر دو، وہ ہم کو نماز، صداقت، پاک دامنی اور صلہ

① بخاری: ۱/ ۶۰۵، فتح الباری: ۸/ ۱۸۳، کتاب بدء الوحی، باب بدء الوحی: ۱/ ۳۰، ۳۸، کتاب التفسیر سورة ال عمران، باب قل یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة...... الخ: ۸/ ۱۶۸

Marfat.com

رحمی کا حکم دیتے ہیں۔"

معلوم ہوا کہ آپ حسن اخلاق کے اعلیٰ معیار پر قائم تھے، اور آپ ﷺ نے دنیا میں نہ صرف اخلاقی تعلیمات ہی کا پرچار کیا بلکہ حسن اخلاق کا ایک اعلیٰ نمونہ پیش کیا جس پر نہ صرف اپنوں نے بلکہ غیروں نے بھی آپ ﷺ کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔

حسن اخلاق اور دوام:

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ اخلاق یا خلق کا اطلاق انہی عادات اور اعمال پر ہوتا ہے جو پختہ ہوں اور انسان سے ان کا صدور بلا تکلف ہو۔ وہ اعمال جو کسی انسان سے اتفاقاً صادر ہوتے ہیں یا کسی وقتی جذبہ یا عارضی خوشی سے ظاہر ہوتے ہیں وہ خلق کہلانے کے مستحق نہیں۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے زندگی میں اکثر و بیشتر جو عمل کیے ان پر مداومت کی اور جو عمل بھی اختیار فرمایا اس پر شدت سے قائم رہے، چنانچہ ایک مرتبہ علقمہ رضی اللہ عنہ نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: "نبی اکرم ﷺ کا عمل کیسا تھا؟ کیا آپ کوئی عمل کسی خاص دن کرتے، یعنی آپ ﷺ کا عمل مسلسل اور دائمی ہوتا یا وقتی ہوتا۔ سیدہ نے فرمایا:

"لَوْ كَانَ عَمَلُهُ دِيمَةً وَأَيُّكُمْ يَسْتَطِيعُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَطِيعُ" ①

"آپ کا عمل ہمیشہ اور مسلسل ہوتا۔ پھر فرمایا کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ کر سکتے وہ تم میں سے کون کر سکتا ہے؟"

بخاری ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل زیادہ پسندیدہ ہے؟ فرمایا:

((أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ، وَقَالَ: اكْلَفُوا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ)) ②

"جس عمل پر انسان مداومت اور ہمیشگی اختیار کرے وہ عمل خواہ قلیل

---

① بخاری، کتاب الرقاق، باب القصد علی والمداومة علی العمل: ۷/ ۱۸۲

② بخاری، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومة علی العمل: ۷/ ۱۸۲

Marfat.com

ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد فرمایا انسان صرف انہی اعمال کو اختیار کرے جس کی وہ طاقت رکھتا ہے۔“

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے مجھے سختی اور شدت کرنے کے لیے نہیں بھیجا مجھے معلم بنا کر بھیجا ہے اور آسانیاں پیدا کرنے کے لیے مبعوث فرمایا۔“①

کسی عمل میں دوام اور ہیشگی بھی آسانی پیدا کرتی ہے۔ اس وجہ سے آپ کے اس فرمان کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ امت کو آسان کام کی تعلیم فرماتے تھے۔ اور دوسرا مطلب یہ کہ کام اگر مشکل بھی ہوتا تو اس کو ہمیشہ کرتے یہاں تک کہ وہ آسان محسوس ہونے لگتا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے۔ سات آٹھ سال کے تھے کہ آپ کی والدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے انہیں آپ کے پاس چھوڑ گئیں۔ فرماتے ہیں:

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی۔ اس وقت میری عمر آٹھ سال تھی جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس طویل عرصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کبھی اف تک نہیں کہا۔ جو کام میں کرتا اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا، جو کام نہ کرتا اس کے بارے میں کبھی نہیں فرمایا کہ یہ کام تم نے کیوں نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میرے کام کی تنقیص نہیں کی اور نہ اس میں کبھی کوئی عیب نکالا۔“②

سیدنا معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ ایک روز سرکار دو عالم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کر رہے تھے کہ ایک شخص کو چھینک آئی۔ میں نے کہا: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ (اللہ تم پر اپنی رحمت

---

① سبل الهدىٰ والرشاد، جماع ابواب صفاته المعنوية باب فى حسن خلقه: ٧/٦

② ابوداؤد، كتاب الطهارة، باب التخلى عند قضاء الحاجة، رقم الحديث: ٤٧٧٤ بالفاظ مختلفه

Marfat.com

کرے) دوسرے نمازی مجھے گھور گھور کر دیکھنے لگے۔ پھر میں نے اس شخص سے کہا: یَرْحَمُكَ اللّٰهُ ۔ پھر قوم مجھے گھور گھور کر دیکھنے لگی۔ ان کی اس حرکت سے میں حیران ہو کر رہ گیا۔ میں نے کہا: ''ہائے میری ماں مرے! یہ لوگ مجھے کیوں گھور کر دیکھ رہے ہیں۔ پھر نمازیوں نے اپنی رانوں پر اپنے ہاتھ مارے۔ اب مجھے سمجھ آئی کہ وہ مجھے خاموش رہنے کی تلقین کر رہے تھے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے نماز سے سلام پھیرا تو مجھے اپنے پاس بلایا

''میرے ماں باپ حضور اللہ صلی اللہ علیہ پر قربان ہوں، میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قبل اور آپ کے بعد کوئی ایسا معلم نہیں دیکھا جو اس طرح کے بہترین انداز سے تعلیم دیتا ہو۔ نہ آپ نے مجھے مارا، نہ مجھے برا بھلا کہا، نہ مجھے جھڑکا، بلکہ صرف اتنا فرمایا کہ تیری اس نماز میں لوگوں سے گفتگو درست نہیں بلکہ نماز میں تو اللہ کی تسبیح و تکبیر کہی جاتی ہے اور قرآن حکیم کی تلاوت کی جاتی ہے۔ (إِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ) ①

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایسا عمل پسند تھا جو مسلسل ہو اور جس کو کرنے والا ہمیشہ کرے، خواہ وہ عمل تھوڑا ہی ہو۔ یہی چیز اللہ تعالیٰ کو بھی پسند ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

''كَانَ أَحَبُّ الْعَمَلِ إِلَىٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي يَدُوْمُ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ'' ②

''رسول اللہ ﷺ کو وہ عمل پسند تھا جس کو اس کا کرنے والا ہمیشہ کرے۔''

آپ کی پوری سیرت کا آپ مطالعہ فرمائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جو

---

① سبل الهدیٰ: جماع ابواب صفاته المعنوية، باب فی حسن خلقه: ۷/۸، مشكوٰة المصابيح: ۱/۹۱، رقم الحديث: ۹۱٤

② بخاری، كتاب الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل: ۷/۱۸۲

Marfat.com

عمل کیا پھر اس پر مداومت بھی۔ رات کو آپ تہجد کے لیے اٹھتے تو ہمیشہ اٹھتے۔ رات کی عبادت آپ نے کبھی ترک نہیں فرمائی۔ ①

یہ تو عبادت کی بات ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا آپ مجھے دیکھ کر پیار سے مسکراتے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ مسکرائے نہ ہوں۔ ②

گویا کہ اخلاق حسنہ میں بھی آپ نے مداومت کے بنیادی نکتہ کو ترک نہیں فرمایا۔

أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى لَهٗ

---

① ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب قیام الیل: ۱/۱۸۵

② بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب من لم یثبت علی الخیل: ۴/۲۳۲، مسلم: ۷/۱۵۷۔

Marfat.com

اخلاقی تعلیمات کی اقسام

اسلام میں اخلاقی تعلیمات کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں۔

① اسلام میں ایک انسان کا دوسرے انسانوں بلکہ حیوانوں اور دوسری تمام چیزوں کے کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ یہ ان کے حقوق ہیں۔ جن حقوق وفرائض کو ادا کرنا ہر انسان کے ذمہ ضروری ہے۔

② انسان کے اپنے ذاتی اخلاق، کردار اور چال چلن کی اچھائی اور بلندی کا نام فضائل اخلاق ہے اور اس کے مقابل کا نام رذائل ہے جیسے صدق یعنی سچ بولنا اخلاقی فضائل ہے اور اس کی ضد کذب بیانی یعنی جھوٹ بولنا رذائل میں سے ہے۔ چنانچہ اسلام میں فضائل کی بے شمار قسمیں ہیں جیسے عفت و پاکبازی، سخاوت، دیانت و امانت، عدل و انصاف، تواضع و انکساری، خودداری وغیرہ اور اس کے مقابل رذائل کی بھی بہت سی قسمیں ہیں جھوٹ، وعدہ خلافی، خیانت اور بددیانتی، بہتان طرازی، چغل خوری، غیبت و بدگوئی، حرص وطمع، چوری، بے ایمانی، بخل اور ناپ تول میں کمی وغیرہ وغیرہ۔

③ اخلاقی کاموں کو اچھے اور عمدہ طریقہ سے بجا لانا اس کو آداب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جیسے کھانے پینے کے آداب، سونے کے آداب، گفتگو کے آداب، مجلس کے آداب، سفر کے آداب وغیرہ۔

وہ اعمال جو انسان کی عادت ثانیہ ہوتے ہیں دو قسم پر ہیں:

اس ضمن میں یہ بات ذہن میں رہے کہ حسن اخلاق دراصل ان فضائل کا نام ہے جن کا صدور ایک شخص سے بغیر کسی تکلف کے ہو، گویا یہ وہ اعمال ہیں جو انسان کی عادت ثانیہ ہوتے ہیں۔ان کی دو اقسام ہیں

① ایک قسم ان اوصاف کی ہے جو ایک انسان کی شخصیت کا حصہ ہوتے ہیں۔ان کو ہم صفات لازمہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ اوصاف ایک شخصیت کی ہیئت باطنہ کا حصہ ہوتے ہیں۔اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ اوصاف شخصیت کا وہ باطنی نور ہے جو از خود ماحول کو روشن کرتا ہے۔

② دوسری قسم ان اخلاق کی ہے جنہیں ہم صفات متعدیہ کہہ سکتے ہیں۔ یہ وہ صفات ہیں جو ظہور کے لیے کسی معمول کی محتاج ہوتی ہیں۔ان کے اظہار کے لیے ایک اور فریق کی بھی ضرورت پڑتی ہے، اور یہ فریق ثانی ایک فرد بھی ہو سکتا ہے، ایک جماعت بھی ہوسکتی ہے۔اور ایک معاشرہ بھی ہوسکتا ہے۔فریق ثانی کے بغیر اس صفت کا اظہار ناممکن ہوتا ہے۔

تین فطری قوتیں:

انسان میں اللہ تعالیٰ نے تین فطری قوتیں ودیعت فرمائی ہیں:

① قوت علمیہ ② قوت شہوانیہ ③ قوت غضبیہ

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ قوت علمیہ کے اعتدال کا نام حکمت ہے اور قوت شہوانیہ کے اعتدال کا نام عفت اور قوت غضبیہ کے اعتدال کا نام شجاعت ہے، اور تینوں قوتوں کے عدم اعتدال کو رذائل کا نام دیا گیا ہے۔ علمائے اخلاق کے نزدیک ان کی جو قسمیں ہیں اسلام کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔اسلام صرف ان کی عملی حیثیت کو پسند کرتا ہے کیونکہ اسلام کے نزدیک انسان کو صرف اخلاق کا علم مہیا کرنا ضروری نہیں بلکہ اخلاق کا عامل بنانا اور رذائل سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ وہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ انسان کو کسی طرح اچھے اخلاق کا پابند بنایا جائے اور برے اخلاق سے بچایا جائے۔اسی وجہ سے اسلام

نے اپنی تعلیم میں نہ صرف اخلاق بلکہ کسی اور شعبہ زندگی میں فلسفیانہ رنگ اختیار نہیں کیا کیونکہ اسلام صرف اہل فلسفہ ہی کے لیے نہیں آیا بلکہ دیہات میں رہنے والے ان پڑھ اور جاہل لوگوں کے لیے بھی آیا ہے اور ان کو بھی ایک اچھا انسان بنانا اسلام اپنے ذمہ ضروری قرار دیتا ہے۔ چنانچہ پورے قرآن حکیم میں کوئی فلسفیانہ بات نہیں کہی گئی۔

اسلام میں ہر وہ کام خواہ اس کا تعلق عقیدہ سے ہو یا عبادات سے، معاملات سے ہو یا اخلاقیات سے، اچھا اور احسن ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے۔ گویا اسلام کی مرکزی چیز اللہ کی خوشنودی اور رضا ہے۔ اس لحاظ سے اخلاق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ اخلاق جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ ان کو فضائل اخلاق کہتے ہیں۔ اور دوسرے وہ کام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا، یہ رذائل اخلاق کہلاتے ہیں۔

جن اوصاف اور اعمال کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے، وہ فضائل اخلاق ہیں، ان کی تفصیل اور تصریح قرآن وحدیث میں جا بجا ملتی ہے، مثال کے طور پر جن فضائل کو حق تعالیٰ پسند فرماتا ہے، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے بندوں کی توصیف میں بیان کیا ہے اور ایسے اوصاف والوں کی بخشش کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ایک مقام پر فرمایا:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾①

"اہل ایمان فلاح پا گئے جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرتے ہیں،
اور وہ لغو باتوں سے اعراض برتتے ہیں، اور وہ جو زکوٰۃ دیتے ہیں،
اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، لیکن اپنی بیویوں

---

① مؤمنون: ۱۔۱۱

سے اور اپنی (شرعی) باندیوں سے، کہ ان پر کوئی الزام اور ملامت نہیں، جو اس کے سوا کے خواہاں ہوں تو وہی حد سے بڑھنے والے ہیں، اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہدوں کا لحاظ رکھتے ہیں، اور وہ جو اپنی نمازوں کے پابند ہیں یہی اصلی وارث ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔"

ان آیات میں مومنوں کے اخلاقی فضائل کا ذکر کیا گیا ہے یعنی بے کار باتوں سے اعراض، عصمت اور پاک دامنی، امانت داری، ایفائے عہد وغیرہ کی صفات کا ذکر کیا۔اسی طرح قرآن وحدیث میں مختلف آیات میں مختلف فضائل کا ذکر کیا گیا ہے، جن میں سے چند ایک کا اجمالی بیان کیا جاتا ہے۔اور یہ وہ فضائل وخصائل ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر نہ صرف یہ کہ انسان کی زندگی سنور جائے گی بلکہ ہمارا معاشرہ اس معاشرہ کی تصویر بن جائے گا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیا تھا اور جس معاشرہ کی برکات دیکھ کر باہر سے آنے والا کچھ ہی وقت کے بعد دامن اسلام میں آجاتا تھا۔ اور ابدی لازوال کامیابی سمیٹ لیتا تھا۔اور آج ہمارا معاشرہ حقوق اللہ تو بڑے ذوق وشوق سے ادا کرتا ہے مگر حقوق العباد خصوصاً اخلاقیات اور معاملات میں کورا نظر آتا ہے جس کی وجہ سے نہ اعمال صالحہ کے اثرات اس پر مرتب ہوتے ہیں اور نہ ہی معاشرہ پر۔

آج ہم زبان سے تو بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں اس کے لیے کثیر مقدار میں روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ بڑی بڑی محافل ومجالس اور کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں جن کا نتیجہ صرف زیرو نکلتا ہے وجہ اس کی صاف ظاہر ہے کہ وہ تمام باتیں جو ہم کررہے ہیں وہ آداب وفضائل جو جوش وخروش کے ساتھ بیان کررہے ہوتے ہیں ان سے ہماری اپنی زندگیاں یکسر خالی ہوتی ہیں لہٰذا سب کچھ ریت کے ڈھیر کی مانند بکھر جاتا ہے۔اور ہمارے ہاتھ سوائے دنیا کے چند ٹکوں اور شہرت کے کچھ بھی حصے نہیں آتا۔

لہٰذا آج ضرورت ہے آقائے نامدار سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق زندگیاں گزارنے کی تاکہ ایک دفعہ پھر ہم پوری دنیا کے لیے نمونہ اور ہادی بن سکیں۔

Marfat.com

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم

کا صدق

اسلام میں صدق مقال کو بہت حیثیت دی گئی ہے بلکہ اخلاقی خوبیوں میں یہ سرفہرست ہے بلکہ دین کی بنیاد اگر اس کو کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ انسان کے ہر قول اور فعل کی درستی کی اساس یہ ہے کہ اس کا دل اور اس کی زبان باہم ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہوں۔ اسی چیز کا نام صدق ہے۔ جو شخص سچا نہیں اور صدق مقال اس کا وظیفہ زندگی نہیں، اس کا دل ہر برائی کا گھر ہوسکتا ہے، حق تعالیٰ خود بھی سچے ہیں ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ ① چونکہ اللہ تعالیٰ خود سچا ہے، اس لیے اس کا پیغام خواہ وہ قرآن کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں، وہ بھی سچا ہے۔ پھر جو لوگ اس پیغام کے حامل ہیں وہ بھی سچے ہیں۔ چنانچہ صداقت انبیاء علیہم السلام کی اولین صفت ہے۔ کیونکہ نبی کی اگر ایک بات بھی غلط ثابت ہو جائے تو پورا دین مشکوک ہو کر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کی صفت صدیق ذکر کی گئی۔ علماء نے لکھا ہے کہ صدق نبوت کا جزو لاینفک ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت سے قبل بھی الصادق الامین کہا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ کا بدترین دشمن ابوجہل کہا کرتا تھا ''اے محمد! میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا البتہ جو کچھ تم کہتے ہو اس کو صحیح نہیں سمجھتا۔ ② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے خاندان کو اسلام

---

① النساء: ۸۷

② ترمذی: ۵/ ۲۶۱، الشفاء، الفصل العدل والامانة......الخ: ۱/ ۲۶۹

Marfat.com

کی دعوت دی تو آپ ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر لوگوں کو آواز دے کر بلایا۔ جب لوگ اکٹھے ہو گئے تو آپ ﷺ نے انہیں یک دم یہ نہیں کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں بلکہ پہلے اپنی صداقت پر ان سے گواہی لی۔ فرمایا:

((إِنْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ مِنْ سَفْحِ هَذَا الْجَبَلِ، أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ))

''اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آرہا ہے تو کیا تم میری بات کو سچا جانو گے؟''

سب لوگوں نے بلند آواز سے کہا:

''مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِباً'' ①

''ہاں ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔''

ایمان لانے سے قبل رسول اللہ ﷺ کے بدترین دشمن بھی آپ کی صداقت کی گواہی دیتے تھے۔ چنانچہ قیصر روم کے دربار میں جب ابوسفیان کو آپ ﷺ کے بارے میں کچھ پوچھنے کے لیے بلایا گیا، تو قیصر نے پوچھا: ''تمہارے مدعی نبوت نے دعویٰ نبوت کرنے سے پہلے کبھی جھوٹ بولا۔ تو ابوسفیان نے نفی میں جواب دیا۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ قیصر روم نے پوچھا: ''تمہارے نزدیک وہ کبھی کذب کا مرتکب ہوا؟'' ابوسفیان نے جواب دیا نہیں۔ اس پر قیصر روم نے ابوسفیان سے کہا:

''مجھے یقین ہے اگر وہ اللہ پر افترا باندھتا تو وہ آدمیوں پر افتراء باندھنے سے کب چوکتا۔'' ②

اس سے معلوم ہوا کہ سچائی اور صدق انبیاء کرام علیہم السلام کی صفت لازمہ ہے اور اللہ کے نیک بندوں کی صفت بھی صدق اور سچائی ہے چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: ''یا رسول اللہ! مجھ میں چار بری خصلتیں ہیں۔ ایک

---

① بخاری، کتاب التفسیر: ٦/٩٤، سورة الشعراء، باب قوله و انذر عشيرتك الاقربين: ٢/٧٠٢، بالفاظ مختلفة.

② بخاری، کتاب التفسیر: ١/٦، ایضاً بالفاظ مختلفة

Marfat.com

یہ کہ میں بدکار ہوں، دوسری یہ کہ میں چوری کرتا ہوں، تیسری یہ کہ میں شراب پیتا ہوں اور چوتھی بری خصلت مجھ میں یہ ہے کہ میں جھوٹ بولتا ہوں۔ ان چاروں میں سے جس ایک کا فرمائیں میں آپ کی خاطر چھوڑ سکتا ہوں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جھوٹ نہ بولا کرو۔'' چنانچہ اس نے آپ ﷺ سے جھوٹ نہ بولنے کا عہد کرلیا۔ اب جب رات ہوئی تو اس کا شراب پینے کو جی چاہا اور پھر بدکاری کے لیے آمادہ ہوا، تو اس کو خیال آیا کہ صبح کو جب سرکار دو عالم ﷺ پوچھیں گے کہ رات تم نے شراب پی اور بدکاری کی؟ تو کیا جواب دوں گا۔ اگر ہاں کہوں گا تو شراب اور زنا کی سزا کا مستحق ہوں گا، اگر نہ کہوں گا تو بدعہدی کا مرتکب ہوں گا۔ یہ سوچ کر وہ ان دونوں بری خصلتوں سے باز رہا۔ جب رات زیادہ گزری اور رات کا اندھیرا خوب چھا گیا تو اس نے چوری کے لیے گھر سے نکلنا چاہا، لیکن پھر اسی خیال نے اس کے دامن کو پکڑ لیا کہ اگر کل حضور ﷺ نے پوچھا تو کیا کہوں گا۔ ہاں کہوں گا تو ہاتھ کٹے گا اور اگر نہ کہوں گا تو بدعہدی ہوگی۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے اس جرم سے بھی اپنے آپ کو بچا لیا۔ صبح ہوئی تو وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا اور عرض کی: ''یا رسول اللہ! جھوٹ نہ بولنے سے میری چاروں بری خصلتیں مجھ سے یک قلم چھوٹ گئیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نہایت خوش ہوئے۔ ①

ممکن ہے کہ یہ روایت سنداً کمزور ہو لیکن درایت اور نتیجہ کے لحاظ سے بالکل درست ہے کیونکہ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ سچائی کی عادت انسان کو بہت سی برائیوں سے بچاتی ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی والی جنت جو لوگوں کو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے عطا ہوگی اس میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو دنیا میں دوسری صفات کے ساتھ ساتھ سچائی اور راست بازی کی صفت کے حامل بھی ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ﴾ ②

''صبر کرنے والے اور سچے۔''

اور پھر قیامت کے بارے میں فرمایا:

---

① تفسیر عزیزی

② آل عمران: ۱۷

Marfat.com

﴿هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ﴾①

''یہ دن ہے کہ کام آوے گا سچوں کا ان کا سچ۔''

اسلام میں سچائی کی اہمیت اس قدر ہے کہ نہ صرف سچائی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا بلکہ یہ بھی تاکید کی گئی کہ ہمیشہ سچوں اور راست بازوں کا ساتھ دو۔ ان کی صحبت میں رہو۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾②

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو (یعنی تقویٰ اختیار کرو) اور راست بازوں اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔''

سچائی اور صدق کے معنی:

سچائی کے معنی صرف سچ بولنے کے نہیں بلکہ اسلام میں سچائی اور صدق کے بڑے وسیع معنی ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی چھ قسمیں احیاء العلوم میں بیان کی ہیں، لیکن عام طور پر اس کی تین قسمیں بیان کی جاتی ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:

① زبان کی سچائی ② دل کی سچائی ③ عمل کی سچائی

زبان کی سچائی:

زبان کی سچائی یہ ہے کہ آدمی اپنے منہ سے جو نکالے وہ سچ ہو اور منہ سے کوئی حرف سچائی کے خلاف نہ نکالے۔ یہ سچائی کی ایک عام قسم ہے جو کہ عوام میں مشہور ہے۔ وعدہ کا پورا کرنا اور قول و قرار کو نباہنا اسی ضمن میں آتا ہے۔ اس کے خلاف ہر قسم کا جھوٹ دل کے نفاق کے ہم معنی ہے۔ چنانچہ سورۃ احزاب میں ہے:

﴿لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ﴾③

''تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کی جزا دے اور منافقوں کو سزا دے

① مائدہ: ۱۱۹
② توبۃ: ۱۱۹
③ احزاب: ۲۴

Marfat.com

اگر چاہے۔"

اسی سلسلہ میں ایک حدیث بھی ہے کہ ایک شخص نے سرکار دو عالم ﷺ سے پوچھا: "کیا مسلمان نامرد ہوسکتا ہے؟" فرمایا: "ہاں، ہوسکتا ہے۔" پھر پوچھا: "کیا بخیل بھی ہوسکتا ہے؟" فرمایا: "ہوسکتا ہے۔" پھر دریافت کیا: "کیا مسلمان جھوٹا ہوسکتا ہے؟" فرمایا: "نہیں۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ کسی مومن کا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا جب تک وہ جھوٹ کو ہر طرح سے نہ چھوڑ دے یہاں تک کہ مذاق اور جھگڑے میں بھی اگرچہ وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو۔" ①

ایک اور مشہور حدیث میں ہے جس میں سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص میں چار باتیں ہوں وہ پکا منافق ہے اور جس میں ان میں سے ایک بات ہو تو اس میں نفاق کی ایک علامت پائی جاتی ہے، جب تک وہ اس کو نہ چھوڑ دے۔

① جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔
② جب کوئی وعدہ کرے تو اس کو پورا نہ کرے۔
③ جب جھگڑا کرے تو حق کے خلاف بات کرے۔
④ جب اس کے سپرد کوئی امانت کی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ ②

ایک اور روایت میں منافق کی تین علامات بتائی گئی ہیں:۔

① جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔
② جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے۔
③ جب اس کے سپرد کوئی امانت کی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ ③

---

① الترغيب والترهيب، كتاب الادب، الترغيب فی الصدق والترهيب من الكذب: ۳/ ۵۸۹

② بخاری ومسلم، کتاب الایمان، باب علامة المنافق: ۱/ ۱۰، ترمذی، ابواب الایمان، باب آية المنافق.

③ مسلم، کتاب الایمان: ۱/ ۵۶، بخاری، کتاب الایمـ[illegible]ـاب علامة المنافق: ۱/ ۱۰

Marfat.com

مسلم کی روایت میں ہے کہ اگر چہ وہ نمازی اور روزہ دار ہی کیوں نہ ہو اور اپنے کو مسلمان ہی کیوں نہ کہے۔" ①

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ سچائی کی راہ سے ایمان اور نیکی کا جذبہ ابھرتا ہے اور کذب بیانی اور جھوٹ سے نفاق اور برائی کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔

دل کی سچائی:

صدق اور سچائی کی دوسری قسم دل سے تعلق رکھتی ہے۔ صدق دل کا دوسرا نام اخلاص ہے۔ اگر دل کی سچائی نہ ہو تو بعض موقعوں پر زبان سے صدق کا اظہار بھی جھوٹ اور کذب بیانی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ منافقین مدینہ اپنی زبان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرتے تھے لیکن دل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو نہیں مانتے تھے اور قرآن نے کہا:

﴿وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ﴾ ②

"اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔"

عمل کی سچائی:

عمل کی سچائی یہ ہے کہ جو نیک عمل ہو وہ باطنی اوصاف کے مطابق ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص اپنی نماز میں خشوع وخضوع کا اظہار کرتا ہے لیکن اس سے اس کا مقصد صرف دکھاوا اور نمائش ہے تو یہ شخص ریاکار اور جھوٹا ہے۔ ایک اور عملی جھوٹ اس سے بھی بڑھ کر ہے، وہ یہ کہ ایک شخص دکھاوے اور نمائش کے لیے ایسا نہیں کرتا تاہم ظاہری طور پر اس کی نماز سے جو خشوع وخضوع ظاہر ہوتا ہے اس کے باطن میں وہ خشوع وخضوع نہیں ہے۔ اس لیے اس کے ظاہری اعمال اس کے باطن سے مطابقت نہیں رکھتے۔ اس وجہ سے وہ اپنے اعمال میں صادق نہیں ہے بلکہ جھوٹا ہے۔ چنانچہ عمل کے صدق کا مرتبہ یہ ہے کہ جو قول وقرار کیا جائے اس کا سچا عزم بھی کیا جائے اور وقت آنے پر اس کو پورا کر کے بھی دکھایا جائے۔ اس کی مثال حدیث میں ہے کہ سیدنا انس

① مسلم، كتاب الايمان، باب بيان خصال المنافق: ١/ ٥٦

② منافقون: ١

بن نضر رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوہ بدر میں شرکت کا موقع نہ ملا تھا۔ جس کا انہیں نہایت افسوس اور صدمہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ اس کے بعد اگر مجھ کو کسی غزوہ میں شریک ہونے کا موقع ملا تو میں اپنی بہادری اور جانبازی کے جوہر دکھاؤں گا۔ چنانچہ اگلے سال جب غزوہ احد پیش آیا تو اس میں وہ شریک ہوئے اور اپنی بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ اور نیزے، تلوار اور تیروں کے اسی زخم کھا کر مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ ایفائے عزم کی یہ ایک بہترین مثال ہے۔①

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدق اور سچائی کی تلقین کس وسعت اور گہرائی کے ساتھ کی۔ اور صادق اور صدیق کا اسلام میں کتنا بڑا رتبہ قرار دیا گیا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى لَهٗ

---

① البدایہ والنہایہ: ۲/ ٤٦٥، مطبوعہ دار الاشاعت، کراچی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وإنك لعلى خلق عظيم

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم

کی حیاء

شرم و حیا انسان کا ایک فطری وصف ہے۔ اس وصف سے اس کی بہت سی اخلاقی خوبیوں کی پرورش ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ جس معاشرہ میں مبعوث ہوئے تھے، وہ معاشرہ یک قلم خدا نا آشنا معاشرہ تھا اور تہذیبی اقدار کا وہاں پورا پورا فقدان تھا۔ ان کے ہاں کوئی اخلاقی نظام اور اس کی قدریں نہیں تھیں، لہٰذا شرم و حیا کا اس معاشرہ میں کوئی لحاظ نہیں تھا۔ آج کل کے یورپی اور مغربی معاشرہ کی طرح ننگا ہونا اور ننگا نہانا ان کے ہاں بالکل برا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مرد اور عورتیں مادرزاد برہنہ ہو کر طواف کعبہ کرتے تھے۔①

رفع حاجت کے لیے باہر میدانوں میں جاتے اور ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھ کر رفع حاجت کرتے بلکہ آپس میں باتیں بھی کرتے۔ کیونکہ عرب میں رفع حاجت کے لیے علیحدہ اور خاص انتظام نہ ہوتا تھا② رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی سخت ممانعت فرما دی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے ناراض ہوتا ہے۔③

آپ ﷺ نے فرمایا کہ حیاء اخلاقی اقدار میں سے ہے۔ چنانچہ فرمایا:

---

① ترمذی، کتاب التفسیر: ٥/٢٧٦

② بخاری، کتاب التفسیر: ٦/٢٤٨

③ ابوداؤد، کتاب الطہارۃ: ١/٢٢، باب کراھیۃ الکلام عند الخلاء: ١/٤

Marfat.com

((اَلْحَیَاءُ لَایَاْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ)) ①

''حیاء سے صرف نیکی اور بھلائی آتی ہے۔''

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ

''کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَشَدَّ حَیَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِیْ خِدْرِھَا'' ②

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیاء دار تھے۔''

حیاء دراصل بنیادی اخلاقی وصف ہے جس سے کئی دوسرے اخلاقی فضائل اور اوصاف جنم لیتے ہیں۔ عفت و پاکبازی اسی کی بدولت محفوظ و مصئون رہتی ہے اور آدمی اس کے باعث کئی اور گناہوں سے بچا رہتا ہے۔ اس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت عجیب انداز میں یوں بیان فرمایا:

''لوگوں نے پہلے انبیاء کی جو باتیں پائی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب تم میں شرم و حیاء نہیں تو جو چاہو کرو۔'' ③

((اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ))

حیاء اسلام کا ایک خاص وصف ہے۔ یہ خواہش و منکرات سے لوگوں کو روکتا ہے۔ اور شیطان کا سب سے پہلا حملہ جو انسان پر ہوا یا ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ اس سے حیاء کا وصف چھین لیتا ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیاء کے اس اخلاقی وصف پر نہایت زور دیا۔ فرمایا:

((لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقٌ وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ)) ④

---

① بخاری، کتاب الادب، باب الحیاء، رقم الحدیث: ٦١١٧

② بخاری، کتاب الادب، باب الحیاء، رقم الحدیث: ٦١١٩، مسلم، کتاب الفضائل، باب کثرۃ حیاتہ، رقم الحدیث: ٦٠٣٢، ابن ماجہ، کتاب الذھد، باب الحیاء، رقم الحدیث: ٤١٨٠

③ بخاری، کتاب الادب، باب اذا لم تستحیی ...... الخ: رقم الحدیث: ٦١٢٠

④ موطا امام مالک، کتاب حسن الخلق: ١/ ٩٠٤، ابن ماجہ کتاب الذھد باب الحیاء، رقم الحدیث: ٤١٨٢

Marfat.com

''ہر دین کا ایک خاص خلق ہوتا ہے اور اسلام کا خلق حیاء ہے۔''

ایک اور حدیث میں فرمایا:

((اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ)) ①

''حیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔''

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو حیاء بہت پسند ہے اور قرآن حکیم میں مختلف انداز میں اس کی ستائش اور تحسین فرمائی ہے: چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو مدین کے سفر میں دو لڑکیوں سے واسطہ پڑا۔ وہ دونوں لڑکیاں اگرچہ بدویانہ زندگی بسر کرنے کی عادی تھیں، لیکن ان میں حیاء کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا کہ ان کی عادت یہ تھی کہ جب تک تمام لوگ اپنے اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر چلے نہ جاتے وہ دونوں لڑکیاں اپنے مویشیوں کو پانی نہیں پلاتی تھیں تاکہ وہ مردوں سے اختلاط سے محفوظ رہیں۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ان کی بکریوں کو پانی پلایا اور وہ اس روز معمول کے خلاف جلدی گھر چلی گئیں اور اپنے باپ سیدنا شعیب علیہ السلام کو جا کر سارا واقعہ سنایا۔ اور جب ان کے باپ نے ان میں سے ایک کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بلانے کے لیے بھیجا، تو قرآن کے الفاظ ہیں:

﴿فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ﴾ ②

''پس ان دو لڑکیوں میں سے ایک اس حالت میں ان کے پاس آئی کہ حیاء اس پر غالب تھی۔''

''علیٰ'' کے الفاظ نے یہ واضح کیا کہ حیاء اس پر غلبہ کیے ہوئے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس لڑکی کی اس حالت کو مدح اور ستائش کے طور پر بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ حیاء اللہ کو بہت پسند ہے۔

یہ وصف انسان میں بچپن ہی سے فطری طور پر ہوتا ہے اور اگر اس کی مناسب تربیت کی جائے تو یہ وصف قائم رہتا ہے ورنہ ضائع ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے اسلام نے

---

① بخاری، کتاب الایمان، باب الحیاء من الایمان: ۱/ ۸، رقم الحدیث ۲۴

② قصص: ۲۵

Marfat.com

اس کی نگہداشت کی شدت سے تاکید کی اور ان تمام چیزوں کو ضروری قرار دیا جن سے یہ وصف قائم رہتا ہے، جیسے ستر عورت، نگاہیں نیچی رکھنا، بے حیائی کی باتوں کو نہ زبان سے کہنا نہ کانوں سے سننا، برہنہ ہونے سے منع کرنا یہاں تک کہ خلوت میں بھی اس کی اجازت نہ دینا، کیونکہ اگر تھوڑی بے حیائی کی جرأت بڑھتی جائے گی تو رفتہ رفتہ انسان بے حیاء ہوتا جائے گا۔ آج ہمارے معاشرہ میں برہنگی کا جو مرض بڑھتا جا رہا ہے وہ اسی طرح بڑھا ہے۔ عریانی اور بے حیائی کی باتوں سے رسول اللہ ﷺ کو طبعی طور پر نفرت اور کراہت تھی۔ چنانچہ رفع حاجت اور غسل کے جاہلی اور عجمی طریقوں کو آپ یک قلم ناپسند فرماتے تھے۔ حمام میں نہانے کی عجمی طریقوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:
''تم جب عجم فتح کرو گے تو وہاں حمام ملیں گے، ان میں جانا تو چادر کے ساتھ ستر ڈھانک کر جانا۔ روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے حمام میں غسل کرنے سے مطلقاً منع کر دیا تھا۔ پھر مردوں کو تو پردہ کی قید کے ساتھ اجازت دے دی لیکن عورت کے لیے ممانعت ہی رہی۔''①

آج بھی برہنہ نہانا مغربی ثقافت کا ایک حصہ ہے، چنانچہ یورپ میں غسل خانوں کے دروازے ہی نہیں ہوتے اور نوجوان لڑکے لڑکیاں مادر زاد برہنہ نہاتے ہیں۔ ساحل سمندر پر سن باتھ لینے کے لیے مرد و عورت ننگے لیٹے ہوئے ہوتے ہیں، بلکہ یورپ اور امریکہ میں بعض کلب ایسے ہیں جہاں کپڑے پہن کر جانا ممنوع ہے۔ پیغمبر انسانیت ﷺ نے ان سب باتوں اور طریقوں کو انسانی شرافت اور شائستگی کے خلاف قرار دیا۔ چنانچہ آپ کا اپنا واقعہ ہے کہ آپ ﷺ کے بچپن میں تعمیر کعبہ ہو رہی تھی۔ آپ ﷺ بھی اور لوگوں کے ساتھ پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ آپ ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تم تہبند کھول کر کندھے پر رکھ لو تا کہ پتھر کی رگڑ سے آپ کے نازک کندھے نہ چھلیں۔ آپ ﷺ نے چچا کی بات پر عمل کرتے ہوئے تہبند اتار کر مونڈھے پر رکھ لیا۔ ایسا کرنا تھا کہ آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی اور

---

① سنن ابی داؤد، کتاب الحمام، باب دخول الحمام: رقم ٤٠١١، ابن ماجہ، رقم الحدیث: ١٢٣٣

آپ ﷺ زمین پر گر گئے۔ آنکھیں آسمان پر لگی تھیں اور زبان مبارک پر تھا: ''میرا تہبند، میرا تہبند، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کی یہ حالت دیکھ کر اسی وقت آپ کا تہبند باندھ دیا۔①

بعض موقعوں پر آپ ﷺ کو بڑی تکلیف ہوتی تھی لیکن آپ حیاء کی وجہ سے زبان سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ جیسا کہ سورۃ الاحزاب میں ہے:

﴿إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ﴾②

''اس سے نبی کو اذیت ہوتی ہے اور وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں، اور اللہ تو حق کے سلسلہ میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا یعنی حق بات کہہ دیتا ہے۔''

یہ وہ موقع تھا کہ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی دعوت ولیمہ میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھانے کے بعد دیر تک باتیں کرتے رہے جس سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف تو ہو رہی تھی لیکن آپ ﷺ اپنی فطری حیاء کی وجہ سے اس کا اظہار نہیں فرماتے تھے، چونکہ ایسا کرنا نبوت کے آداب کے خلاف تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں ادب سکھایا۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''آپ ﷺ حیاء کی وجہ سے اپنے نفس پر تکلیف برداشت کرتے، لحاظ کی وجہ سے صاف نہیں فرماتے کہ اٹھ جاؤ مجھے کلفت ہوتی ہے۔ یہ تو آپ کے اخلاق اور مروت کی بات ہوئی، مگر اللہ تعالیٰ کو تمہاری تادیب و اصلاح میں کیا چیزیں مانع ہو سکتی ہیں اس لیے بہر حال پیغمبر ہی کی زبان سے اپنے احکام سنا دیئے۔''③

ایک مرتبہ ایک صحابیہ رسول اللہ ﷺ سے ایک مسئلہ پوچھنے کے لیے آئی۔ اس نے یہ سمجھا کہ یہ سوال عورت کی فطری حیاء کے خلاف ہے۔ اب مسئلہ بھی پوچھنا تھا،

---

① بخاری، باب بنیان الکعبۃ: ۲/ ۵٤٠

② الاحزاب: ۵۳

③ تفسیر عثمانی: ص ۵٤٤

Marfat.com

اس وجہ سے مسئلہ پوچھنے سے پہلے اس نے کہا: ''یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتا، کیا عورت پر جنابت کا غسل فرض ہے؟''

انصار کی عورتیں رسول اللہ ﷺ سے جو عورتوں کے مسئلے پوچھتی تھیں۔ ان کے دینی ذوق اور علم کی جستجو پر تبصرہ کرتے ہوئے سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

((نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ، لَمْ يَكُنْ يَمْنَعُهُنَّ الْحَيَاءُ أَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّينِ))①

''انصار کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں کہ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے ان کو حیا نہیں روکتی تھی۔''

قرآن و حدیث میں جہاں جہاں فحش، منکر اور سوء کے الفاظ آئے ہیں، ان سے بے حیائی کے تمام کام مراد ہیں، اور اسلام نے اس شدت کے ساتھ بے حیائی کے ان کاموں سے روکا ہے کہ حیاء اسلام کا ایک مخصوص اخلاقی وصف بن کر رہ گیا ہے۔ چنانچہ اسلام کی تعلیمات میں سے یہ بھی ہے کہ فطری مواقع کے علاوہ ایک مسلمان کو کبھی بھی شرم و حیا کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے یہاں تک کہ تنہائی اور خلوت میں بھی حیاء کے دامن کو نہ چھوڑے۔ اسی وجہ سے سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''برہنگی سے بچو، کیونکہ تمہارے ساتھ ایسے فرشتے رہتے ہیں جو صرف بول و براز اور مباشرت کے وقت تم سے الگ ہوتے ہیں، تم ان سے شرماؤ اور ان کا خیال رکھو۔''②

معلوم ہوا کہ حیاء ایک بنیادی وصف ہے اور اس کے بغیر انسانی شخصیت کی تکمیل نہیں ہوتی۔

حیاء کی اقسام:

حیاء کی کئی قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

---

① مسلم، کتاب الحیض، باب استحباب استعمال المغسلة......الخ: ١/ ١٧٩، رقم الحديث: ٧٥٠۔

② مشكوة المصابيح: كتاب النكاح، باب النظر الى المخطوبة و بيان العولات: ٢/ ٢٧٧، رقم الحديث: ٢٩٧٨

① حیاء کی ایک قسم یہ ہے کہ بندہ اپنے خالق کی حکم عدولی کی جسارت نہ کرے۔ جب اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ بندہ ہے اور اس کا ایک مالک ہے اور یہ فرمان اس کے مالک اور پروردگار نے دیا ہے تو پھر وہ اس کی حکم عدولی نہیں کرتا۔

② دوسری قسم حیاء کی اپنی ذات سے حیاء کرنا ہے۔ یہ شریف اور کریم النفس لوگوں کا شیوہ ہے انہیں اس بات سے حیاء آتی ہے کہ اللہ کا بندہ ہوتے ہوئے اس کے حکموں سے سرتابی کریں۔ یا اس کے بندوں میں سے کسی بندے کی دل آزاری یا حق تلفی کریں۔ اس حیاء کے باعث وہ اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔

③ حیاء کا کامل ترین درجہ یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک سے شرم و حیاء اس طرح کرے جس کی تشریح کچھ یوں ہے یعنی وہ تمہیں ایسی جگہ موجود نہ پائے جہاں اس نے تمہیں جانے سے روکا ہے اور وہاں تمہیں غیر حاضر نہ پائے جہاں حاضر ہونے کا اس نے تمہیں حکم دیا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی لَہٗ

Marfat.com

Marfat.com

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم
کی تواضع

تواضع کیا ہے؟ تواضع باب تفاعل کا مصدر ہے، اس کا معنی ہے عجز و انکساری،① اور یہ ان خصائل حمیدہ میں سے ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی اس کے موصوف سے محبت فرماتا ہے اور اس کے بندے بھی اس سے پیار کرتے ہیں۔

تواضع کبر کی ضد ہے اور کبریائی اللہ تعالیٰ کی صفت خاص ہے جس میں کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ اس لیے بندوں کی شان نہیں کہ وہ کبریائی کریں بلکہ بندہ ہونے کی وجہ سے ان کی شان تواضع و انکساری ہے۔

تواضع و خاکساری مومنوں کے لیے بھی ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے کہ

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾②

''اپنا بازو مومنین کے لیے جھکا دے۔''

والدین کے لیے بھی تواضع و انکسار کرنا چاہیے اور ان سے عاجزی اور فروتنی سے پیش آنا چاہیے۔ فرمایا:

﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾③

---

① تواضع ای تذلل وتخاشع، المعجم الوسيط: ص ١٠٤٠

② الحجر: ٨٨

③ بنی اسرائیل: ٢٤

Marfat.com

''اور والدین کے لیے عاجزی کا بازو مہربانی و محبت سے جھکا دے۔''

''خفض جناح'' کا لفظی مطلب تو ہے بازو جھکا دینا اور مراد اس سے تواضع و انکساری ہے۔

قرآن حکیم میں کئی مقامات پر فرمایا کہ ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ ① یعنی اللہ تعالیٰ شیخی خورے اور اترانے والے کو پسند نہیں فرماتے۔ تکبر کسی طریقہ سے اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں۔ خواہ اس کا اظہار باتوں سے ہو یا چال ڈھال سے یا آواز کی کرختگی سے۔ اللہ تعالیٰ کسی صورت بھی اس کو پسند نہیں کرتا کیونکہ کبریائی اللہ کی چادر ہے۔ (الکبریاء ردائی) البتہ تواضع وانکساری اور دنائت و پستی میں بہت فرق ہے۔ تواضع کا منشاء یہ ہے کہ انسان میں تکبر و غرور پیدا نہ ہو اور ہر شخص دوسرے کی عزت و تکریم کرے، جب کہ دنائت و پستی کا مطلب یہ ہے کہ بعض ذلیل اغراض کے لیے انسان اپنی خودی اور عزت کو پامال کر دے۔

بعض دفعہ خاکسارانہ روش کو روک دیا گیا کیونکہ اس سے ایک مسلمان کی ضعف اور کمزوری ظاہری ہوتی ہے۔ چنانچہ وہاں اسلام نے عارضی طور پر خود دارانہ کبر کا حکم دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمرۃ القضاء کے لیے تشریف لائے تو چونکہ مدینہ کے وبائی بخار نے ان کو کمزور کر رکھا تھا، اس لیے قریش مکہ نے انہیں طنز کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب طواف کعبہ نہیں کر سکتے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا کہ طواف کے پہلے تین چکر اکڑ کر چلیں تا کہ مشرکین مکہ پر ان کی طاقت و قوت کا اظہار ہو۔ ②

خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو مرتبہ عطا فرمایا وہ کسی مسلمان سے ڈھکا چھپا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اگر کوئی معزز ترین اور اعلیٰ ترین ہستی ہے تو وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ آپ خود فرماتے ہیں:

---

① لقمان: ١٨

② رواہ ابوداؤد، کتاب المناسک، باب فی الرمل، رقم الحدیث: ١٨٨٥

Marfat.com

((أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ)) ①

''یعنی میں سب اولاد آدم کا سردار ہوں، لیکن میں اس پر فخر نہیں کرتا۔''

اور لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اس پر فخر نہیں کرتا۔ ''وَلَا فَخْرَ'' کہہ کر یہ بتا دیا کہ میں شکر کے طور پر اور تحدیثاً بنعمۃ اللہ اس بات کا تذکرہ کر رہا ہوں، تکبر اور اپنی عظمت جتانے کے لیے اس کا ذکر نہیں کر رہا اگرچہ یہ بات باعث فخر ہے۔②

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام خوبیوں کے باوجود تواضع:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین کا لقب عطا فرمایا، قرآن حکیم جیسی بے مثل کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی، آپ کو جوامع الکلم عطا فرمائے، آپ کو رعب سے نصرت دی گئی، تمام زمین کو آپ کے لیے سجدہ گاہ بنا دیا، آپ کو قرآن جیسا علمی معجزہ عطا فرمایا، آپ کو پورے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے نام لے کر نہیں بلایا، آپ کی زندگی، شہر اور زمانہ کی قسم کھائی، آپ کے بارے میں قبر میں سوال ہوگا اور آپ کو مقام محمود عطا فرمایا۔ آپ جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا: ''میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو جنت کے دروازے کے حلقہ کو ہلائے گا، جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا، اور سب سے پہلے آپ کے لیے وہ دروازہ کھولا جائے گا، اور آپ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور پھر آپ کے بعد فقراء مومنین جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ تو آپ کی روحانی برتری کے اوصاف تھے، لیکن اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نہایت عالی خاندان میں پیدا فرمایا۔③ منصب نبوت کے باعث آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے

---

① رواه الترمذی، ابواب المناقب، باب انا اول الناس اذا خرجوا......الخ، ص ٥١٣، بالفاظ مختلفة، رقم الحديث ٣٦١٠، وكذافی المشكوٰة.باب فضائل سيد المرسلينؐ، الفصل الثانی: ٢/٥٢٣، رقم الحديث: ٥٥١٠

ابن ماجه، كتاب الذهد، باب ذكر الشفاعة: ٢/١٤٤٠، رقم الحديث: ٤٣٠٧

② زرقانی، شرح مواهب الدنية: ٧/٢٥٧

③ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص ہیں جنہیں بندے نے اپنی کتاب ''خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' میں مفصلاً بیان کیا ہے من شاء فليراجع.

Marfat.com

ایک اشارہ ابرو پر اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے تیار تھے، لیکن ان سب خوبیوں اور اوصاف جمیلہ و جلیلہ کے باوجود آپ کی طبیعت متواضع تھی۔ آپ کے قول و فعل سے ہمیشہ عجز وانکسار اور تواضع و خاکساری کا اظہار ہوتا تھا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ جبرئیل امین خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ اچانک آسمان ایک کنارے سے پھٹا۔ اچانک ایک فرشتہ کو دیکھا کہ وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہے۔ وہ حضرت اسرافیل تھے جو نہ اس سے قبل کبھی کسی نبی پر نازل ہوئے اور نہ آج کے بعد کبھی وہ آسمان سے اتریں گے۔ انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! آپ پر سلام ہو اور آپ کا پروردگار بھی آپ کو سلام کہتا ہے۔ میں آپ کے رب کی طرف سے آپ کی خدمت اقدس میں ایک قاصد کی حیثیت سے حاضر ہوا ہوں۔ میرے اللہ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں آپ کو اختیار دوں چاہے تو آپ ایسے نبی بنیں جو عبد ہو اور چاہے تو آپ ایسے نبی بنیں جو بادشاہ ہو۔ جبرئیل پہلے ہی حاضر خدمت تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ طلب کرنے کے لیے ان کی طرف نگاہ اٹھائی۔ انہوں نے تواضع اختیار کرنے کے بارے میں عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسرافیل سے فرمایا: ''بَلْ نَبِيًّا عَبْدًا'' میں ایسا نبی بننا چاہتا ہوں جو اپنے خالق و مالک کا بندہ ہو۔ اور اے عائشہ!

((لَوْ كُنْتُ نَبِيًّا مَلِكًا ثُمَّ شِئْتُ لَصَارَتْ مَعِيَ الْجِبَالُ ذَهَبًا)) ①

''اگر میں ایسا نبی بننا پسند کرتا جو بادشاہ بھی ہو تو یہ پہاڑ سونا بن کر میرے ہمراہ ہوتے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی ایسی خو اور عادت نہ تھی جو متکبروں اور مغرور لوگوں کا شیوہ ہوا کرتی ہے۔ جو شخص بھی آپ کی دعوت کرتا وہ خواہ امیر ہو یا غریب، کالا ہو یا گورا، سرخ رنگ کا ہو یا سیاہ رنگ کا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دعوت کو نہایت خوشی اور مسرت سے قبول فرماتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواضع کی ایسی ایسی باتیں منقول ہیں کہ انسان انگشت بدندان رہ جاتا ہے۔ جب کوئی غریب سے غریب شخص بھی بیمار ہو جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس

① سبل الهدىٰ والرشاد، باب فی تواضع رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم: ۳۱/۷

کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے۔ مفلسوں، ناداروں اور فقیروں کے ساتھ اس طرح بیٹھتے کہ کوئی شخص پہچان نہ سکتا۔ کسی مجلس میں جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے۔①

ایک مرتبہ ایک شخص آپ کو ملنے کے لیے آیا، لیکن آپ کی شخصیت کا رعب اس پر اس قدر طاری ہوا کہ وہ آپ کو دیکھ کر کانپنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس حالت کو دیکھ کر فرمایا: ''دیکھو، گھبراؤ نہیں، میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں میں ایک ایسی قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا ہوا گوشت ابال کر کھایا کرتی تھی۔ ((هَوِّنْ عَلَيْكَ فَإِنِّي لَسْتُ بِمَلِكٍ إِنَّمَا أَنَا ابْنُ امْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ كَانَتْ تَأْكُلُ الْقَدِيدَ))۔②

سید الکونین اور سرورِ کائنات ہونے کے باوجود گھر کے کام کاج میں گھر والوں کا ہاتھ بٹایا کرتے، بکری کا دودھ خود دھو لیتے، کپڑوں میں پیوند لگا لیتے، جوتا خود مرمت کر لیتے، بازار سے سودا سلف خود لاتے، غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے سے قطعاً کوئی اجتناب نہ فرماتے۔③

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے۔ کندھے پر جو قبا ڈالی ہوئی تھی اس کے دونوں کناروں کو آپس میں گرہ دی ہوئی تھی۔ ایک اعرابی نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کی: ''یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی قبا کیوں پہنی ہوئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے اس لیے یہ معمولی قبا پہنی ہوئی ہے تا کہ میں کبر و غرور کی بیخ کنی کر سکوں۔''④

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر سوار ہوتے تھے اور اپنے پیچھے کسی خادم کو بٹھا لیتے، اور اگر کوئی غلام بھی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کرتا تو آپ اس کی دعوت کو شرفِ قبولیت فرماتے۔

---

① بخاری، کتاب المرضیٰ، باب عيادة المريض راكباً: ٧/ ٧٠٤، بالفاظ مختلفة شمائل ترمذی، باب ماجآء فی تواضع رسول الله ﷺ: ص ٣٤٦.

② الشفاء، قاضی عياض، الفصل فی التواضع: ١/ ٢٦٦،
مستدرك حاكم، كتاب المغازی والسرايا ذكر دخول الناس فی الاسلام بعد فتح مكه: ٣/ ٤٨

③ سبل الهدیٰ والرشاد، باب فی تواضع رسول الله ﷺ: ٧/ ٣٢

④ شمائل ترمذی: ص ٣٣٧

Marfat.com

ایک دفعہ بارگاہِ رسالت میں ایک بھنی ہوئی بکری پیش کی گئی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر تناول فرمانے لگے۔ ایک اعرابی نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! یہ کیا طریقہ ہے؟'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ جَعَلَنِي عَبْداً كَرِيماً وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّاراً عَنِيداً)) ①

''اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا کریم النفس بندہ بنایا ہے، مجھے صاحب جبروت اور سرکش نہیں بنایا۔''

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ دیکھا ایک خاتون اپنے چھوٹے بچوں کے ساتھ سرکارِ دو عالم ﷺ کے بالکل قریب بیٹھی اپنی معروضات بارگاہِ نبوت میں پیش کر رہی ہے۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ منظر دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ قیصر و کسریٰ کی طرح بادشاہ نہیں بلکہ اللہ جل شانہ کے نبی اور رسول ہیں۔ ②

ایک مفلوک الحال عورت بیمار ہو گئی۔ بارگاہِ نبوت میں عرض کیا گیا: ''یا رسول اللہ! فلاں خادمہ بیمار ہے۔'' سرکارِ دو عالم ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ وہ فقراء اور مساکین کی عیادت فرمایا کرتے تھے اور ان کا حال دریافت فرماتے تھے۔

مدینہ کی کمسن بچیاں بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتیں، اور اگر کسی بچی کو کوئی کام ہوتا تو وہ اپنے آقا کا دستِ مبارک پکڑ کر آپ ﷺ کو اپنے ساتھ لے جاتی اور حضور ﷺ اپنا دستِ مبارک اس کے ہاتھ سے اس وقت تک نہ کھینچتے تھے جب تک اس کا مقصد پورا نہ ہو جاتا۔

ایک روز سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایک بکری ذبح کی اور اس کی کھال اتار رہے تھے رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے گزرے۔ دیکھا کہ انہیں کھال اتارنے کا

---

① سبل الهدىٰ والرشاد، باب في تواضع رسول الله ﷺ: ٧/ ٣٥

② البدایه والنهایه: ٣/ ٤٦٩

Marfat.com

طریقہ اور ڈھنگ نہیں آ رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''معاذ! ہٹ جاؤ، میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ کھال کیسے اتاری جاتی ہے۔ پھر سرکار دو عالم ﷺ نے اس بکری کی کھال اتار کر دکھائی پھر فرمایا: ''اے نوجوان! اس طرح کھال اتارا کرو۔''①

فاتح مکہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع:

سرکار دو عالم ﷺ فتح مکہ کے روز جب فاتحانہ جاہ وجلال سے مکہ میں داخل ہوئے تو وہ ایک عجیب منظر تھا۔ عام حالت میں متواضع ہونا تو معمولی بات ہے لیکن جب کوئی شخص کسی ملک میں فاتحانہ طور پر داخل ہو تو پھر متواضع انداز کو اختیار کرے تو یہ ایک بہت بڑی بات ہے۔ فاتحین ایسا کرتے نہیں۔ قرآن حکیم نے بادشاہوں کے بارے میں کہا ہے کہ ''جب وہ کسی شہر میں فاتحانہ طور پر داخل ہوتے ہیں تو فساد برپا کردیتے ہیں اور وہاں کے عزت دار لوگوں کو ذلیل کر کے رکھ دیتے ہیں۔''② لیکن ایک شخص جب فتح مکہ کا تصور کرتا ہے تو اس کے سامنے ایک عجیب منظر پیش ہوتا ہے۔ آپ کے دائیں بائیں ہزاروں جان نثار چل رہے تھے جو آپ کے ایک اشارہ ابرو پر سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار تھے۔ ایک جرار اور پُرجوش لشکر آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔ یہ وہ شہر تھا جہاں آپ رات کی تاریکی میں بے کسی کے عالم میں نکلے تھے۔ ظلم وجور کی تمام کیفیات قلب وذہن میں جاگزین ہیں لیکن فخر وغرور، کبر وعجب اور غضب وانتقام کا کوئی اثر اس فاتح کے چہرہ اقدس میں دکھائی نہیں دیتا۔ چشم فلک نے دیکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی گردن جھکائی ہوئی تھی اور سر مبارک اس قدر جھکا ہوا تھا کہ کجاوے سے آ کر لگتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کی ریش مبارک پالان کے ساتھ والی لکڑی کو چھو رہی تھی اور آپ کی مبارک آنکھوں سے ازراہ تواضع اشک رواں تھے۔③

تواضع وانکساری اور عجز وفروتنی کا ایسا منظر چشم فلک نے کم ہی دیکھا ہوگا۔

مسند احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ سرور کائنات ﷺ جب اپنے کاشانہ میں

---

① البدایہ والنہایۃ: ۳/ ۴۷۱

② النمل: ۳۴

③ سیرۃ النبی ﷺ ابن ھشام، باب دخول النبی ﷺ مکۃ یوم الفتح...... الخ: ۵/ ۶۸

Marfat.com

تشریف لاتے تو بیکار نہ رہتے۔ اگر کوئی کپڑا پھٹا ہوتا تو اسے سیتے، اپنے جوتے کی مرمت فرماتے، کنویں سے پانی کے ڈول نکالتے اور اس کی مرمت کرتے، اپنے ذاتی کام خود انجام دیتے، کبھی کبھی کاشانہ اقدس کی صفائی بھی فرما دیتے۔ اپنے اونٹ کے گھٹنے باندھتے۔ اپنی اونٹنی کو چارہ ڈالتے۔ خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مل کر اس کے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹاتے اور اپنا سودا سلف بازار سے خود اٹھا کر لاتے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات کے بارے میں یوں ارشاد فرماتی ہیں:

"يَخِيطُ ثَوْبَهُ وَيَخْصِفُ نَعْلَهُ وَيَرْقَعُ دَلْوَهُ وَيُفْلِي ثَوْبَهُ وَيَحْلُبُ شَاتَهُ وَيَخْدِمُ نَفْسَهُ" ①

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑوں کو خود سیا کرتے تھے، جوتے کو خود گانٹھتے تھے، اور اپنے ڈول کو خود درست کرتے تھے، اپنی بکری کا دودھ خود دوہتے تھے اور اپنے کام خود اپنے ہاتھوں سے کیا کرتے تھے۔"

سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی مصروفیات کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ نرم خو تھے۔ ہر وقت مسکراتے اور ہنستے رہتے تھے۔ کسی شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محفل میں پاؤں پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا۔" ②

یہ سارے کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے کرتے تھے تا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تواضع و انکسار کا طریقہ سکھائیں اور تکبر و غرور کے جراثیم ان میں پیدا نہ ہوں۔

روایات میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس مدینہ طیبہ تشریف

---

① رواہ الترمذی و احمد، کتاب باقی مسند الانصار، باب حدیث السیدۃ عائشۃ و ابن سعد، البدایہ والنہایہ: ۳/۴۷۸، الشفاء، الفصل فی التواضع ذکر قیامہ علیہ السلام باعمال البیت: ۱/۲۶۶، دار الفیحاء عثمان، سبل الھدیٰ والرشاد، الفصل فی تواضع: ۷/۳۶

② بخاری کتاب الادب، باب التبسم والضحک، رقم الحدیث: ۶۰۹۲

Marfat.com

لاتے تو مدینہ طیبہ کے بچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لیے دوڑ کر آتے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ساتھ سواری پر سوار کر لیتے۔ اگر کچھ بچے رہ جاتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم فرماتے کہ ان کو اپنی سواریوں پر سوار کر لیں۔ ①

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرتا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کان مبارک اس سے نہ ہٹاتے جب تک وہ سرگوشی سے فارغ نہ ہو جاتا۔ جب کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک پکڑتا جب تک وہ دست مبارک کو پکڑے رہتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے دست مبارک کو نہ کھینچتے، اپنی مجلس میں بیٹھنے والوں سے اپنے گھٹنوں کو آگے نہ کرتے۔ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملاقات حاصل کرتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے سلام کہنے میں پہل فرماتے اور اپنے صحابہ کے ساتھ مصافحہ فرماتے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ملاقاتیوں کی عزت افزائی کیا کرتے۔ بسا اوقات اپنی چادر مبارک ان کے لیے بچھاتے اور اس کے اوپر بیٹھنے پر اصرار فرماتے، اور اگر تکیہ ہوتا تو اپنے مہمان کو پیش کرتے اور اسے مجبور کرتے کہ وہ اس پر بیٹھے۔ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کنیت سے بلاتے تاکہ ان کی عزت افزائی ہو۔ اگر کسی صحابی کے بہت سے نام ہوتے تو اس نام سے اسے یاد کرتے جو اس کو سب سے زیادہ پسند ہوتا۔ اگر کوئی شخص گفتگو کر رہا ہوتا تو قطع کلام نہ کرتے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اگر نماز میں مصروف ہوتے اور کوئی شخص ملاقات کے لیے حاضر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز کو مختصر کر دیتے اور اس سے از راہ لطف دریافت فرماتے کہ وہ کیوں آیا ہے؟ جب اس کی ضرورت کو پورا فرما دیتے تو دوبارہ نماز میں مشغول ہو جاتے۔ ②

سیدنا عمر بن واثلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جعرانہ کے مقام پر تشریف فرما دیکھا۔ میں اس وقت نوعمر تھا۔ اسی اثناء میں ایک خاتون آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک اس خاتون کے لیے بچھائی اور اس کو اس پر بٹھایا۔ عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے

---

① رواہ احمد فی مسندہ

② البدایہ والنہایۃ: ۳/ ۲۷۱، بالفاظ مختلفة

Marfat.com

ساتھیوں سے پوچھا: ''یہ خاتون کون ہے؟'' انہوں نے بتایا: ''یہ آپ ﷺ کی رضاعی والدہ حلیمہ ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔'' گویا رضاعی والدہ کی اس قدر عزت و تکریم کی کہ سیدنا الکونین ﷺ نے اپنی چادر مبارک اس کو بٹھلانے کے لیے بچھا دی۔①

اسی طرح ایک روز رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے کہ آپ کا رضاعی باپ خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی عزت و تکریم کے لیے اپنی چادر کا ایک گوشہ اس کے لیے بچھا دیا۔ وہ اس پر بیٹھ گیا۔ آپ کی رضاعی والدہ تشریف لائیں آپ ﷺ نے اپنی چادر کا دوسرا گوشہ اس کے لیے بچھایا، وہ بھی اس پر بیٹھ گئیں۔ پھر آپ ﷺ کا رضاعی بھائی آیا۔ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور اسے اپنے سامنے بٹھایا۔

سرکار دو عالم ﷺ ہر بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے خواہ وہ بیمار کافر ہو یا یہودی یا عیسائی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک یہودی نوجوان بیمار ہو گیا۔ آپ ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ یہ یہودی آپ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ اس کے سرہانے کے قریب بیٹھ گئے اور اسے فرمایا: ''اسلام قبول کر لے۔'' اس بیمار نوجوان نے اپنے باپ کی جانب اذن طلب نگاہوں سے دیکھا۔ باپ نے اس سے کہا: ''أَطِعْ أَبَا الْقَاسِمِ '' ابوالقاسم (حضور ﷺ کی کنیت) کے حکم کی اطاعت کرو۔ چنانچہ وہ خوش بخت اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ آپ ﷺ جب اس کے پاس سے اٹھ کر آئے تو آپ ﷺ کی زبان پر یہ کلمات تھے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ))②

''سب تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے اس کو جہنم کی آگ سے نجات دلائی۔''

آپ ﷺ خود ہی بیماروں کی عیادت کے لیے تشریف نہ لے جاتے بلکہ امت

---

① اسد الغابہ، ذکر حلیمہ بنت ذوئب اختلاف راوی کے ساتھ: ٦٨٤٨، رواہ احمد۔

② رواہ البخاری، و کذافی المشکوٰۃ، کتاب الصلاۃ، باب عیادۃ المریض: ص ١٣٧۔

Marfat.com

کو بھی تلقین فرمائی کہ وہ بھی بیماروں کی عیادت کے لیے جایا کریں۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

((مَنْ عَادَ مَرِیْضاً نَادَاہُ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاکَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا)) ①

''جو شخص کسی مریض کی عیادت کے لیے جاتا ہے تو ایک منادی آسمان سے یہ ندا کرتا ہے تو پاک ہو گیا تیرا چلنا بھی پاکیزہ ہو گیا اور جنت میں ایک بلند منزل پر تمہیں متمکن کر دیا گیا۔''

اور ابوداؤد میں روایت ہے کہ

''جو شخص وضو کرتا ہے اور بڑے اچھے طریقے سے وضو کرتا ہے اور پھر صرف رضائے الٰہی کے لیے اپنے بیمار بھائی کی بیمار پرسی کرتا ہے تو اسے جہنم سے ستر سال کی مسافت پر دور کر دیا جاتا ہے۔'' ②

مختصر یہ کہ اسلام میں تواضع وانکساری ایک شریفانہ اخلاق ہے اور یہ انسان کو بلند رتبہ بنا دیتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ''جو اللہ کے لیے تواضع وانکساری سے کام لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے رتبہ کو بلند فرماتا ہے۔''

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص عمدہ کپڑے پہننے کی طاقت اور استطاعت رکھتا ہے لیکن وہ تواضع اور انکساری سے عمدہ کپڑے نہیں پہنتا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس شخص کو سب لوگوں کے سامنے بلائے گا اور اس کو اختیار دے گا کہ ایمان کا جو حلہ وہ پسند کرے اس کو پہن لے۔'' ③

غرض کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تواضع کا حکم اس لیے دیا

---

① رواہ ابن ماجة، کتاب ماجاء فی الجنائز، باب ماجاء فی ثواب من عاد مریضاً، کذافی المشکوٰة: ص ١٣٧

② ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فی فضل العیادة علی وضوء، رقم الحدیث: ٢٦٩٣

③ ترمذی، رقم الحدیث: ٢٠٢٩، مشکوٰة المصابیح، کتاب اللباس: ص ٣٧٥

Marfat.com

تا کہ کوئی شخص اپنی قوت اور دولت کو بیجا استعمال نہ کرنے پائے جس سے غرباء اور مساکین کے دل کو ٹھیس پہنچے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ وحی بھیجی ہے کہ تواضع و انکساری اختیار کرو تا کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے اور نہ کوئی کسی کے مقابل میں فخر کرے۔①

اس سے معلوم ہوا کہ تواضع سے معاشرتی زندگی میں خوش گوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ غریب کو اپنی غریبی کا احساس نہیں ہوتا اور غریب اور امیر کی کش مکش ختم ہو جاتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی لَہٗ

① ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی التواضع، رقم الحدیث ٤٢٥٠

Marfat.com

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم

کی حلم و بردباری

حلم کیا ہے؟ علمائے محققین نے حلم کی تعریف یہ کی ہے

"اِنَّ الْحِلْمَ حَالَةُ تَوْقِیرٍ وَثَبَاتٍ عِنْدَالْاَسْبَابِ الْمُحَرِّکَاتِ"

"یعنی بڑے اشتعال انگیز عوامل کے باوجود انسان میں چھچھورے پن کا ظہور نہ ہو بلکہ وہ وقار کا کوہِ گراں بنا ہوا اپنے موقف پر ڈٹا رہے۔"

اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ حلم اور بردباری کا مطلب ہے انتقام کی قدرت کے باوجود کسی اشتعال انگیز اور ناگوار بات کو برداشت کرنا اور زیادتی کرنے والے کو سزا نہ دینا۔ یہ ایک بہت بڑی صفت ہے کیونکہ یہ صفت خداوندی ہے جو اپنی پوری قدرت اور طاقت کے باوجود بندوں کے ان کاموں کو جو وہ منشاء خداوندی اور رضائے الٰہی کے خلاف کرتے ہیں، نہایت صبر و تحمل سے برداشت کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک نام "حلیم" بھی آتا ہے جس کا مطلب ہے "بردبار۔" چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ ①

"اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔"

---

① بقرہ: ۲۲۵

Marfat.com

قرآن حکیم میں کہیں ﴿واللہ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ﴾ ①

کہیں فرمایا ﴿واللّٰہُ شَکُوْرٌ حَلِیْمٌ﴾ ②

جہاں اللہ تعالیٰ حلیم ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی صفت ''حلم'' سے نوازا۔ چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ لَاَوَّاہٌ حَلِیْمٌ﴾ ③

''بے شک ابراہیم بڑے نرم دل اور متحمل تھے۔''

ایک اور مقام پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاہٌ مُّنِیْبٌ﴾ ④

''بے شک ابراہیم بردبار، نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔''

حلم کی صفت اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ چنانچہ ایک شخص کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں دو باتیں ایسی ہیں جن کو خدا پسند کرتا ہے یعنی حلم اور جلد بازی نہ کرنا۔'' ⑤

ایک مرتبہ ایک شخص نے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ آپ نے اسے ہر بار یہ جواب دیا کہ ''غصہ نہ کرو۔'' اگر غصہ آ بھی جائے تو اس کو پینا پڑے گا⑥۔ کیونکہ غصہ نہ کرنا بہت مشکل بات ہے، لیکن اگر غصہ آ جائے اور پھر اسے ضبط کرنا اس سے بھی نہایت مشکل ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِصَرْعَۃٍ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِی یَمْلِکُ نَفْسَہٗ عِنْدَ الْغَضَبِ)) ⑦

---

① بقرہ: ۲٦۳
② تغابن: ۱۷
③ التوبہ: ۱۱٤
④ ھود: ۷٥
⑤ ترمذی: ٤/ ۲۷۱
⑥ ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی کثرۃ الغضب: ٤/ ۳۷۱، رقم الحدیث ۲۰۲۰
⑦ بخاری، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب: ۷/ ۹۹، رقم الحدیث: ٦۱۱٤

''پہلوان وہ نہیں جو لوگوں کو کشتی میں پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے
جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص استطاعت اور قدرت کے باوجود اپنے غصہ کو ضبط کرے گا اسے اللہ جل شانہ قیامت کے روز سب کے سامنے بلا کر خاص انعام سے نوازے گا''۔①

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! میرے کچھ رشتہ دار ہیں، میں ان کے ساتھ ملتا ہوں، وہ کاٹتے ہیں، میں بھلائی کرتا ہوں وہ بدی کرتے ہیں، وہ میرے ساتھ جہالت کرتے ہیں میں تحمل و بردباری کو راہ دیتا ہوں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ اگر یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ تم کہتے ہو تو تم اس کے منہ میں گرم راکھ بھرتے ہو، اور جب تک تم اس حالت پر قائم رہو گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد ہوتی رہے گی۔②

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حلم و بردباری ہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی ذاتی معاملہ میں کسی سے انتقام نہیں لیا سوائے اس کے کہ کسی شخص نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی ہو۔③

سفر طائف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بردباری:

طائف کے لوگوں نے آپ کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا۔ پہلے تو وہاں کے سرداروں عبد یالیل، مسعود اور حبیب پسران عمرو بن عمیر ثقفی نے آپ کے ساتھ نہایت توہین آمیز رویہ اختیار کیا۔ جس کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے④۔ پھر ان

---

① ترمذی، کتاب البرو الصلة، باب ماجاء فی کظم الغیظ: ٤/٣٧٢، رقم الحدیث:٢٠٢١

② مسلم، کتاب البرو الصلة، والاداب، باب فضل صلة الرحم:٢/٤٣٣،رقم: ٤٧٠٤

③ بخاری، کتاب الحدود، باب اقامة الحدود، رقم الحدیث: ٦٧٨٦

④ البدایه والنهایه ،ذکر سفر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الطائف: ٣/١٣٥،سبل الهدیٰ والرشاد، الباب فی سفر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الطائف: ٢/٤٣٨

Marfat.com

بدنصیب لوگوں نے وہاں کے اوباشوں اور آوارہ گردوں کو شہ دے دی۔ یہ اوباش اور آوارہ گرد آپ کو گالیاں دیتے، تالیاں پیٹتے، شور مچاتے آپ کے پیچھے لگ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اتنی بھیڑ جمع ہوگئی کہ آپ ﷺ کے راستہ کے دونوں جانب وہ لوگ کھڑے ہوگئے، پھر گالیوں اور بدزبانیوں کے ساتھ پتھر بھی چلنے لگے۔ سنگ باری نہایت تیز تھی۔ اس سنگ باری سے آپ کی پنڈلیوں پر گہرے زخم آئے۔ گھٹنے چور ہو گئے۔ بدن مبارک لہولہان ہو گیا اور آپ کے دونوں نعلین مبارک خون میں تر بتر ہو گئے۔

اس نازک وقت میں آپ نے جس بردباری اور حلم کا مظاہرہ کیا وہ ایک پیغمبر ہی کے شایانِ شان ہے۔ اس وقت جو دعا آپ ﷺ نے فرمائی وہ "دعائے مستضعفین" کے نام سے مشہور ہے۔ اس دعا کے ایک ایک جملہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ طائف میں اس بدسلوکی سے دو چار ہونے کے بعد اور کسی ایک شخص کے بھی ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ کس قدر رنجیدہ اور دل افگار تھے، اور آپ کے احساسات اور جذبات پر حزن و ملال اور رنج و غم کے کیسے گھنے اور دبیز بادل چھائے ہوئے تھے۔ اہل طائف کی وحشیانہ حرکتوں سے مجروح اور زخمی محمد ﷺ انگور کے چھدرے سایہ میں نڈھال بیٹھے ہیں، دل افگار اور درد سے لبریز، زخموں میں ٹیس اور چبھن، مگر پیشانی بارگاہ الوہیت میں سجدہ ریز اور زبان مبارک مصروف دعا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش میں نغمہ ریز۔ آپ ان الفاظ کے ساتھ بارگاہِ الوہیت میں نغمہ ریز ہوئے۔ اس دعا کے ایک ایک لفظ سے حلم و بردباری ٹپکتی ہے:

"اے اللہ! میں اپنے عجز و بے بسی اور لوگوں کی نظروں میں اپنی بے قدری اور بے بضاعتی کا تجھ سے شکوہ کرتا ہوں، اے سارے مہربانوں میں سب سے زیادہ مہربان ذات، اے کمزوروں اور ناتوانوں کے مربی! تو ہی میرا رب ہے، تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ یا کسی بیگانے کے سپرد کرے گا جو میرے ساتھ نفرت اور تندی سے پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر تو مجھ سے ناخوش نہیں ہے تو مجھے ان

Marfat.com

مصائب کی کوئی پروانہیں۔ تیری عافیت اور بخشش میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میری سمائی تیری عافیت کی گود ہی میں ہے۔ تیرے چہرے سے وہ نور جس سے اندھیریاں روشنی بن جاتی ہیں، جس کے ادنیٰ جلوے سے دنیا اور آخرت کے بگڑے ہوئے کام سنور جاتے ہیں، میں اسی نور کی پناہ لیتا ہوں۔ میں پناہ مانگتا ہوں اس چیز سے کہ مجھ پر تیرا غضب اور عتاب نازل ہو۔ تجھ ہی کو منانا ہے اور اس وقت تک منانا ہے جب تک تو راضی نہ ہو جائے۔ اے اللہ! مجھ میں نہ طاقت ہے اور نہ زور۔ جو کچھ طاقت ہے وہ تیرا ہی صدقہ ہے، جو کچھ قوت ہے وہ تیری ہی عطا ہے۔ میری کوئی تدبیر کارگر نہیں۔ کارساز تو ہی ہے، بگڑی کو بنانے والا تو ہی ہے۔"

دعا ختم ہوئی تو مکہ مکرمہ کی راہ پر چل پڑے۔ دل غمگین تھا بلکہ پاش پاش تھا۔ طبیعت نڈھال اور حسرت ویاس کے دھوئیں سے دم گھٹ رہا تھا۔ سر جھکائے ہوئے تشریف لے جارہے تھے کچھ دھیان پلٹا تو دیکھا کہ ایک پہاڑی سامنے ہے جس کو قرن الثعالب یا قرن المنازل کہتے ہیں، آپ یہاں ٹھٹکے۔ اوپر نظر اٹھائی تو دیکھا کہ ایک بادل آپ ﷺ پر سایہ فگن ہے۔ بادل پر نظر ڈالی تو دیکھا جبرئیل امین جلوہ افروز ہیں اور فرما رہے ہیں:

"اللہ نے سن لیا اور دیکھ لیا تم نے جو کچھ کہا اور جو کچھ لوگوں نے جواب دیا۔ جس طرح تم کو واپس کیا اور جو سلوک تمہارے ساتھ کیا وہ بھی بخوبی دیکھ لیا۔ اب یہ پہاڑ کے فرشتے (ملک الجبال) موجود ہیں۔ اللہ نے ان کو بھیجا ہے۔ آپ حکم کریں یہ تعمیل کریں گے۔"

اس کے بعد پہاڑوں کا فرشتہ سامنے آیا۔ سلام عرض کی پھر کہا:

"اے محمد! تمہاری قوم کی تمام باتیں تمہارے رب نے سنیں، دیکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے۔ آپ ﷺ جو چاہیں حکم دیں میں تعمیل ارشاد کروں گا۔ آپ ﷺ حکم دیں کہ دونوں طرف جو پہاڑ ہیں، ان کو ملا کر ان تمام گستاخوں اور بے ادب لوگوں کو پیس ڈالوں۔"

یہ ایک آزمائش تھی۔ پیغمبر کے بجائے کوئی اور ہوتا تو فوراً اس فرشتے کی معرفت اپنا انتقام لے لیتا، لیکن یہاں تو حلم و بردباری، صبر وضبط اور تحمل واستقلال کا ایک امتحان تھا۔ وہ بھی ایک آزمائش تھی۔ یہ وسعت ظرف، فراخ حوصلگی اور دعویٰ رحم وکرم کا امتحان تھا، اور اس امتحان میں صرف ایک نبی ہی ثابت قدم رہ سکتا ہے۔

فرشتے کی یہ بات سن کر خوشی ومسرت کے بجائے آپ کا قلب مبارک بے تاب ہو گیا۔ خدا کی مخلوق نبی کی کھیتی ہوتی ہے۔ کیا یہ کھیتی برباد کر دی جائے؟ کیا یہ امت نیست ونابود کر دی جائے؟ یہ سوال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شان کے مطابق یہ جواب دیا:

"اگر یہ بدنصیب لوگ راہ راست اور صراط مستقیم پر نہ آئیں تو ان کی نسل سے میں ہرگز ناامید نہیں ہوں۔ مجھے پوری امید ہے کہ ان کی نسل میں وہ لوگ ہوں گے جو خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔" ((أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللّٰهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا))①

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب میں آپ کی یگانہ روزگار شخصیت اور ناقابل ادراک گیرائی اور گہرائی رکھنے والے "خلق عظیم" کے جلوے دیکھے جا سکتے ہیں اور حلم و بردباری کی شان اس جواب سے جھلکتی ہے۔②

واقعہ افک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بردباری:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ازحد تکلیف دہ واقعہ "افک" تھا۔

---

① بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة: ۱/۴۵۸، مسلم: ۲/۱۵۹

② البدایه والنهایة: ۳/۱۳۵، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن هشام: ۱/۴۱۹، عیون الاثر لابن سید الناس، باب ذکر خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الطائف: ۱/۱۳۴ فتح الباری: ۶/۲۲۵، دلائل ابی نعیم عرض نفسه علی ثقیف الفصل السادس رقم الحدیث: ۲۲۱

Marfat.com

منافقین نے آپ کی پاک دامن زوجہ مطہرہ سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا پر (نعوذ باللہ من ذالک) تہمت لگائی۔ منافقین نے اس بے بنیاد واقعہ کو اس قدر شہرت دی کہ پورا مدینہ اس شرانگیز پروپیگنڈہ کی زد میں تھا۔ اس کے نتیجہ میں مدینہ کی مسلم سوسائٹی بحران کا شکار تھی اور خود سرکار دو عالم ﷺ بھی از حد پریشان تھے، لیکن اس انتہائی تکلیف دہ اذیت ناک حالات میں بھی آپ ﷺ نے حلم و بردباری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے سواری پر تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں لوگوں کا ایک مجمع تھا۔ شاید کوئی میٹنگ ہو رہی تھی۔ آپ رکے تو اس اجتماع میں موجود عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے سواری کی گرد کی وجہ سے چادر ناک پر رکھ لی اور کہا: ''دیکھو، گرد نہ اڑاؤ۔'' سرکار دو عالم ﷺ نے اس اجتماع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں کو دعوت اسلام دی۔ عبداللہ بن ابی نے کہا:

''اے شخص! جو تم کہہ رہے ہو وہ مجھے اچھا نہیں لگا۔ اگر یہ حق ہے تو ہمیں مجلس میں تنگ نہ کرو اور جہاں سے آئے ہو وہیں چلے جاؤ۔ ہم میں سے جو تمہارے پاس آئے اُسے سنانا۔''①

اس کی یہ بات سن کر سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آپ ضرور تشریف لائیں گے۔'' اس پر اس نے کچھ تلخ سا جواب دیا۔ بات کچھ زیادہ بڑھ گئی اور تلواریں نکل آئیں، لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے سمجھا بجھا کر معاملہ ٹھنڈا کر دیا۔ اس اجتماع سے اٹھ کر آپ ﷺ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور ان سے فرمایا: ''تم نے عبداللہ کی باتیں سنیں؟'' سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! آپ اس شخص کی ان باتوں کو محسوس نہ کریں۔ یہ وہ شخص ہے جس کے لیے آپ ﷺ کی آمد سے قبل اہل مدینہ نے ریاست کا تاج تیار کر لیا تھا تاکہ اسے پہنائیں (اور اسے اپنا بادشاہ

---

① بخاری، کتاب المرضیٰ، باب عیادۃ المریض راکباً وماشیاً: ۷/۷

بنائیں) جب حق کی وجہ سے جو اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کو عطا کیا ہے، یہ منصوبہ نا کام ہو گیا تو اسے شرمندگی ہوئی۔'' (اور اس شرمندگی کی وجہ سے یہ ایسی اول فول باتیں کرتا ہے۔) ①

اس قسم کے بے شمار واقعات آپ کی زندگی میں ملتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے نہایت ناپسندیدگی اور انتہائی ناگواری کے احوال و کیفیات میں بھی صبر و تحمل کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی صفت حلم کا بہترین مظہر اور پرتو تھے۔ آپ نے امت کو بھی یہی تلقین کی کہ مشکل اور ناپسندیدہ حالات میں حلم و بردباری کو نہ چھوڑیں۔

أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى لَهٗ

① نفس المصدر

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم
کا رفق و لطف

رفق و لطف کے معنی ہیں معاملات میں سختی کے بجائے نرمی اور سہولت اختیار کرنا۔ یہ سہولت اور نرمی زبان سے بھی ہو سکتی ہے عمل اور رویہ سے بھی ہو سکتی ہے کیونکہ نرمی پتھر کو موم کر دیتی ہے اور دل کو موہ لیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں ایک لفظ ''لطیف'' بھی قرآن وحدیث میں آیا ہے، لغت میں بھی لطیف کے کئی معنی بیان کیے گئے ہیں جن میں ایک معنی یہ بھی ہے کہ ''وہ اپنے بندوں کی راہ نمائی میں نرمی (رفق) فرماتا ہے۔''①

امام بیہقی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ''اللہ جل شانہ کا نام لطیف اس لیے ہے کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ بھلائی اور آسانی کا خواہاں ہے اور ان کے لیے اصلاح اور نیکی کے اسباب کا فیضان کرتا ہے، لطیف اس لیے کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ بھلائی اور آسانی فرماتا ہے، ان کے ساتھ اس طرح لطف اور نرمی فرماتا ہے جس کا علم بھی ان کو نہیں ہوتا، اور اس طرح ان کی مصلحتوں کا سامان فراہم کرتا ہے کہ جس کا ان کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ ابن الاعرابی کا قول ہے، لطیف وہ ہے جو تمہاری ضرورت کو تم تک ملائمت (نرمی سے) پہنچا دیتا ہے۔①

اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن حکیم میں ''لطیف'' کا لفظ آیا ہے اور احادیث میں اسی

① مفردات لفظ لطف، المعجم الوسيط: ٨٦٢

② كتاب الاسماء والصفات: ص ٧٤

Marfat.com

کا نام ''رفیق'' آیا ہے جس کے معنی ہیں کہ وہ اپنے ہر قسم کے بندوں کے ساتھ ان کی خبر گیری اور ان کو رزق کا سامان پہنچانے میں رفق و لطف فرماتا ہے، اپنے اس تلطف میں وہ ان کی اطاعت اور عدم اطاعت کی پروا نہیں کرتا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب، گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم، تو کہ با دشمناں نظر داری

قرآن حکیم میں ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿اللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ﴾ ①

''اللہ اپنے بندوں پر لطف فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے روزی عطا فرماتا ہے اور وہی قوت والا غالب ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے سیدنا یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ السلام کو خلاف گمان جس طرح منصب امارت پر سرفراز فرمایا اور پھر ان کے سارے خاندان کو غیر متوقع طریقے سے مصر پہنچایا، اور دشمن بھائیوں کو جنہوں نے حسد کی وجہ سے ان کو کنویں میں پھینک کر آتش حسد فرو کی تھی، جس طرح ان کے سامنے نادم اور شرم سار کیا اور پھر ان کے سامنے ان کو سرنگوں کیا، اس کو یاد کر کے وہ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ ②

''بے شک میرا رب لطف کرنے والا ہے جس بات کا چاہے، بے شک وہی علم والا حکمت والا ہے۔''

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ حدیث میں ''رفق'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ ان کی خبر گیری اور ان کو رزق عطا کرنے میں رفق و لطف اور شفقت و رحمت سے کام لیتا ہے۔ اللہ کی دونوں صفات نرمی اور نرم خوئی کی شکل میں نبوت کی صفت خاصہ ہیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام فرعون جیسے سنگ دل اور جابر بادشاہ کے دربار میں جب تبلیغ کے سلسلہ میں بھیجے گئے تو ان کو کہا گیا:

---

① شوریٰ: ۱۹

② یوسف: ۱۰۰

Marfat.com

﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾①

''پس تم دونوں ان سے نرم گفتاری سے پیش آنا شاید وہ نصیحت پائے یا (خدا سے) ڈرے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ کا ایک اہم عنصر اور اس کی کامیابی کی اہم شرط نرمی اور نرم خوئی ہے، اسی لیے ان دونوں پیغمبروں کو اس کی تاکید ہو رہی ہے۔ اور اسی طرح دین اسلام کے مبلغ اعظم اور توحید خداوندی کے داعی اکبر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس نرمی اور بردباری کا ایک حظِ وافر عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ، وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾②

''تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے ان کے لیے نرم دل ہو گیا، اگر تم مزاج کے اکھڑ اور دل کے سخت ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے منتشر اور تتر بتر ہو گئے ہوتے۔''

حقیقت یہ ہے کہ حلم و بردباری، عفو و درگذر اور خوش خلقی اور اغماض و چشم پوشی ان تمام اخلاقی عناصر کی روح کا نام جن میں شانِ جمالی پائی جاتی ہے، یہی رفق و تلطف اور نرم دلی اور نرم خوئی ہے۔ رفق و لطف اور نرمی و تلطف کی خو اور عادت سے انسان کا اخلاقی حسن دو آتشہ ہو جاتا ہے جس سے حسن فطرت زینت و آرائش سے دوبالا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رفق کی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

((إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ إِلَّا زَانَهٗ وَلَا يُنْزَعُ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهٗ))③

---

① طه: ٤٤

② ال عمران: ١٥٩

③ مسلم، كتاب البر والصلة، باب فضل الرفق: ٨/ ٢٢

''نرمی جس شے میں ہو تو اس کو زینت وحسن عطا کرتی ہے اور جس چیز سے الگ کر لی جاتی ہے اس کو بدنما بنا دیتی ہے۔''

''جس چیز'' کا لفظ استعمال کر کے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے نرمی اور رفق کو عام کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نرمی ہر شی میں باعث حسن و جمال ہوتی ہے اور سختی ہر کام کو بگاڑتی اور اس کو برباد کرتی ہے، سوائے ان باتوں کے جن میں شریعت یا قانون سختی کا تقاضا کرتا ہو۔

اسی سلسلہ میں سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی روایت ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ)) ①

''اللہ تعالیٰ رفیق (نرم خو) ہے اور نرم خوئی کو پسند کرتا ہے، اور نرم خوئی پر جو کچھ عطا کرتا ہے وہ سختی پر اس کے علاوہ کسی اور چیز پر نہیں عطا کرتا۔''

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مَنْ يُحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ)) ②

''جو نرم خوئی سے محروم رہا وہ بھلائی اور خیر سے محروم رہا۔''

اس مضمون کی ایک اور روایت سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

• ''جس کو نرم خوئی کا کوئی حصہ دیا گیا اس کو اللہ تعالیٰ نے بھلائی اور خیر سے حصہ دیا اور جس کو نرم خوئی اور رفق سے محروم رکھا گیا اس کو خیر اور بھلائی سے محروم رکھا گیا۔'' ③

---

① مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل الرفق: ٨/ ٢٢

② مسلم، کتاب البر والصلة: ٢/ ٣٢٢، باب فضل الرفق: ٨/ ٢٢

③ ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی الرفق: ٤/ ٣٢٣

Marfat.com

ایک اور روایت میں سرکارِ مدینہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص میں تین خصلتیں ہوں گی، اسے اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں رکھے گا اور اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ وہ خصلتیں یہ ہیں: (1) کمزور کے ساتھ نرمی کرنا، (2) ماں باپ پر مہربانی کرنا (3) اور غلام پر احسان کرنا۔'' ①

اس نہایت اہم اخلاقی وصف کی تعلیم سرورِ کائنات ﷺ نے ان الفاظ میں دی:

((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ وَتَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّارُ عَلَى كُلِّ قَرِيبٍ هَيِّنٍ سَهْلٍ)) ②

''کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ کون شخص آگ پر حرام ہے اور کس شخص پر آگ حرام ہے۔ ہر اس شخص پر آگ حرام ہے جو لوگوں کے قریب ہو، نرم ہو اور آسان ہو۔''

سرورِ کائنات ﷺ تو رفق و تلطف اور نرمی و شفقت کے مجسمہ تھے، رحمۃ اللعالمین کا خطاب تو آپ ﷺ کو بارگاہ الوہیت سے ملا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ جو ایک وفد کے ہمراہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے، آپ ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِيمًا رَقِيقًا'' ③

''رسول اللہ ﷺ مزاج کے رحیم اور قلب کے رقیق تھے۔''

قرآن حکیم میں بہت سی آیات میں آپ ﷺ کی نرم خوئی اور شفقت و رحمت کو بیان کیا گیا ہے۔ ایک مقام پر فرمایا:

---

① ترمذی، کتاب صفة القيامة: ٤/٤٨٦

② ترمذی، ابواب الذهد، باب فضل كل قريب هين سهل، رقم الحديث: ٢٤٨٨

③ بخاری، کتاب الاذان، باب الاذان للمسافر: ١/٨٨، مسلم، کتاب المساجد: ١/٢٣٦، باب من احق بالامامة: ٢/١٣٤، ١/١٥٥

Marfat.com

﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾①

"گراں گزرتا ہے آپ پر تمہارا مشقت میں مبتلا ہونا، وہ بہت ہی حریص اور خواہش مند ہیں تمہاری بھلائی کے، مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والے ہمیشہ رحم کرنے والے ہیں۔"

اور ایک دوسرے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾②

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔"

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و شفقت کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ ایک بدو خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ اسے کوئی چیز عطا کی جائے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت جو میسر تھا اسے عطا فرما دیا اور پوچھا: "کیا میں نے تیرے ساتھ کوئی احسان کیا ہے؟ اس بدو نے کہا: "نہ آپ نے میرے ساتھ کوئی بھلائی کی ہے اور نہ ہی کوئی قابلِ تعریف بات کی ہے۔" اس کے اس گستاخانہ جواب کو سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت غصہ آیا اور اس گستاخ کو مارنے کے لیے دوڑے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہایت سختی سے فرمایا: "رک جاؤ" (کُفُّوا) کوئی آگے نہ بڑھے۔ اس ارشاد کے بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانہ انور پر تشریف لے گئے اور وہاں بدو کو بھی بلا بھیجا۔ جب وہ حاضرِ خدمت ہوا تو اس کو مزید عطا فرمایا اور اس کی جھولی بھر دی۔ پھر دریافت کیا: "کیا میں نے تمہارے ساتھ کوئی بھلائی کی؟" اس نے جواب دیا: "نَعَمْ، يَا رَسُولَ اللّٰهِ!" (اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے بڑا احسان فرمایا) وَجَزَاكَ اللّٰهُ مِنْ أَهْلٍ وَّعَشِيرَةٍ خَيْرًا (اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، میرے اہل و عیال کی طرف سے بھی اور میرے قبیلے کی طرف سے بھی۔)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ جملہ سنا تو اسے فرمایا کہ تم نے پہلے جو بات کہی تھی

---

① توبہ: ۱۲۸

② الانبیاء: ۱۰۷

Marfat.com

اس سے میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بہت دکھ ہوا۔ اگر تم پسند کرو تو یہی بات اس کے سامنے دہرا دو تاکہ ان کا رنج اور غصہ ٹھنڈا ہو جائے اور تیرے بارے میں ان کے سینہ میں جو خلش ہے وہ نکل جائے۔ اس نے عرض کی کہ میں نہایت خوشی اور مسرت کے ساتھ اس جملہ کو دہرانے کے لیے تیار ہوں۔

دوسرے روز صبح یا عشاء کے وقت پھر وہ بدو خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: "اس اعرابی نے کل جو بات کہی تھی اور تم نے سنی، پھر ہم نے اس کو مزید عطا فرمایا اور اس کی جھول بھر دی تو اس نے بتایا ہے کہ وہ اب راضی ہو گیا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اب اس اعرابی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "أَكَذَٰلِكَ؟ (کیا یہ بات درست ہے؟ کہ تم راضی ہو گئے ہو؟) اس نے کہا: "نَعَمْ" (میں راضی ہوں) جَزَاكَ اللّٰهُ مِنْ أَهْلٍ وَعَشِيْرَةٍ خَيْراً (اللہ تعالیٰ میرے اہل و عیال اور قبیلہ کی طرف سے سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جزائے خیر عطا فرمائے۔) یہ جو آپ ﷺ نے عطا فرمایا ہے یہ ان کے فقر و افلاس کو دور کر دے گا۔

اس کے بعد سرور کائنات ﷺ نے اس تعلق کی وضاحت کی جو حضور ﷺ کا اپنے امتیوں کے ساتھ ہے جس میں "حریص علیکم" کی صفت جلیلہ کے جلوے نمایاں ہو رہے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے حاضرین کی طرف توجہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> "میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کی اونٹنی بھاگ جائے۔ لوگ اس کو پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے دوڑنے لگیں۔ وہ لوگوں کے پاؤں کی آہٹ سن کر اور زیادہ بدکے اور تیزی سے بھاگنا شروع کر دے اسی اثنا میں اس کا مالک آ جائے تو وہ تعاقب کرنے والوں کو بلند آواز میں کہے: "خَلُّوْا بَيْنِيْ وَبَيْنَ نَاقَتِيْ" (میرے اور میری اونٹنی کے درمیان رکاوٹ نہ بنو، درمیان سے ہٹ جاؤ اور اس کا تعاقب نہ کرو۔) "فَإِنِّيْ أَرْفَقُ بِهَا مِنْكُمْ وَأَعْلَمُ" (میں تم سے زیادہ اپنی اونٹنی کا مزاج شناس ہوں اور اس

کے ساتھ نرمی کرنے والا ہوں۔)

اس کی اس بات کو سن کر تمام لوگ رک گئے۔ اس نے اپنے دامن میں سبز چارہ ڈالا اور اونٹنی کی طرف بڑھا۔ اونٹنی نے اپنے مالک کی جب مانوس آواز سنی تو وہ رک گئی اور جہاں اس کا مالک تھا اس طرف جانے لگی۔ مالک نے اس کی نکیل پکڑ لی۔ اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گئی۔ پھر اپنا کجاوہ اس پر کس کر باندھا اور اس پر سوار ہو گیا۔" یہ مثال بیان کرنے کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَإِنِّي لَوْ تَرَكْتُكُمْ حَيْثُ قَالَ الرَّجُلُ مَاقَالَهُ وَقَتَلْتُمُوهُ دَخَلَ النَّارَ)) ①

"(کل اس شخص نے جو گستاخانہ بات کی تھی اور تم اس کو قتل کرنے کے لیے دوڑے تھے) اگر میں درمیان میں رکاوٹ نہ بنتا اور تم اس کو قتل کر دیتے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوتا۔"

میں نے اس کو اپنے حکیمانہ انداز سے بارگاہِ رسالت کی تعظیم اور ادب کو ملحوظ رکھنے کی طرف راہ نمائی کی تو وہ جہنم سے بچ گیا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو گیا۔

ہم لوگ سرکارِ دو عالم ﷺ کے امتی ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی خلاف ورزیاں کرتے رہتے ہیں۔ ہماری مثال اس بھاگنے والی اونٹنی کی ہے۔

اپنی امت کے ساتھ سرکارِ دو عالم ﷺ کے رفق وتلطف اور شفقت و رحمت کا یہ عالم تھا کہ آپ انہیں ایسے احکام کی بجا آوری کا مکلف نہیں بنایا کرتے تھے جو ان پر گراں گزرے اور ان کے لیے باعث مشقت ہو۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اگر میری امت پر یہ امر گراں نہ ہوتا تو میں انہیں حکم دیتا کہ وہ ہر وضو کے ساتھ مسواک کیا کریں اور عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھا کریں۔ کیونکہ اس حکم سے کئی لوگوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا اس لیے آپ ﷺ نے یہ حکم نہیں دیا۔②

اسی طرح نماز تہجد کے بارے میں بھی فرمایا کہ میں نے اس نماز کو تم پر لازم

---

① الشفاء: ١/٢٥٣، الفصل السابع عشر. الشفقة والرحمة

② مشكوٰة المصابيح: ١/٥٤٦، رقم الحديث: ٣٥٩

نہیں کیا کہ کہیں تم پر یہ فرض نہ کر دی جائے۔ پھر تم اس کو ادا نہ کر سکو اور گناہ گار ٹھہرو۔ ایسے ہی نماز تراویح صرف تین دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جماعت کے ساتھ پڑھائیں۔ پھر ان کا ذوق وشوق دیکھ کر جماعت نہ کروائی تا کہ کہیں ان پر فرض نہ ہو جائیں اور پھر ان کا ادا کرنا ان پر گراں اور مشکل ہو جائے۔

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات سرکار دو عالم ﷺ نے قیام فرمایا اور ایک ہی آیت کی بار بار تلاوت فرماتے رہے۔ کبھی رکوع میں کبھی سجدہ میں اور کبھی کھڑے ہو کر اس آیت کو دہراتے یہاں تک کہ سپیدۂ سحر طلوع ہو گیا۔ وہ آیت یہ تھی:

﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ ①

''(اے اللہ!) اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں (تجھے انہیں عذاب دینے کا پورا پورا حق ہے) اور اگر تو ان کو معاف فرما دے تو بلاشبہ تو ہی غالب اور بڑا حکمت والا ہے۔''

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں صبح بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا اور عرض کی: ''یارسول اللہ! آج ساری رات آپ اس آیت کی تلاوت کرتے رہے یہاں تک کہ صبح نمودار ہو گئی۔ فرمایا: ''میں نے اپنی امت کے بارے میں اپنے رب سے شفاعت کی التجاء کی۔'' میں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے کیا جواب دیا؟'' فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میری اس التجاء کو قبول فرما لیا۔'' عرض کی: ''اجازت ہو تو میں لوگوں کو یہ مژدہ اور خوشخبری سنا دوں؟'' فرمایا: ''بیشک'' سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حاضر خدمت تھے۔ عرض کی: ''یارسول اللہ! ابوذر کو یہ بشارت سنانے کی اجازت مرحمت نہ فرمائیں ورنہ لوگ عبادت سے غافل ہو جائیں گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو واپس بلا لیا۔

رفق اور نرم خوئی کا ایک اہم پہلو لوگوں کے غم میں شریک ہونا اور ان کے دکھ درد کا احساس کرنا ہے۔ ایک سخت دل اور درشت خو انسان کبھی بھی کسی تکلیف دہ چیز یا غم انگیز صورت حال سے متاثر نہیں ہوتا، لیکن احادیث کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول

① المائدۃ: ۱۱۸

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے اور ان کے رنج وغم میں شریک ہوتے۔ غزوہ احد میں قریباً ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ احد کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لائے تو گھر گھر شہیدوں کا ماتم برپا تھا۔ مستورات اپنے اپنے شہداء پر اظہار غم کر رہی تھیں۔ ان شہداء میں آپ کے محبوب چچا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے جبرئیل امین نے خبر دی ہے کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا یہ لقب ساتوں آسمانوں پر لکھ دیا گیا ہے۔ "اسد اللہ واسد رسولہ" (اللہ اور اس کے رسول کا شیر)①

اور جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ عِنْدَاللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَمْزَةُ))②

''قیامت کے روز اللہ کے ہاں حمزہ رضی اللہ عنہ تمام شہیدوں کے سردار ہوں گے۔''

ایک اور روایت میں ہے:

((سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ))③

''حمزہ بن عبدالمطلب تمام شہیدوں کے سردار ہیں۔''

مدینہ میں اس صورت حال کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آیا اور فرمایا:

((لٰكِنْ حَمْزَةُ لَا بَوَاكِيَ لَهُ))④

''لیکن حمزہ رضی اللہ عنہ کا کوئی نوحہ خوان نہیں۔''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے جان کنی کی حالت میں تھے۔ انہوں نے آپ کو بلا بھیجا۔ سیدنا سعد بن عبادہ، سیدنا معاذ بن جبل اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ بچے کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا اور وہ دم توڑ رہا تھا۔

---

① سيرة ابن هشام: ٢/ ٩٥، مطلب فى صلاته عليه السلام على حمزة وشهدأ احد: ٢/ ١٤٢

② مستدرك حاكم، كتاب معرفة الصحابه ذكر اسلام حمزه......الخ: ٣/ ١٩٩ رقم ٤٩٦٣

③ فتح البارى، كتاب المغازى، باب قتل حمزه ابن مطلب: ٧/ ٣٦٧

④ ابن ماجه، ماجاء فى بكاء على الميت: ١/ ٥٠٧

Marfat.com

بے اختیار آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے تعجب سے پوچھا: ''یارسول اللہ! یہ کیا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ إِلَّا الرُّحَمَاءَ)) ①

''اللہ تعالیٰ ان بندوں پر رحم فرماتا ہے جو اوروں پر رحم کرتے ہیں۔''

آپ کی نرمی اور رحمت صرف انسانوں ہی تک محدود نہ تھی بلکہ پرندے اور حیوانات بھی اس چشمۂ رحمت سے سیراب ہوتے تھے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ قیام فرمایا۔ وہاں ایک چڑیا کا گھونسلہ تھا۔ کسی شخص نے اس کے گھونسلے سے اس کے انڈے اٹھا لیے۔ وہ چڑیا آئی اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر چکر لگانے لگی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا: ''کس نے اس چڑیا کے انڈے اٹھا کر اس کو تکلیف پہنچائی ہے۔ ایک صحابی نے عرض کیا: ''انا یا رسول اللّٰہ!'' اے اللہ کے رسول! میں نے اٹھائے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جاؤ! اور اس کے انڈے اس گھونسلے میں رکھ دو۔'' ②

اسی طرح ایک اور واقعہ عبداللہ بن ابی بکر بن حزم نے روایت کیا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرج کے مقام سے روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کتیا دیکھی جو اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو دودھ پلا رہی تھی اور وہ غرا رہی تھی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو حکم دیا کہ وہ اس کتیا اور اس کے بچوں کی حفاظت کے لیے یہاں کھڑا رہے تاکہ کوئی لشکری انہیں تکلیف اور اذیت نہ پہنچائے ③۔ اس طرح کے اور بھی کئی واقعات روایات میں آئے ہیں۔

---

① بخاری، کتاب المرضیٰ، باب عيادة الصبيان: ۷/۵

② سبل الهدیٰ والرشاد: ۷/۲۸، جماع ابواب صفاته المعنويه صلی اللہ علیہ وسلم، باب فی بره و شفقته ورحمته وحسن عهده

③ سبل الهدیٰ والرشاد: ۷/۲۹، جماع ابواب صفاته المعنويه، باب فی بره و شفقته ورحمته و حسن عهده، دارالکتب، بيروت.

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کی اس نرمی، تلطف، رحمت اور شفقت نے آپ کو لوگوں کا محبوب بنا دیا۔ ویسے تو آپ پہلے ہی محبوب خلائق تھے لیکن آپ کے اوصاف حمیدہ اور شمائل جمیلہ نے اور بھی لوگوں کو گرویدہ بنا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم معاشرہ باہم مربوط ہو گیا کیونکہ آپ کے ان اوصاف نے لوگوں میں ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے کا شعور پیدا کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انہی اوصاف حمیدہ نے انسانیت کے کارواں کو جو اپنی منزل کی تلاش میں صدیوں سے بھٹک رہا تھا، اپنی منزل کا پتہ دیا اور نہ صرف پتہ دیا بلکہ وہ راہ بھی بتائی جو اسے منزل تک لے جا سکتی تھی، اور مسافر اور راہ رو کے دل میں منزل تک رسائی کا اتنا شوق پیدا کیا کہ وہ ہر طرف سے پہلو بچا کر اپنی منزل کی طرف بے تابانہ گام زن ہو گیا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی لَهٗ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم

کا زہد وقناعت

زہد کیا ہے؟ زہد کی شرح اور تعریف یہ ہے کہ

"اَلزُّهْدُ: مَعْنَاهُ تَرْكُ الدُّنْيَا رَغْبَةً عِنْدَاللّٰهِ"①

"زہد کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو ابدی نعمتیں اور سرمدی راحتیں ہیں، ان کو حاصل کرنے کے لیے دنیا کے عیش وعشرت کے سامان سے دست بردار ہونا۔"

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ کی پوری زندگی سادگی اور زہد وقناعت میں گزری۔ ساری دنیا کی نعمتوں کے خزانوں کی پیشکش آپ کو کی گئی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام نعمتوں سے اعراض برتتے ہوئے اور ان کو پس پشت ڈالتے ہوئے صرف اور صرف اللہ جل شانہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے سادگی، زہد وقناعت، فاقہ کشی اور عسرت کی زندگی بسر فرمائی۔ اور بقول مولانا ظفر علی خان مرحوم ؎

اپنا یہ حال ہے، کہ ہے چولہا بجھا ہوا　　　　ہیں دوسروں کے واسطے لعل و زر و گہر

سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوتوں اور خلوتوں دونوں کی آشنائے راز تھیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان زہد کے بارے میں فرماتی ہیں:

۱۔　الشفاء: ۱/ ۱۷۹ تعلیقہ

Marfat.com

((مَاشَبِعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَۃَ أَیَّامٍ تِبَاعًا مِنْ خُبْزٍ حَتّٰی مَضٰی لِسَبِیْلِہٖ)) ①

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی میں کبھی بھی تین روز مسلسل پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔''

اور دوسری روایت میں ہے کہ

((مَاشَبِعَ آلُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُنْذُ قَدِمُوا الْمَدِیْنَۃَ ثَلَاثَ لَیَالٍ تِبَاعًا خُبْزَ بُرٍّ حَتّٰی لَقِیَ اللّٰہَ تَعَالٰی))

''سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آلِ اطہار نے مدینہ سے واپسی کے بعد تین روز شکم سیر ہو کر لگاتار گندم کی روٹی نہیں کھائی۔'' ②

ایک اور ارشاد سیدہ سلام اللہ علیہا ہی سے ہے کہ پورا مہینہ گزر جاتا تھا ہمارے چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی اور پانی اور کھجور پر ہماری گزر اوقات ہوتی تھی۔

سادگی اور قناعت تو آپ کی طبیعت کا ایک اہم عنصر تھا۔ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، اٹھنے بیٹھنے غرض کہ کسی چیز میں آپ تکلف سے کام نہیں لیتے تھے۔ جو کچھ مل جاتا کھا لیتے، جو موٹا جھوٹا مل جاتا، زیب تن فرما لیتے۔ کبھی کسی کھانے میں مین میخ اور نقص نہیں نکالتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی نقص نکالنے سے منع کیا۔ اچھے کھانے اور اچھا پہننے سے متمتع ہونا جائز اور درست سمجھتے تھے اور کبھی کبھی فائدہ بھی اٹھاتے، لیکن طبعی طور پر ایسی چیزوں سے ناگواری محسوس فرماتے جن سے ناز و نعمت، تکلف اور عیش پرستی ظاہر ہوتی۔ خود فرماتے تھے ﴿مَآأَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ﴾ ③ میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی دعوت کی اور کھانا پکوا کر گھر بھجوایا۔

---

① الشفاء، الفصل الثانی والعشرون، الذھد فی الدنیا: ١/ ٢٧٨

② اخرجہ البخاری، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی ﷺ والبیھقی فی دلائل النبوۃ: ١/ ٣٤٠، جماع ابواب صفاتہ رسول اللہ، باب ذکر اخبار رویت فی ذھدہ فی الدنیا......الخ

③ صٓ: ٨٦

سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا نے کہا: ''اچھا ہوتا اگر سرکار دو عالم ﷺ بھی تشریف لے آتے۔ حضور ﷺ کو پیغام بھجوایا گیا۔ آپ کا شانہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر تشریف لائے۔ جب دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ گھر میں دیواروں پر پردے لٹکے ہوئے ہیں۔ وہیں سے واپس تشریف لے گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے واپسی کی وجہ پوچھی تو فرمایا:

((وَمَا أَنَا وَالدُّنْيَا وَمَا أَنَا وَالرَّقْمُ)) ①

''مجھے دنیا سے کیا لگاؤ اور اس کی آرائش سے کیا واسطہ۔''

ابن ماجہ میں روایت ہے کہ ایک انصاری نے ایک مکان بنوایا جس کا گنبد بہت بلند تھا۔ آپ ایک روز اس طرف تشریف لے گئے تو اس مکان کے بارے میں پوچھا۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ فلاں انصاری کا مکان ہے: یہ سنتے ہی آپ خاموش ہو گئے۔ صاحب مکان جب خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سلام کیا تو آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا۔ اس نے پھر سلام کیا تو آپ ﷺ نے پھر منہ پھیر لیا۔ انصاری سخت پریشان تھا کہ مجھ سے کیا غلطی سرزد ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے سلام کا جواب دینے کے بجائے منہ پھیر لیا ہے۔ آخر کار لوگوں سے پتہ چلا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے جب سے تمہارا مکان دیکھا ہے تب سے ہی آپ خاموش ہیں۔ جب انصاری کو ناراضگی کی وجہ معلوم ہو گئی تو فوراً جا کر مکان کو زمین بوس کر دیا اور آپ کو آ کر بتایا بھی نہیں کہ یا رسول اللہ! میں نے مکان کو منہدم کر دیا ہے جس کی وجہ سے آپ ناراض تھے۔ کیونکہ وہ صحابی سمجھتے تھے کہ مکان کو زمین بوس کر کے میں نے آپ ﷺ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ حسب معمول سرکار دو عالم ایک روز پھر اس طرف گئے جہاں اس صحابی کا مکان تھا۔ اب سرکار دو عالم ﷺ کو گنبد نظر نہ آیا اور مکان بھی زمین بوس تھا۔ آپ نے پوچھا یہاں ایک پکا گنبد والا مکان تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ انصاری نے آپ کی ناراضگی کے باعث اس کو گرا دیا۔ ارشاد فرمایا:

((كُلُّ مَالٍ يَكُوْنُ هٰكَذَا فَهُوَ وَبَالٌ عَلٰى صَاحِبِهٖ)) ②

---

① ابوداؤد، كتاب اللباس، باب فى اتخاذ الستور: ٤/ ٣٨٢، رواه البيهقى فى دلائل النبوة

② رواه ابن ماجة، باب فى النباء والخراب بالفاظ مختلفة: ص ٣٠٧

Marfat.com

''ہر ایسا مال صاحب مال کے لیے وبال جان ہوتا ہے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس جہان فانی سے انتقال فرمایا تو کوئی درہم و دینار اور نہ کوئی بکری اور اونٹ ترکہ میں چھوڑا۔

سیدہ حفصہ ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس ایک چادر تھی جس کو ہم دوہرا کر کے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بچھاتی تھیں۔ ایک روز ہم نے اس کو دوہرا کرنے کے بجائے چوہرا کر کے بچھایا تا کہ آپ کا بستر نرم اور گداز ہو جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام سے استراحت فرمائیں۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''آج رات تم نے میرے لیے کیسا بستر بچھایا؟'' ہم نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! بستر تو وہی تھا البتہ اس چادر کو دوہرا کرنے کے بجائے چوہرا کر کے بچھا دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایسا نہ کرو بلکہ پہلے کی طرح دوہری کر کے ہی بچھا دیا کرو۔ کیونکہ آج رات بستر کے گداز اور آرام دہ ہونے کی وجہ سے میں رات کو نہیں جاگ سکا۔

عام طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی چار پائی پر آرام فرماتے جو کھردرے پٹھے سے بنی ہوتی اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس پر لیٹتے تو چار پائی کے کھردرے پن کی وجہ آپ کے نرم و نازک جسم پر نشان پڑ جاتے۔ چنانچہ واقعہ ایلا میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات جو بڑے بڑے روسائے قبائل کی صاحبزادیاں تھیں اور جو اس سے پہلے اپنے گھروں میں ناز و نعم کی زندگیاں بسر کر کے آئی تھیں، انہوں نے دربار نبوت میں مال غنیمت کی یہ فراوانی دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خانگی مصارف میں اضافہ کی خواہش کا اظہار کیا۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو نہایت مضطرب ہوئے۔ پہلے اپنی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو سمجھایا کہ تم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصارف کا تقاضا نہ کرو۔ جو کچھ مانگنا ہے مجھ سے مانگو۔ بعد ازاں آپ ایک اور بیوی کے دروازہ پر گئے اور انہیں بھی سمجھایا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''عمر! تم ہر چیز میں دخل دیتے ہی تھے اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے معاملہ میں بھی دخل دیتے ہو، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس جواب سے

① تفسیر مظہری: ۹/ ۵۵

افسردہ ہوکر خاموش ہو گئے۔

ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ درمیان میں آپ ﷺ ہیں اور ادھر ادھر آپ کی ازواج مطہرات بیٹھی ہیں اور خانگی مصارف کی مقدار بڑھانے پر مصر ہیں۔ دونوں حضرات اپنی صاحبزادیوں کو مارنے پر آمادہ ہو گئے، لیکن انہوں نے کہا کہ ہم آئندہ آپ کو زائد مصارف کی تکلیف نہ دیں گی۔

اتفاقاً اسی زمانہ میں آپ ﷺ گھوڑے سے گر پڑے۔ پہلو مبارک پر ایک درخت کی جڑ سے خراش آ گئی جس سے آپ کو خاصی تکلیف تھی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کے حجرہ کے متصل ایک بالا خانہ تھا۔ یہ گویا ان گھروں کا توشہ خانہ تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے یہیں قیام فرمایا اور عہد کیا کہ ایک ماہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے۔ منافقین نے جو بات کا بتنگڑ بنانے میں خاصے مشہور تھے، یہ مشہور کر دیا کہ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ اس خبر سے مدینہ طیبہ میں کہرام مچ گیا۔ ہر شخص مضطرب تھا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں جمع ہو گئے اور ازواج مطہرات رو رہی تھیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو فوراً مسجد نبوی میں آئے۔ دیکھا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ملول بیٹھے ہیں۔ خدمت اقدس میں دو دفعہ باریابی کی اجازت چاہی، لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ تیسری دفعہ اجازت مل گئی۔ دیکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ ایک کھردری چارپائی پر لیٹے ہیں۔ جسم مبارک پر بان سے بدھیاں پڑ گئیں ہیں۔ ادھر ادھر نظر اٹھا کر دیکھا تو توشہ خانے میں چند مٹی کے برتن اور چند سوکھی مشکوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ یہ دیکھ کر آنکھیں بھر آئیں اور پوچھا: ''یا رسول اللہ! کیا آپ نے بیویوں کو طلاق دے دی؟'' ''ارشاد فرمایا نہیں۔'' [1]

اس واقعہ ایلاء کے بیان سے مقصد یہ تھا کہ سرکار دو عالم ﷺ بان کی کھردری چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے اور بدن مبارک پر بان سے بدھیاں پڑ گئی تھیں یہ دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور عرض کی یا رسول اللہ! اللہ کے دشمن قیصر و کسریٰ تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کریں لیکن آپ اللہ کے نبی ہو کر اس قدر عسرت کی زندگی بسر کر رہے

---

[1] تفسیر مظہری: ۹/ ۳۵۶

Marfat.com

ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عمر! تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ تو دنیا لیں اور ہم آخرت۔''

کئی بار فاقہ کشی کے باعث سرکار دو عالم ﷺ کا شکم مبارک کمر مبارک سے لگ جاتا سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ میں اس پر ہاتھ پھیرتی۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے اور میں عرض کرتی:

''نَفسِی لَکَ الفِدَاءُ! لَو تَبَلَّغتَ مِنَ الدُّنیَا بِمَا یَقُوتُکَ''

''اے اللہ کے رسول! میری جان آپ پر قربان۔ آپ اپنے رب سے اتنا تو مانگتے کہ فاقہ کشی کے باعث یہ نوبت نہ آتی۔''

امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((یَا عَائِشَۃُ! مَالِی وَلِلدُّنیَا)) ①

''اے عائشہ! میرا اس دنیا سے کیا تعلق۔''

پھر فرمایا: ''مجھ سے پہلے جو اولوالعزم رسول گذرے ہیں انہوں نے اس سے زیادہ تکلیف دہ حالت پر صبر کیا۔ جب وہ بارگاہِ الوہیت میں پہنچے تو حق تعالیٰ شانہ نے ان کے انجام کو بہت معزز بنا دیا اور ان کے اجر و ثواب کو عظیم کر دیا۔ اگر میں اس دنیا میں عیش و آرام کی زندگی بسر کروں تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اپنے بھائیوں سے پیچھے نہ رہ جاؤں اور مجھے پیچھے رہنے سے حیا آتی ہے۔ میری عزیز ترین خواہش کہ میں اپنے بھائیوں اور دوستوں کے ساتھ مل کر بارگاہ ایزدی میں حاضری کا شرف حاصل کروں۔

سرکار دو عالم ﷺ نے دانستہ اور عمداً دنیا کی ساری نعمتوں اور لذتوں، عیش و عشرت کے سامانوں سے علیحدگی اختیار کی تاکہ قرب الٰہی کی نعمت سے مالا مال ہوں۔

سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''حق تعالیٰ شانہ نے مجھے فرمایا: اگر تو چاہے تو میں مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دوں۔ میں نے عرض کی: ''اے اللہ! مجھے اس کی کوئی تمنا نہیں، میری خواہش

① الشفاء، الفصل الثانی والعشرون، الذھد فی الدنیا: ١/ ٢٨٣

Marfat.com

یہ ہے کہ میں ایک روز بھوکا رہوں اور ایک روز کھانا کھاؤں۔ جس روز میں فاقہ کروں اس روز میں تیری بارگاہ میں عجز و نیاز کا ہدیہ پیش کروں اور تیری یاد میں مصروف رہوں، اور جس روز میں سیر ہو کر کھاؤں اس روز میں تیرے شکر کے گیت گاؤں، سارا وقت تیری حمد و ثناء میں گزاروں۔'' ①

روایات میں ہے کہ ایک روز جبرئیل امین علیہ السلام آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں:

''أَتُحِبُّ أَنْ أَجْعَلَ هٰذِهِ الْجِبَالَ ذَهَباً وَتَكُونَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ''

''کیا آپ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ میں ان پہاڑوں کو سونا بنا دوں اور جدھر آپ جائیں وہ بھی آپ کے ساتھ جائیں۔''

جبرئیل امین کی یہ بات سن کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک جھکا لیا اور غور و فکر کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی اس پیش کش کا کیا جواب دوں۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا: اے جبرائیل!

((إِنَّ الدُّنْيَا دَارُ مَنْ لَا دَارَ لَهُ وَمَالُ مَنْ لَا مَالَ لَهُ، قَدْ يَجْمَعُهَا مَنْ لَا عَقْلَ لَهُ))

''بے شک دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور یہ اس شخص کا مال ہے جس کے پاس کوئی مال نہیں اور اس دنیا کو وہ آدمی جمع کرتا ہے جو عقل و دانش سے یک قلم محروم اور خالی ہو۔'' ②

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب سن کر سیدنا جبرئیل نے عرض کی:

اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ حق پر ثابت قدم رکھے۔

مختصر یہ کہ آپ کی سادگی اور زہد و قناعت اضطراری نہیں تھی بلکہ دانستہ اور عمداً

---

① سبل الهدى والرشاد، جماع ابواب صفاته المعنوية، باب فى زهد الدنيا وورعه......الخ: ٧/ ٧٥

② شفاء، الفصل الثانى والعشرون، الذهد فى الدنيا: ١/ ٢٨٠۔

Marfat.com

تھی۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر استراحت فرما تھے۔ اس کے پٹھے کے نشانات آپ کے نرم و نازک جسم مبارک اور پہلو میں نظر آنے لگے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے تو میں اس کو ملنے لگا جہاں نشانات پڑے تھے۔ اسی اثنا میں میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو ہم آپ کے لیے یہاں ایک آرام دہ بستر بچھا دیں اور اس پر آپ آرام اور استراحت فرمایا کریں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اس درخواست پر ارشاد فرمایا:

((مَالِیْ وَلِلدُّنْیَا، مَاأَنَا وَالدُّنْیَا اِلاَّ کَرَاکِبٍ سَارَفِیْ یَوْمٍ صَائِفٍ، وَقَالَ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ تَرَکَهَا)) ①

''میرا اس دنیا سے کیا تعلق، میری اور اس دنیا کی یہ مثال ہے جس طرح کوئی مسافر گرمی کے موسم میں دن میں سفر کرے۔ دوپہر کا وقت آئے تو کسی درخت کے سایہ میں آرام کرے، پھر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد اس جگہ کو چھوڑ کر اپنی منزل کی طرف چل دے۔''

اسی طرح سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ جب آپ کے بدن پر چٹائی کے یہ نشانات دیکھے کہ چٹائی کے پٹھے آپ کے نرم اور گداز جسم میں کھب گئے تھے۔ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے سر اٹھا کر کاشانہ اقدس کو دیکھا تو خدا کی قسم! مجھے وہاں کوئی چیز ایسی نظر نہ آئی جو آنکھوں کے سامنے سدِراہ بن سکے بجز تین چمڑوں کے جن کو دباغت کے لیے لٹکایا گیا تھا اور ایک کونہ میں تھوڑے سے جو پڑے تھے۔ فرماتے ہیں کہ اس بے سروسامانی کو دیکھ کر میری آنکھیں اشک آلود ہو گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''عمر کیا ہو گیا ہے؟'' کیوں رو رہے ہو؟ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول!

''أَنْتَ صَفْوَةُ اللّٰهِ مِنْ خَلْقِهٖ وَكِسْرٰی وَقَیْصَرُ فِیْمَا هُمَا فِیْهِ''

''آپ تمام مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت ہے اور (اللہ کے دشمن) قیصر و کسریٰ عیش کی زندگی

① سبل الهدی والرشاد، باب في زهده في الدنیا......الخ: ۷/۷۷

Marfat.com

گزار رہے ہیں۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے انور سرخ ہو گیا اور آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

"قیصر و کسریٰ وہ لوگ ہیں جن کو ان کی دنیوی زندگی میں ساری راحتیں اور آرام دے دیئے گئے ہیں، اور اے عمر! کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ انہیں تو دنیا دے دی جائے اور ہمیں آخرت کے انعامات سے نواز دیا جائے۔"①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اس تقسیم پر بہ دل و جان راضی ہوں۔ ایک روایت میں یہ جملہ بھی ہے:

"يَا عُمَرُ! لَوْشَاءَ اَنْ يَسِيْرَ الْجِبَالَ الرَّاسِيَاتِ مَعِيْ ذَهَباً لَسَارَتْ"

"اے عمر! اگر اللہ جل شانہ چاہتا کہ یہ بڑے بڑے پہاڑ سونا بن کر میرے ساتھ ساتھ چلیں تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کو میرے ساتھ چلاتا۔"

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوپہر میں مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو آپ بھی اس چلچلاتی دھوپ میں گھر سے باہر نکل آئے اور مسجد کی طرف چل پڑے۔ انہوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "اس وقت گھر سے نکل کر مسجد کی طرف کیوں آئے؟" آپ نے فرمایا: "بھوک اور فاقہ کی وجہ سے کسی پل آرام نہیں آ رہا، اس لیے مسجد میں جانے کا ارادہ کیا۔" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں بھی اسی وجہ سے مسجد کی طرف جا رہا ہوں۔" اسی اثناء میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے پوچھا کہ اس وقت گھر سے نکلنے کی کیا وجہ؟ دونوں نے عرض کی: "مسلسل فاقہ کی وجہ سے خانہ خدا کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی بات سن کر فرمایا:

((اَنَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ مَا اَخْرَجَنِیْ غَيْرُهٗ))

---

① بخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب تبتغی مرضات أزواجك، رقم الحديث: ٤٥٣٢ (بالفاظ مختلفه)

Marfat.com

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں
بھی اسی وجہ سے گھر سے نکلا ہوں۔''

یہ تینوں حضرات سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ میزبان رسول ﷺ کے گھر تشریف لے گئے۔ جب انہیں اصل بات کا پتہ چلا کہ یہ تینوں حضرات اس وجہ سے میرے ہاں آئے ہیں تو انہوں نے فوری طور پر ایک بکری ذبح کی، اسے پکایا اور آپ کی خدمت میں پیش کی۔ سرور عالم ﷺ نے اس بھنی ہوئی بکری کا ایک حصہ کاٹا، اسے روٹی پر رکھا۔ فرمایا: اے ابوایوب! یہ میری بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو پہنچا دو کیونکہ اس نے کئی دنوں سے کچھ نہیں کھایا۔ جب سب نے سیر ہو کر کھالیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہی وہ نعیم ہے جس کے بارے میں قیامت کے روز تم سے پوچھا جائے گا۔''

﴿ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ ①

یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہت گراں گزری تو سرکار دو عالم ﷺ نے اس کی پریشانی کو دور کرنے کے لیے ایک نسخہ کیمیا بتایا۔ فرمایا: ''جس وقت تم کھانے کے لیے ہاتھ بڑھاؤ تو کہو: ''بسم اللہ۔'' جب سیر ہو جاؤ تو کہو:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَشْبَعَنَا وَأَنْعَمَ عَلَيْنَا وَأَفْضَلَ فَإِنَّ هٰذَا كِفَافٌ))

''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، وہ ذات جس نے ہمیں کھلایا
اور جس نے ہم پر انعام فرمایا اور وہ ذات سب سے افضل ہے۔
پس بے شک یہ کافی ہے۔''

یہ اس کا بدلہ ہو جائے گا اور نعمتوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔

حافظ ابن عساکر نے سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سے روایت نقل کی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز انصار کی ایک خاتون میرے ہاں آئی۔ اس نے سرکار دو عالم ﷺ کے کھردرے بستر کو دیکھا جس پر ایک موٹی اور کھردری قبا رکھی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر وہ چپکے سے چلی گئی۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے ایک ایسا بستر میرے پاس

① التکاثر: ۸

Marfat.com

بھیجا جس کے اندر روئی بھری ہوئی تھی۔ میں نے وہ بستر سرکارِ دو عالم ﷺ کی چارپائی پر بچھا دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اس نرم و گداز بستر کو دیکھ کر فرمایا: ''یہ کیا ہے؟'' سیدہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''یا رسول اللہ فلاں انصاری عورت نے آپ ﷺ کے بستر کو دیکھا اور چپکے سے چلی گئی اور یہ بستر آپ کے استعمال کے لیے بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ اس بستر کو واپس بھیج دو۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو بار بار یہ حکم دیا یہ بستر اس خاتون کو واپس کر دو۔ سیدہ فرماتی ہیں: کہ جب میں نے اس بستر کو واپس بھیجنے میں تامل کیا تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے زور دے کر فرمایا: ''اے عائشہ! اس بستر کو واپس بھیج دو۔

((فَوَاللّٰہِ! لَوْشِئْتُ لَأَجْرَی اللّٰہُ مَعِیَ الْجِبَالَ ذَھَبًا وَفِضَّۃً)) ①

''خدا کی قسم! اگر میں چاہتا تو اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں کو سونے اور چاندی کا بنا دیتا اور وہ پہاڑ میرے ہم رکاب ہوتے۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ:

((کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَبِیْتُ اللَّیَالِیَ الْمُتَتَابِعَۃَ طَاوِیًا وَأَھْلُہٗ لَا یَجِدُوْنَ عَشَاءً وَکَانَ عَامَّۃُ خُبْزِھِمُ الشَّعِیْرُ)) ②

''رسول اللہ ﷺ مسلسل کئی راتیں کچھ کھائے بغیر گزارا کرتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کے پاس رات کا کھانا بھی نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کا عمومی کھانا جو کی روٹی ہوتی تھی۔''

---

① سبل الهدى والرشاد، باب فى زهده فى الدنيا: ٧/ ٧٩، ورواه ابن كثير فى البداية والنهاية: ٦/ ٥٣ وكذا فى دلائل النبوة للبيهقى: ١/ ٣٤٥، جماع ابواب صفاته ﷺ، باب ذكر اخبار رويت فى زهده فى الدنيا.....الخ

② مسند احمد: ٤/ ٢٦، شمائل ترمذى: ص ٩٦، ترمذى ابواب شمائل الترمذى، باب ماجاء فى صفة الخبز رسول الله ﷺ: ص ١٠، ترمذى ابواب الزهد، باب معيشة النبى ﷺ، رقم الحديث: ٢٣٥٧

Marfat.com

یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کی سادگی تھی۔ آپ نے پوری زندگی لباس میں بھی سادگی کو اختیار کیا۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کو کمخواب کی قبا بھیجی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہن لی، پھر کچھ سوچ کر اتار دی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ روتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چیز ناپسند کی وہ مجھے عطا کی۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمر! میں نے استعمال کے لیے نہیں بلکہ فروخت کرنے کے لیے بھیجی تھی۔'' چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہ قبا دو ہزار درہم میں فروخت کر دی۔ ①

اسی طرح ایک مرتبہ کسی شخص نے ایک مخطط (دھاری دار) جوڑا بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ وہ اس کو پہن کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر کچھ غصہ کے آثار نمودار ہوئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سمجھ گئے۔ فوراً واپس آ گئے۔ فرماتے ہیں کہ

''میں نے اس کو پھاڑ کر گھر کی خواتین میں تقسیم کر دیا۔'' ②

آپ اکثر موٹے جھوٹے کپڑے پہنتے تھے اور ایسے ہی کپڑوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں اونی کپڑے کا ٹکڑا یعنی چادر اور موٹے کپڑے کا تہبند دکھایا اور فرمایا ''قبض روح النبی فی هذین'' انہی دو کپڑوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔'' ③

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو آپ کی خانگی زندگی کی سب سے زیادہ محرم تھیں، فرماتی ہیں کہ دو دو ماہ تک ہمارے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی، تو ان کے بھانجے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ''پھر آپ کھاتے پیتے کیا تھے؟'' فرمایا: ''الاسودان: التمر

---

① انسان کامل علیہ السلام: ص ۶۵۷

② بخاری، کتاب اللباس، باب الحریر للنساء: ۷/ ۴۷

③ بخاری، کتاب اللباس، باب الاکسیة والخمائص: ۲/ ۸۶۵، اختلاف راوی عن ابی بردة

والماء" دو سیاہ چیزیں: کھجور اور پانی۔

البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار پڑوسی اپنی دودھ دینے والی اونٹنیوں کا دودھ بھیج دیتے تو پی لیتے۔"①

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر کبھی چپاتی نہیں کھائی۔ قتادہ کا بیان ہے کہ ہم سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے اور ان کا باورچی روٹی پکار رہا ہوتا تو سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے:

"کھاؤ، میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی عمر بھر نرم چپاتی دیکھی ہو یا بکری کا بھنا ہوا گوشت کھایا ہو۔"②

ابتداء میں آپ نے مہر کے لیے سونے کی انگوٹھی بنوائی تھی۔ آپ کی اتباع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں۔ ایک روز آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اپنی انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور فرمایا: "لا البسہ ابداً" میں اب کبھی نہیں پہنوں گا۔ جونہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انگوٹھی پھینکنا اور آپ کے منہ مبارک سے یہ الفاظ سنے تو سب نے اپنی انگوٹھیاں اتار کر پھینک دیں۔③ اور کسی نے اس پر کوئی بات اپنے منہ سے نہیں نکالی اور نہ آپ سے کوئی سوال کیا کہ آپ نے پہلے انگوٹھی کیوں پہنی تھی اور اب کیوں پھینک دی؟ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک دین نام تھا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور عمل کا۔ اگر آپ سونے کی انگوٹھی پہن لیں تو پہننا دین اور اگر اس کو پھینک دیں تو پھینک دینا دین۔

آپ اکثر و بیشتر معمولی قسم کا لباس پہنتے، ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ریشمی کپڑا بکتے دیکھا تو عرض کیا: "یا رسول اللہ! اگر آپ یہ کپڑا خرید لیں تو سفراء کی آمد اور جمعہ کے موقع پر استعمال کریں۔ آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر فرمایا:

---

① بخاری، کتاب الرقاق: ٢/٩٥٥.٥٦، باب کیف کان عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ٧/٣١١

② بخاری، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ٢/٩٥٦

③ بخاری، کتاب اللباس، کتاب خاتم الفضہ، ابوداؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی اتخاذ الخاتم: ٢/٢٢٨

Marfat.com

((إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهٖ مَنْ لَاخَلَاقَ لَهٗ)) ①

''یہ وہ پہنے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔''

اکثر ایسا ہوتا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ہاں تشریف لے جاتے تو ان کے ہاں بھی کھانے کے لیے کچھ نہ ہوتا۔ آپ فرماتے اچھا میں نے روزہ رکھ لیا ہے۔ جب آپ کی حالت ایسی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی حالت بھی آپ جیسی ہوگئی۔ وہ بھی کئی کئی روز فاقے اور روزے سے گزار دیتی تھیں۔ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر کبھی دو دن سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی۔''

''مَاشَبِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ شَعِيْرٍ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ'' ②

بعض روایات میں ہے کہ خیبر کے فتح ہونے کے بعد آپ فدک وغیرہ کی آمدنی سے سال بھر کا خرچ رکھ لیا کرتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ہاں سال بھر کے لیے کھانے کا انتظام موجود ہوتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ سال بھر کا سامان رکھ تو لیتے لیکن وہ بھی اللہ کے راستہ میں فقراء اور مساکین کو دے دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے انتقال فرما جانے کے بعد بھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا سلسلہ کچھ اسی طرح رہا کہ اکثر روزے سے زندگی بسر کرتیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی جس جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جتنا تعلق تھا، اتنا ہی زیادہ وہ آپ کے عمل کی تصویر بننا چاہتا تھا۔ سب سے زیادہ قریب آپ کی ازواج مطہرات تھیں۔ سفر و حضر اور خانگی زندگی کی ساتھی۔ ان کی حالت یہ تھی کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں جب لوگوں کے وظائف مقرر فرمائے تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے ہر ایک کے دس ہزار درہم سالانہ مقرر فرمائے۔ ام المؤمنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے یہاں پہلی مرتبہ وظیفہ کی یہ رقم پہنچی تو فرمایا: ''اللہ تعالیٰ

---

① بخاری، کتاب اللباس باب الحرير للنساء: ٧/ ٤٦

② ترمذی، ابواب الزهد باب ماجاء فی معيشة النبی صلی اللہ علیہ وسلم واهله: ٤/ ٥٠٠

امیر المؤمنین پر رحم فرمائے۔ یہ رقم میرے پاس بھیج دی حالانکہ میری سہیلیوں میں ایسی خواتین بھی ہیں جو مجھ سے زیادہ باہمت اور زیادہ مستعدی کے ساتھ یہ دولت تقسیم کرسکتی ہیں۔'' کہا گیا: ''اماں جان! یہ رقم تقسیم کرنے کے لیے نہیں آئی بلکہ آپ کی ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے آئی ہے۔'' فرمایا: ''اچھا یہاں ڈال دو۔'' کپڑے کے نیچے ہاتھ ڈال کر فرمایا کہ فلاں فلاں خاندانوں کے لیے رقم نکالو۔ چنانچہ ان کے لیے رقومات نکلوائیں۔ خادمہ نے عرض کیا: ''سیدہ! میں بھی تو حاضر ہوں، کچھ مجھے بھی عطا فرما دیں؟'' فرمایا: ''اچھا جو کچھ کپڑے کے نیچے رہ گیا ہے وہ سب تمہارا'' خادمہ نے کپڑا اٹھایا تو صرف پچاس درہم باقی رہ گئے تھے۔ وہ سب اس کو عطا فرما دیئے اور اپنے لیے پھر بھی دس ہزار درہم میں سے کچھ نہ رکھا۔①

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے اس رقم کو فوراً ہی تقسیم کر دیا، لیکن پھر بھی دعا کی، اللہ کرے اس سال کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عطیہ مجھے کبھی وصول نہ ہو (جس سے تعلق خداوندی کی دلچسپی میں فرق آئے)

سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کے علمی و عملی کمالات میں ایک بڑا کمال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ انہیں عطا فرماتا تھا اس میں سے بچا کر نہیں رکھتی تھیں بلکہ سب صدقہ کر دیتی تھیں۔

''كَانَتْ لَا تُمْسِكُ شَيْئاً فَمَا جَاءَهَا مِنْ رِزْقِ اللّٰهِ إِلَّا تَصَدَّقَتْ''②

اس بارے میں ان کا ایک دلچسپ واقعہ بخاری میں ہے جس سے ان کی فراخ حوصلگی کے علاوہ زہد، تقویٰ، خوف خدا اور احتیاط کا اندازہ ہوتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں سریر آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے واجب الاحترام خالہ کی خدمت کرنے میں کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہ رکھا، لیکن محترمہ خالہ کی یہ حالت تھی کہ ابن

---

① کتاب الخراج: ص ۱۲۶، لابی یوسف، زرقانی: ۳/۲۴۸، حلیۃ الاولیاء، طبقات ابن سعد، ذکر عبش زینب بنت جحش: ۸/۸۱، صفۃ الصفوۃ: ۲/۴۸، اسد الغابہ، ذکر زینب بنت جحش: ۸/۱۲۷۔

② بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب قریش: ۱/۴۹۷

Marfat.com

زبیر رضی اللہ عنہ جو کچھ بھیجتے وہ اپنی عادت کے مطابق خرچ کر ڈالتی تھیں۔ آپ کی یہ آرزو تھی کہ خالہ خوش حال زندگی بسر کریں لیکن سیدہ رضی اللہ عنہا کو وہی شان نبوی پسند تھی کہ ایک وقت کھائیں اور دوسرے وقت فاقہ کریں۔ ایک روز سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو کچھ احساس ہوا اور انہوں نے یہ کہہ دیا کہ خالہ! یہ غیر معمولی خیرات بند کریں ورنہ میں اس پر قانونی پابندی لگا دوں گا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کو جب معلوم ہوا کہ بھانجے نے یہ کہا ہے تو قسم کھا لی کہ میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے بات نہیں کروں گی۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ خالہ کی ناراضی کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ سیدہ کی بات سن کر بے چین ہو گئے اور معافی کی درخواست کی۔ خالہ محترمہ نے درخواست رد کر دی تو بااثر بزرگوں کو درمیان میں ڈال کر منت سماجت کی اور بالآخر معافی ہو گئی، اور خالہ نے اپنی قسم ختم کر دی۔

قسم تو ختم ہو گئی لیکن اس کے ساتھ سیدہ رضی اللہ عنہا کو ایک عجیب پریشانی لاحق ہو گئی کیونکہ قسم میں انہوں نے جو الفاظ کہے تھے وہ یوں تھے:

"لِلّٰهِ عَلَيَّ نَذْرٌ أَنْ لَا أُكَلِّمَ ابْنَ الزُّبَيْرِ"

"اللہ کے لیے میرے ذمہ نذر ہے کہ میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے کلام نہ کروں گی۔"

یہ الفاظ مبہم تھے۔ نذر کی تصریح نہیں تھی کہ نذر کس بات کی؟ اس کے لیے چالیس غلام آزاد کر دیئے۔ پھر بھی روتی تھیں کہ خدا جانے اس غیر معین نذر کا کفارہ ادا ہوا یا نہیں۔ ①

یہ وہ پاک طینت فقراء تھے جو دولت بداماں تھے یعنی یہ نہیں کہ ان کے پاس مال و دولت نہیں تھا۔ سب کچھ تھا لیکن انہوں نے یہ سب کچھ اللہ کے راستہ میں تقسیم کر دیا۔ گویا کہ یہ حالت تھی ۔

ہیں دوسروں کے واسطے لعل و زر و گہر
اور اپنا یہ حال ہے کہ ہے چولہا بجھا ہوا

(ظفر علی خان)

---

① بخاری، کتاب الادب، باب الھجرة وقول رسول الله لایحل لرجل: ۲/ ۷۹۷

Marfat.com

بہر حال پھر چشم فلک نے وہ دور بھی دیکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ کے انتقال کے چند ہی سالوں بعد ایک ایسا دور بھی آیا کہ اسلامی ریاست کا ہر فرد خوش حال اور مال و دولت سے مالا مال ہو گیا۔ چنانچہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ نے مجھے فرمایا: ''تمہارے یہاں قالین ہیں؟'' میں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! قالین، ہمارے ہاں قالین کہاں؟'' فرمایا: ''عنقریب ہو جائیں گے۔'' چنانچہ آپ کی یہ بشارت آج میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ گھر میں کئی قالین ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ قالین پر بیٹھوں، لہٰذا بیوی سے کہتا ہوں اپنا قالین پرے کر لو۔ بیوی کہتی ہے کیوں؟ کیا سرکار دو عالم ﷺ نے پیش گوئی نہیں فرمائی تھی کہ تمہارے یہاں قالین ہو جائیں گے۔ میں جب اس کی بات سنتا ہوں تو پڑا رہنے دیتا ہوں، ہٹاتا نہیں۔ ①

رسول اللہ ﷺ، آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنیا کی آرائش و آسائش کی کیا پروا کرتے جب کہ ان کے نزدیک خود دنیا کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ ایک دفعہ آپ نے دنیا کی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کیا میں تمہیں دنیا کی حقیقت نہ بتلاؤں؟ میں نے عرض کی: ''حضور! ضرور ارشاد فرمائیں۔'' رسول اللہ ﷺ مجھے اپنے ساتھ لے کر مدینہ سے باہر ایک کوڑی پر تشریف لے گئے۔ فرمایا: ''ابو ہریرہ! یہ آدمیوں کی کھوپڑیاں ہیں۔ یہ دماغ اسی طرح دنیا کے حریص تھے جس طرح آج کل تم سب زندہ دنیا کی حرص کر رہے ہو۔ یہ بھی اسی طرح امیدیں باندھا کرتے تھے جس طرح تم امیدیں باندھتے ہو۔ آج یہ کھوپڑیاں بغیر کھال کے پڑی ہیں اور چند روز اور گزرنے کے بعد مٹی کے ساتھ مل کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔ یہ پاخانے وہ رنگ برنگ کے کھانے ہیں جن کو بڑی محنت سے کمایا، حاصل کیا پھر ان کو تیار کیا اور کھایا۔ اب یہ اس حال میں پڑے ہوئے ہیں کہ لوگ ان سے نفرت کر کے بھاگتے ہیں (وہ لذیذ کھانا جس کی خوشبو دور سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے، آج اس کا منتہا یہ ہے کہ اس کی بدبو لوگوں کو اپنے سے متنفر کرتی ہے) یہ چیتھڑے وہ زینت کا لباس (ہیں جن کو پہن کر انسان

① بخاری: ۱/۵۱۲

Marfat.com

اتراتا تھا، اکڑ کر چلتا تھا اور دوسروں پر اپنا تفوق ظاہر کرتا تھا، آج اس حال میں) ہے کہ ہوائیں اس کو ادھر سے ادھر پھینکتی ہیں۔ یہ ہڈیاں ان جانوروں کی ہڈیاں ہیں جن پر لوگ سواریاں کیا کرتے تھے۔ پس جنہیں ان احوال پر (اور ان کے عبرت ناک انجام پر) رونا ہو، وہ ان کو دیکھ کر رو لے۔" ①

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ باتیں سن کر ہم سب بہت روئے۔

ایک اور حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"دنیا (ظاہر کے اعتبار سے) میٹھی اور سرسبز ہے، اور حق تعالیٰ شانہ نے تم کو اس میں اپنے اسلاف کا جانشین اس لیے بنایا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ تم اس میں کیا عمل کرتے ہو۔ بنی اسرائیل پر جب دنیا کی فتوحات ہونے لگیں تو وہ زیب و زینت اور عورتوں اور زیوروں کے چکر میں پڑ گئے۔" ②

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنگ دستی اور فاقہ کشی کی زندگی اور آپ کے زہد و قناعت اور سادگی کے بارے میں بہت سی روایات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں، جن کو طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کیا جا رہا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جائز اور حلال طریقہ پر میسر آنے والی چیزوں سے لطف اندوز اور متمتع ہونے سے منع نہیں فرمایا۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی زہد و قناعت کی زندگی گزاری، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے یہ پسند نہیں فرمایا کہ وہ اپنے آپ کو زیادہ مشقت میں ڈالیں۔ چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ میں سے تین حضرات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ انور پر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا سے دریافت کیا۔ جب انہیں بتایا گیا تو انہوں نے یہ محسوس کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں لیکن اس کے باوجود آپ اتنی عبادت کرتے ہیں اور ہم تو کم درجے کے لوگ ہیں لہٰذا ہمیں زیادہ محنت کرنی چاہیے۔ ان میں سے ایک نے

---

① رواہ أحمد فی مسندہ

② رواہ مسلم والترمذی، ابواب الفتن، باب ما اخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... الخ: ۲/۴۲

کہا کہ وہ ہمیشہ ساری رات عبادت کرے گا۔ دوسرے نے کہا کہ وہ ہمیشہ روزے رکھے گا اور تیسرے نے کہا کہ وہ کبھی شادی نہیں کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: ''تمہی وہ لوگ ہو جنہوں نے یہ باتیں کی ہیں؟'' انہوں نے عرض کیا: ''ہاں یا رسول اللہ!'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَمَا وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ لٰكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ وَ أَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي))①

''سنو! اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کے معاملہ میں محتاط روش والا ہوں، لیکن میں روزے رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور شادیاں بھی کرتا ہوں، پھر جس نے میری سنت اور میرے طریقے سے منہ پھیرا اور اعراض برتا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔''

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ زاہد شب زندہ اور عابد مرتاض تھے۔ ایک روز انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا وہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھیں گے اور پوری رات عبادت الٰہی میں گذار دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا: ''عبداللہ! تمہیں اس کی طاقت نہیں، روزہ رکھو اور افطار کرو۔ رات کو قیام کرو اور سوؤ بھی، ایک ماہ میں تین دن روزے رکھا کرو، اس لیے کہ نیکی کا دس گنا بدلہ ملتا ہے اور یہ صوم الدہر کی طرح ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یا رسول اللہ! مجھ میں اس سے زیادہ کی طاقت ہے۔ فرمایا: ''اچھا، پھر ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو۔ یہی داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے، اور یہی افضل الصیام ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''یا رسول اللہ! مجھ میں اس سے زیادہ کی طاقت ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا أَفْضَلُ مِنْ ذَالِكَ))②

---

① بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح: ۲/۷۵۷

② بخاری، کتاب الصوم، باب صوم الدهر: ۱/۲۶۵

Marfat.com

''اس سے افضل نہیں۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِنَفْسِكَ وَأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا)) ①

''بے شک تم پر تمہاری آنکھوں کا حق ہے اور تم پر تمہارے جسم (نفس) اور اہل وعیال کا حق ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتنی تنگی ترشی اور زہد وقناعت میں زندگی گزارنے کے باوجود بھی حرام ذریعہ سے روزی طلب نہیں کی۔ چنانچہ ابن عدی نے ابو سعید سے روایت کی ہے کہ ایک روز آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ! لَا يَحْمِلَنَّكُمُ الْعُسْرُ عَلَىٰ طَلَبِ الرِّزْقِ مِنْ غَيْرِ حِلِّهِ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ((اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنِي فَقِيرًا وَلَا تَوَفَّنِي غَنِيًّا وَاحْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِينِ، فَإِنَّ أَشْقَى الْأَشْقِيَاءِ مَنِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِ فَقْرُ الدُّنْيَا وَعَذَابُ الْآخِرَةِ)) ②

''اے لوگو! تمہیں تنگ دستی اور عسرت اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم حرام ذریعہ سے رزق طلب کرنے لگو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ! میری وفات فقر کی حالت میں ہو، غنا کی حالت میں میری وفات نہ ہو، میرا حشر بھی مساکین کے گروہ میں سے ہو۔ (یہ بھی فرمایا) سب سے زیادہ شقی اور بدبخت وہ شخص ہے جس کے لیے یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں۔ جب تک اس دنیا میں زندہ رہے فقر وفاقہ اس کا مقدر ہو اور آخرت میں وہ عذاب الٰہی کا مستحق گردانا جائے۔''

---

① بخاری، کتاب الصوم باب حق الاهل فی الصوم وفی روية خطأ مكان حق: ١/٢٦٥،

② سبل الهدیٰ والرشاد: ٧/١٢٦، باب فی زهده فی الدنيا......الخ: ٧/٧٧

Marfat.com

خود آپ ﷺ کے زہد و تقویٰ کی یہ حالت تھی کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات جب بستر پر استراحت فرمانے لگے تو آپ ﷺ نے اپنے پہلو میں ایک کھجور پائی۔ بے خیالی میں آپ ﷺ نے اسے تناول فرما لیا۔ پھر اس قدر بے چینی اور اضطراب ہوا کہ ساری رات آپ ﷺ کی آنکھیں نیند سے نا آشنا رہیں۔ ایک زوجہ محترمہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! آج ساری رات آپ نہیں سو سکے اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے اپنے بستر پر ایک کھجور کا دانہ پایا اسے کھا لیا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ کہیں یہ کھجور صدقہ کے کھجوروں میں سے نہ ہو۔ اس فکر اور بے چینی کی وجہ سے مجھے ساری رات نیند نہیں آئی۔'' ①

یہ آپ کا زہد تھا کہ جہاں کسی چیز کے ناجائز ہونے کا وہم اور شک بھی ہوا اس سے بھی اجتناب فرمایا۔ یہی حال ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تھا۔ کیونکہ ''صدیق'' نبوت کا عکس ہوتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

> ''آئینے اور بھی ہزاروں ہوتے ہیں اور بوجہ آئینہ ہونے کے اصلاً انعکاس کے لیے مستعد، لیکن کثافت اور زنگ کی وجہ سے فوراً عکس قبول نہیں کر سکتے اور کچھ عرصہ کی صفائی اور تزکیہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ پھر زنگ اور کثافت کی بھی مختلف حالتیں اور مختلف مراتب ہیں۔ کوئی آئینہ جلد صاف ہو جاتا ہے اور کوئی بہت دیر میں اور کسی کا زنگ اس درجہ تک پہنچ چکا ہوتا ہے کہ صاف ہونے کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آئینہ مجلی اور مصفیٰ نے کس طرح اول نظر ہی میں عکس قبول کر لیا تھا؟ یہ صدیقیت تھی جو جمال نبوت دیکھتے ہی پکار اٹھی۔ واللہ! ماھذا بوجہ کذاب۔'' ②

جس طرح ایک تندرست معدہ کسی غلیظ اور نجس شے کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا معدہ بھی کسی ایسی چیز کو برداشت نہیں کر سکتا تھا جس میں

① البداية والنهاية: ٣/ ٤٩٧

② تذکرہ ص: ١١١

Marfat.com

معنوی نجاست اور گندگی کے جراثیم پائے جاتے ہوں۔ آپ کا معدہ اس چیز کو اپنے اندر روکنے سے انکار کرتا تھا۔ چنانچہ یا تو وہ چیز خود بخود اندر سے بذریعہ قے باہر آ جاتی یا پھر آپ خود قے کے ذریعہ اس کو باہر نکال دیتے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ ایک لقمہ جس پر آپ کو کچھ شک پڑ گیا تھا، آپ سے ہضم نہ ہو سکا۔ آپ کا ایک غلام کچھ کما کر لایا تھا۔ ایک رات وہ کچھ کھانے کی چیزیں لایا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک لقمہ تناول فرما لیا۔ غلام نے عرض کیا: ''ہر روز تو آپ کھانے سے قبل پوچھا کرتے تھے، آج آپ نے کچھ نہیں پوچھا؟ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بھوک کی وجہ سے ایسا نہ کر سکا، کہاں سے لائے تھے تم یہ کھانا؟'' غلام نے بتایا: ''میں ایام جاہلیت میں ایک قبیلہ کے پاس جایا کرتا تھا اور وہاں کچھ کہانت کا کام کرتا تھا۔ یہ چیز اسی کا معاوضہ تھی۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم نے تو مجھے ہلاک ہی کر دیا۔ پھر انہوں نے اپنا ہاتھ حلق میں ڈال کر قے کرنا چاہی مگر لقمہ تھا کہ نکلنے کو نہ آتا تھا۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ پانی کے بغیر نہ نکلے گا۔ آپ نے پانی کا ایک برتن منگوایا اور پانی پی کر قے فرمانے لگے، یہاں تک کہ لقمہ باہر آ گیا۔ آپ سے پوچھا گیا: ''خدا آپ پر رحم فرمائے، اتنا کچھ آپ نے صرف ایک لقمہ کی وجہ سے کیا۔'' آپ نے فرمایا: ''اگر یہ میرے دم واپسیں کے ساتھ نکلتا جب بھی میں اس کو نکال کر رہتا۔ ①

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی زہد و قناعت اور سادہ زندگی کے باوجود آپ نے رہبانیت سے منع فرمایا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کا کسی جنگ میں ایک غار پر گذر ہوا جس کے قریب پانی تھا اور اس کے اردگرد سبزہ بھی اُگا ہوا تھا۔ گوشہ نشینی کے لیے یہ نہایت اچھی جگہ تھی۔ اس صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! مجھے ایک ایسا غار مل گیا ہے جس میں ضرورت کی سب چیزیں موجود ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں وہاں ترک دنیا کر کے گوشہ نشین ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا: ''میں یہودیت اور نصرانیت لے کر دنیا میں نہیں آیا بلکہ آسان دین ابراہیمی لے کر آیا ہوں۔ ②

---

① بخاری: ۱/۵۴۲، مصنف عبدالرزاق: ۱۱/۲۰۹، کنز العمال: ۱۰/۱۰۹

② مسند احمد: ۵/۲۶۶، ۶/۲۳۵

Marfat.com

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ایفائے عہد

ایفائے عہد کا مطلب ہے عہد کی پابندی۔ کسی شخص سے جو وعدہ یا عہد کیا جائے اس کو پورا کرنا ایک اچھے اور راست باز آدمی کے لیے ضروری ہے، بلکہ یہ علم الاخلاق کا ایک بنیادی وصف ہے۔ انسانی شخصیت میں جو عیوب ہیں بدعہدی ان میں سے ایک بہت بڑا عیب ہے۔ قرآن وسنت نے اس فضیلت اور وصف کو ذات الٰہی کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ ①

''بے شک اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ﴾ ②

''اور اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہ کرے گا۔''

اس مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی مختلف آیات میں بیان فرمایا ہے، بلکہ ایک مقام پر یوں فرمایا:

---

① الرعد: ۳۱

② الروم: ٦

Marfat.com

﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ﴾ ①

''اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد اور وعدہ کو پورا کرنے والا کون ہے۔''

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ عہد کی پابندی ایک انسان کا بہت بڑا وصف ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو اپنے مومن بندوں کی اولین صفت قرار دیا۔

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ﴾ ②

''اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت اور ان کا پاس رکھتے ہیں۔''

ایک اور مقام پر تمام مومنوں کو حکم دیا کہ اپنے وعدوں اور عہدوں کو پورا کرو۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ ③

''اے ایمان والو! اپنے عہدوں کو پورا کرو۔''

اس میں وہ تمام عہد آ گئے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، دوسرے انسانوں اور خود اپنے نفس سے کیے ہیں۔ ان سب کو پورا کرنا نہایت ضروری ہے۔ عام طور پر لوگ عہد کے معنی صرف قول و قرار کے سمجھتے ہیں، لیکن اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ حقیقت شناس میں اس کے معنی بہت وسیع ہیں۔ وہ اخلاق، معاشرت، معاملات اور مذہب کی ان تمام صورتوں پر مشتمل ہے جن کی پابندی انسان پر عقلاً، شرعاً، قانوناً اور اخلاقاً فرض ہے۔ اس لحاظ سے یہ لفظ انسان کے بہت سے عقلی، شرعی، قانونی، اخلاقی اور معاشرتی فضائل کا مجموعہ ہے۔ اسی لیے قرآن حکیم میں بار بار اس کو پورا کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک مقام پر اصلی نیکی کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا﴾ ④

''اللہ کے عہد کا مقدس نام اس معاہدہ کو بھی دیا گیا جو خدا کو حاضر ناظر بتا کر یا پھر خدا کی قسمیں کھا کھا کر بندے آپس میں کرتے ہیں۔'' فرمایا:

---

① التوبہ: ۱۱۱
② المومنون: ۸
③ المائدہ: ۱
④ البقرہ: ۱۷۷

Marfat.com

﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ ①

''اور اللہ کا نام لے کر جب تم آپس میں ایک دوسرے سے اقرار کر لو تو اس کو پورا کرو، اور قسموں کو پکی کر کے توڑا نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کو تم نے اپنے اوپر ضامن ٹھیرایا ہے، بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے۔''

ایفائے عہد کی اسی اہمیت کے پیش نظر جو قرآن حکیم سے معلوم ہوتی ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق، ہر جمعہ کے خطبہ میں یہ الفاظ ضرور پڑھا کرتے تھے:

((لَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ)) ②

''جس میں عہد کی پاسداری نہیں اس میں دین نہیں۔''

یعنی وہ قول و قرار جو بندہ خدا سے کرتا ہے یا بندہ بندہ سے کرتا ہے، پورا کرنا حق اللہ اور حق العباد کا ادا کرنا ہے جس کے مجموعہ کا نام دین اسلام ہے۔ اب جو اس عہد کو پورا نہیں کرتا وہ دین کی روح اور اس کے مغز سے محروم ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام عہد کی پابندی کی صفت سے پوری طرح متصف ہوتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مظہر اتم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ سے اس اخلاقی فضیلت کو اس قدر استحکام بخشا کہ ہر مسلمان کے لیے وعدہ کو پورا کرنا ضروری قرار دیا گیا اور اس کو ایمان کی علامت بتایا گیا۔ چنانچہ فرمایا:

((حُسْنُ الْعَهْدِ مِنَ الْاِيْمَانِ)) ③

''یعنی عہد کا اچھی طرح پورا کرنا ایمان کا ایک جزو ہے۔''

---

① النحل: ۹۱

② رواہ احمد والطبرانی وابن حبان، مسند: ۳/ ۱۳۵

③ بخاری، کتاب الادب، باب حسن العهد من الایمان: ۷/ ۷۶

Marfat.com

اس سے معاشرت اور معاملات کی وہ تمام صورتیں بھی مستحکم ہو گئیں جن کی پابندی انسان پر عقلی، قانونی، معاشرتی اور شرعی طور پر لازم آتی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حاکم اور بیہقی کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک بڑھیا سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ نے اس کا حال اور اس کی خیریت پوچھی۔ اور پوچھا کہ ہمارے بعد تم کیسی رہی ہو۔ اس نے کہا میں بالکل اچھی رہی ہوں اور ہر طرح سے خیریت سے ہوں۔ جب وہ بڑھیا چلی گئی تو سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے کہا: ''یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے اس بڑھیا کی طرف اس قدر توجہ فرمائی؟ فرمایا: ''خدیجہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ میں یہ ہمارے ہاں آیا کرتی تھی، اور حسن عہد ایمان ہے ((حُسْنُ الْعَهْدِ مِنَ الْإِيْمَانِ))①

ایفائے عہد انسانی معاملات میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس معاملہ میں بھی اپنی امت کے سامنے بلکہ تمام دنیا کے سامنے ایک نمونہ پیش کیا۔ عبد اللہ بن ابی الحمساء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو کوئی چیز فروخت کی۔ وہ ساری کی ساری اس وقت آپ ﷺ کی خدمت میں پیش نہ کر سکا۔ اس کا کچھ حصہ باقی رہ گیا۔ میں نے کہا: حضور! آپ یہیں ٹھیریں میں ابھی باقی حصہ لے کر آتا ہوں۔ میں چلا گیا۔ مجھے یہ بات بھول گئی کہ میں حضور ﷺ سے وعدہ کر کے آیا ہوں کہ میں باقی چیز آپ کو لا کر دیتا ہوں۔ تین روز کے بعد مجھے اچانک یاد آیا کہ میں تو آپ ﷺ کے ساتھ وعدہ کر کے آیا ہوں۔ اور آپ میرا انتظار کریں۔ جب میں وہ چیز لے کر وہاں پہنچا تو سرکار دو عالم ﷺ اسی جگہ تشریف فرما تھے جہاں میں آپ ﷺ کو چھوڑ کر گیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے کسی ناراضی اور غصہ کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ صرف اتنا فرمایا:

((يَا فَتَىٰ! لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ وَأَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلَاثٍ أَنْتَظِرُكَ))②

① فتح الباری، کتاب الادب، باب حسن العهد من الایمان: ٧/ ٧٦

② ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی العدة: ٥/ ٢٦٨، الشفاء: ١/ ١٥٦، الفصل الثامن العشر، الوفاء وحسن العهد وصلة الرحم

Marfat.com

"اے نوجوان! تو نے مجھے بڑی تکلیف پہنچائی ہے۔ میں تین روز یہاں تمہارے انتظار میں کھڑا ہوں۔"

ایفائے عہد کا وصف آپ ﷺ میں اس قدر تھا کہ قیصر روم کے دربار میں ابو سفیان سے قیصر روم نے جن سوالات کے جوابات چاہے ان میں ایک سوال ایفائے عہد کا بھی تھا۔ ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے نہایت تفصیل اور وضاحت سے کہا کہ آپ نے کبھی بدعہدی نہیں کی۔ ①

صفوان بن امیہ اسلام لانے سے قبل سرکار دو عالم ﷺ کا سخت مخالف تھا۔ جب مکہ فتح ہوا تو وہ یمن جانے کے لیے مکہ سے بھاگ کر جدّہ آ گیا۔ عمیر بن وہب نے رسول اللہ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا کہ صفوان بن امیہ یمن جانے کے لیے جدہ بھاگ گیا ہے۔ سرور کائنات ﷺ نے عمیر بن وہب کو اپنا عمامہ عنایت فرمایا اور فرمایا کہ یہ صفوان کے امان کی علامت ہے۔ عمیر رسول اللہ ﷺ کا عمامہ مبارک لے کر صفوان کے پاس آیا اور اس کو اس کے امان کے لیے یہ عمامہ دکھا کر سرور کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں لایا۔ صفوان نے پوچھا: کیا آپ ﷺ نے واقعی مجھے امان دی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں یہ درست ہے کہ میں نے تمہیں امان دی ہے۔" ②

صفوان بن امیہ سردارانِ قریش میں سے تھا۔ اس کا باپ امیہ بن خلف جنگ بدر میں مارا گیا تھا جس کی وجہ سے یہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے سخت خلاف تھا اور آخر تک خلاف رہا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب قبول اسلام کے لیے مدینہ طیبہ جا رہے تھے تو انہیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ اس نے کہا: اگر سارا مکہ بھی مسلمان ہو جائے میں پھر بھی مسلمان نہیں ہوں گا۔ چنانچہ فتح مکہ کے روز یہ بھی اپنی جان کے خطرہ کی وجہ سے مکہ سے بھاگ گیا۔ اس کا چچازاد بھائی عمیر بن وہب جمحی نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اس کے لیے امان طلب کی۔ آپ نے امان دے دی اور علامت کے طور پر عمیر کو اپنی وہ پگڑی بھی عنایت فرما دی جو آپ ﷺ نے مکہ میں داخلہ کے وقت سر پر باندھ رکھی تھی۔

---

① بخاری، کتاب بدء الوحی، باب ایضاً: ١/٦

② سیرت النبی ﷺ ابن هشام، ذکر امان الرسول ﷺ لصفوان بن امیه: ٤/ ٦٠

Marfat.com

عمیر صفوان کے پاس پہنچے اور ان کو بارگاہ رسالت میں لائے۔ صفوان نے آپ ﷺ سے دو ماہ کی مہلت مانگی تاکہ میں اس معاملہ پر بخوبی غور وفکر کر لوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہیں چار ماہ کی مہلت ہے۔'' اس کے بعد صفوان نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کی بیوی پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی۔ اس لیے آپ ﷺ نے دونوں کا پہلا نکاح ہی برقرار رکھا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ مجھ کو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی عورت پر رشک نہیں آیا۔ میرے نکاح سے تین سال قبل ان کا انتقال ہو چکا تھا لیکن سرور کائنات ﷺ ان کا ذکر کیا کرتے تھے یعنی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد بھی ان کی سہیلیوں کے ساتھ وہی سلوک قائم رکھا جو ان کی زندگی میں ان کے ساتھ تھا۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے ''حسن العھد من الایمان'' اس باب کے تحت اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ ①

وحشی جس نے غزوہ احد میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا اور مسلمانوں کے ڈر سے اب شہر بہ شہر پھر رہا تھا اور اسے کہیں پناہ نہیں مل رہی تھی۔ اہل طائف نے مدینہ طیبہ بھیجنے کے لیے جو وفد ترتیب دیا اس میں وحشی کا نام بھی تھا، لیکن اسے ڈر تھا کہ میں نے چونکہ اسلام کے اتنے بڑے بہادر کو دھوکے سے شہید کیا ہوا ہے کہیں اس کے انتقام میں رسول اللہ ﷺ یا مسلمان مجھے قتل نہ کر دیں، لیکن اہل طائف نے رسول اللہ ﷺ کا دشمن ہونے کے باوجود اسے یقین دلایا کہ محمد (ﷺ) سفراء کو قتل نہیں کرتے۔ چنانچہ وہ اہل طائف کے اس یقین دلانے پر حاضر ہوا اور پھر اسلام لا کر یہیں کا ہو رہا۔ ②

غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کفار مکہ کے مقابلہ میں اتنی کم تھی کہ ایک آدمی کا اضافہ بھی بہت اہم تھا، لیکن ان پُر خطر حالات میں آپ نے ایفائے عہد کی پوری پوری حفاظت فرمائی۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کے دو صحابی سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ابو حسیل کہیں سے آ رہے تھے کہ راستہ میں قریش نے ان دونوں کو روک لیا کہ تم محمد (ﷺ) کی مدد کو جا رہے ہو۔ انہوں نے ان لوگوں سے جان چھڑانے کے

---

① بخاری، کتاب الادب: باب حسن العھد من الایمان: ۲/ ۸۸۸

② بخاری، باب غزوہ احد: ۵/ ۱۷۶

لیے کہا کہ نہیں، ہم ان کی مدد کو نہیں جا رہے۔ ہم مدینہ جا رہے ہیں۔ انہوں نے ان دونوں سے آپ کی مدد نہ کرنے کا وعدہ لیا اور ان دونوں نے وعدہ بھی کر لیا کہ ہم جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ یہ دونوں حضرات میدان بدر میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ سارا واقعہ آپ کی خدمت میں عرض کیا اور ساتھ ہی جنگ میں شرکت کی درخواست کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے، ہمیں صرف اللہ تعالیٰ کی مدد درکار ہے۔'' ①

معاہدہ حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ سے جو شخص مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا۔ وہ اہل مکہ کے مطالبہ پر واپس کر دیا جائے گا۔ معاہدہ کی یہ دستاویز ابھی لکھی جا رہی تھی کہ سہیل بن عمرو کے بیٹے ابو جندل رضی اللہ عنہ اپنی بیڑیاں گھسیٹتے اہل مکہ کی قید سے نکل کر یہاں آ پہنچے۔ یہ پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے اور کفار مکہ ان کو پابجولاں کر کے اور قید و بند کی صعوبتیں دے کر طرح طرح کی ایذائیں پہنچا رہے تھے۔ انہوں نے یہاں پہنچ کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا۔ سہیل نے کہا: یہ پہلا شخص ہے جو عہد نامہ کے مطابق واپس ہونا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تو نوشتہ صلح پورا لکھا بھی نہیں گیا یعنی لکھے جانے اور پھر فریقین کے اس پر دستخط ہو جانے کے بعد اس پر عمل شروع ہونا چاہیے، لیکن سہیل کا ایک ہی جواب تھا کہ پھر میں کسی بات پر صلح کا کوئی معاملہ ہی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل سے کہا کہ اچھا تو تم اس کو میری خاطر چھوڑ دو، لیکن وہ نہ مانا۔ پھر سہیل نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر ایک زور دار تھپڑ مارا اور اس کے کرتے کا گلا پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ زور زور سے چلا کر کہنے لگے: ''کیا میں مشرکین کی طرف واپس کیا جاؤں گا؟ کہ وہ میرے دین کے متعلق مجھے فتنے میں ڈالیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صبر کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور تمہارے جیسے دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے کشادگی اور پناہ کی جگہ بنائے گا۔ ہم نے قریش کے ساتھ ایک عہد نامہ کر لیا ہے، اس لیے بدعہدی نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اچھل کر ابو جندل رضی اللہ عنہ کے پاس

① مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب الوفاء بالعهد: ٢/ ١٠٦

Marfat.com

پہنچے۔ وہ ان کے ساتھ چلتے جا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے۔ ابو جندل! صبر کرو یہ لوگ مشرک ہیں۔ ان کا خون تو بس کتے کا خون ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی تلوار کا دستہ ان کے قریب کرتے جا رہے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں یہ اس لیے کر رہا تھا کہ مجھے امید تھی کہ ابو جندل تلوار لے کر اپنے باپ سہیل کا سر اڑا دیں گے لیکن انہوں نے اپنے باپ کے بارے میں بخل سے کام لیا۔ آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی پابندی کرتے ہوئے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو سہیل بن عمرو کے حوالے کر دیا۔①

غرض یہ کہ اس صلح کی ایک شرط جو مسلمانوں پر بہت شاق گزری تھی کہ قریش کا جو آدمی بھاگ کر مسلمانوں کے پاس آئے گا مسلمان اسے واپس کر دیں گے، لیکن مسلمانوں میں سے جو شخص پناہ کی غرض سے بھاگ کر قریش کے پاس آئے گا قریش اسے واپس نہیں کریں گے، یہ شق بھی مسلمانوں کے لیے نقصان دہ نہ ہوئی۔ کیونکہ کوئی شخص مدینہ منورہ سے مسلمان ہوتے ہوئے بھاگ نہیں سکتا تھا کیونکہ مدینہ تو ان کا مرکز ایمان تھا اور مومن ہوتے ہوئے کوئی شخص بھی مرکز ایمان سے بھاگنے کا کبھی سوچے گا بھی نہیں۔ وہ صرف مرتد ہونے کی صورت میں بھاگے گا، اور اگر وہ مرتد ہو جائے تو مسلمان معاشرہ کو اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((إِنَّهُ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا إِلَيْهِمْ فَأَبْعَدَهُ اللّٰهُ))②

"بے شک جو ہمیں چھوڑ کر مشرکین کی طرف بھاگا اللہ نے اسے دور کر دیا یعنی تباہ و برباد کر دیا۔"

اور جو لوگ مسلمان ہوتے ہوئے مکہ میں کفار کی ایذائیں سہہ رہے تھے جیسے ابو جندل رضی اللہ عنہ وغیرہ تو اگرچہ ان کے لیے اس معاہدہ کی رو سے مدینہ میں پناہ گزین ہونے کی کوئی گنجائش نہ تھی لیکن اللہ کی زمین تو ان کے لیے کشادہ تھی۔ وہ اور کہیں جا کر پناہ حاصل کر سکتے تھے۔ اور مسلمان جہاں بھی جائے گا اپنے ایمان کے نور کو ضرور پھیلائے گا۔

---

① بخاری، کتاب الشروط، باب مایجوز الشروط......الخ، رقم الحدیث ۲۵۱۲

② مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب صلح الحدیبیه: ۲/۱۰۵

چنانچہ اس بات کو سرکار دو عالم ﷺ نے ان الفاظ میں واضح فرمایا:

''ان کا جو آدمی ہمارے پاس آئے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے ضرور کوئی نہ کوئی کشادگی اور مخرج نکال دے گا۔''①

چنانچہ ہوا بھی یہی کہ سرکار دو عالم ﷺ جب واپس مدینہ تشریف لے گئے تو ایک شخص ابو بصیر رضی اللہ عنہ مشرکین مکہ کی قید سے بھاگ کر مدینہ طیبہ پناہ حاصل کرنے کے لیے پہنچے۔ قریش کے دو آدمی ان کے پیچھے فوراً مدینہ پہنچے اور حضور ﷺ سے ان کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ معاہدہ کی رو سے آپ ﷺ نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو ان دونوں آدمیوں کے حوالہ کر دیا۔ اور ابو بصیر سے فرمایا کہ میں معاہدہ کے خلاف نہیں کر سکتا، لہٰذا بہتر ہے کہ تم ان کے ساتھ چلے جاؤ۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کی طرح آپ ﷺ کے حضور میں واپس جانے پر آہ وزاری کی کہ آپ مجھے ان مشرکین کی طرف واپس کر رہے ہیں جو مجھ کو دین اسلام سے پھیرنا چاہتے ہیں اور طرح طرح سے مجھ کو ایذائیں دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ابو بصیر کو تسلی دی اور صبر کی تلقین فرمائی اور یہ بھی فرمایا: ''امید رکھو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری کشادگی اور نجات کی صورت پیدا فرما دے گا۔''

ابو بصیر رضی اللہ عنہ بادل نخواستہ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ ہو لیے۔ جب ذوالحلیفہ پہنچے اور جو کھجوریں ان کے پاس تھیں وہ کھانے لگے تو ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک شخص سے کہا: ''اے فلاں! میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری یہ تلوار کیسی عمدہ ہے؟'' اس نے تلوار کو نیام سے نکال کر کہا: ''ہاں، ہاں، واللہ! واقعی بہت عمدہ ہے۔ میں نے بارہا اس کو آزمایا ہے۔''

ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ذرا مجھے دکھاؤ تو، میں بھی تو دیکھوں کیسی ہے؟ اس احمق نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو تلوار دے دی۔ جونہی ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے تلوار پکڑی تو فوراً ایک ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ دوسرا شخص بھاگ کر فوراً مدینہ آیا اور دوڑتا ہوا مسجد نبوی میں گھس گیا اور ہانپتا کانپتا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: ''خدا کی قسم! میرا ساتھی قتل کر دیا گیا اور میں بھی قتل کر دیا جانے والا ہوں۔''

---

① مسلم، کتاب الجهاد والسير باب صلح الحديبيه: ۲/ ۱۰۵

Marfat.com

اتنے میں ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کا عہد پورا کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مجھے ان کی طرف لوٹا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات دے دی۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کی ماں کی بربادی ہو، اسے اگر کوئی ساتھی مل جائے تو یہ جنگ کی آگ بھڑکا دے گا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ابو بصیر سمجھ گئے کہ اگر میں یہاں رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر مجھے معاہدہ کی رو سے مشرکین کے حوالے کر دیں گے۔ اس لیے وہ مدینہ طیبہ سے نکل کر ساحل سمندر پر آ کر قیام پذیر ہو گئے اور اس شاہراہ پر مقیم ہوئے جہاں سے قریش کے کاروانِ تجارت شام کو آتے جاتے تھے۔ مکہ کے بے بس مسلمانوں کو جب ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے یہاں قیام کا پتہ چلا تو وہ بھی راتوں کی تاریکی میں چھپ چھپ کر ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ بھی کسی طریقہ سے مکہ سے بھاگ کر یہاں آ گئے۔ چنانچہ ایک روایت کے مطابق ستر آدمیوں کی ایک جماعت (اور امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق تین سو افراد ①) یہاں جمع ہو گئے۔ اب ان لوگوں نے قریش کے شام جانے والے ہر قافلہ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنی شروع کر دی۔ قافلہ والوں کو مار کر ان کا مال ضبط کر لیتے یہاں تک کہ قریش کے تجارتی قافلوں کا وہاں سے گزرنا مشکل ہو گیا۔ قریش نے تنگ آ کر کچھ آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجے کہ ہم آپ کو اللہ اور قرابت کا واسطہ دیتے ہیں کہ آپ ان لوگوں کو اپنے پاس مدینہ بلا لیں۔ اب جو بھی آپ کے پاس جائے گا ہم اس کو ہرگز واپس نہیں لیں گے۔ گویا معاہدہ کی اس شرط کو خود انہوں نے منسوخ کر دیا لیکن آپ نے ایفائے عہد میں کوتاہی نہیں کی۔ چنانچہ قریش کی درخواست پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک والا نامہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے نام ارسال فرمایا اور اسے اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ چلے آنے کو کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ والا نامہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت پہنچا جب وہ اس دنیا سے عالم آخرت کو انتقال فرما رہے تھے۔ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو وہ اس کو پڑھتے

① زرقانی، مواہب اللدنیة: ۲/ ۲۰۳

Marfat.com

جاتے تھے اور خوش ہوتے جاتے تھے یہاں تک کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور والا نامہ ان کے سینہ پر تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہاتھ میں تھا۔''①

سیدنا ابو جندل رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بصیر رضی اللہ عنہ کی تجہیز و تکفین کی اور انہیں اس جگہ دفن کر دیا اور اس کے قریب ایک مسجد تعمیر کر دی۔ پھر وہ سب آدمیوں کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے کشادگی پیدا فرمادی جو مکہ سے قریش کی سزاؤں اور ایذاؤں کی وجہ سے بھاگ کر مدینہ آنا چاہتے تھے لیکن معاہدہ کی رو سے انہیں مدینہ میں پناہ نہیں مل سکتی تھی کیونکہ یہ بات ایفائے عہد کے منافی تھی۔

یہ سب واقعات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں ایفائے عہد کی صفت بدرجہ اتم موجود تھی اور آپ نے پوری زندگی کبھی کسی شخص سے عہد شکنی نہیں کی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی لَهٗ

---

① روض الانف، ذکر ابو بصیر و زملاوہ فی العیص: ٦ / ٤٧٠ عیون الاثر، ذکر ابی بصیر وابی جندل: ٢ / ١٢٩، سیرت النبی ﷺ ابن ہشام: ٢ / ٣٢٣

Marfat.com

یا رب تو کریمی و رسولِ تو کریم

صلی اللہ علیہ وسلم

صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

سعدی

Marfat.com

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم
کی شجاعت و بہادری

دنیا میں ہر نبی شجاع اور بہادر ہوتا ہے کیونکہ اس کی پشت پر تائید خداوندی ہوتی ہے، یہ الگ بات ہے کہ بعض انبیاء جلالی اور بعض جمالی ہوتے ہیں اور بعض جلال و جمال دونوں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ پھر انسان کے فضائل اخلاق اسماء الٰہی کے پرتو ہیں۔ اللہ رحمان اور رحیم ہے تو اس کے پرتو کی وجہ سے انسان بھی رحم دل اور مہربان ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ قدیر، قادر، مقتدر، جبار (جس کو کوئی پچھاڑ نہ سکے) قاہر (جو ہر ایک کو دبا دے) غالب اور عزیز وغیرہ کے اوصاف سے متصف ہیں تو ان صفات کے پرتو اس کے کامل بندوں پر بھی پڑتے ہیں، لہٰذا ان کے اندر بھی شجاعت اور بہادری کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ علمائے اخلاق کے نزدیک قوت غضبیہ کے اعتدال کا نام شجاعت، اس کے افراط کا نام تہور اور تفریط کا نام جبن (بزدلی) ہے۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے انسان کی قوت غضبیہ میں اعتدال پیدا کیا۔ تمام دنیا میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے اپنے ماننے والوں میں شجاعت و بہادری کا اور جرأت و ہمت کا جوہر پیدا کیا۔ اسلام سے قبل قوت کو ظلم وستم اور خون ریزی کا باعث سمجھا جاتا ہے لہٰذا ہر مذہب اس کو مٹانے کی کوشش کرتا تھا لیکن اسلام نے اس قوت کے ازالہ کے بجائے امالہ کیا۔ اسلام نے کہا کہ قوت وطاقت بذات خود کوئی بری چیز نہیں اس کو غلط استعمال کرنا برا ہے۔ چنانچہ اس بہترین وصف بہادری اور شجاعت کو حق کی مدد اور باطل کے مٹانے پر صرف کیا اور اس کا

Marfat.com

نام جہاد رکھا۔ ان مسلمانوں کی جو سختیوں اور مصائب کا بہادرانہ مقابلہ کرتے ہیں اور جنگوں میں دادِ مردانگی دیتے ہیں، قرآن حکیم نے ان کی یوں تعریف فرمائی ہے:

﴿وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ ①

''اور وہ لوگ جو سختی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت ثابت قدم رہتے ہیں وہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور وہی متقی ہیں۔''

عالم اسباب میں زندگی کی بقا اور اس کی ترقی اور فروغ کا دارومدار قوت کے استعمال پر ہے۔ یہ ایک بہترین انسانی وصف ہے اور یہ حالات و کیفیات کے لحاظ سے مختلف پیکروں میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ حق گوئی، بلند ہمتی، ثابت قدمی، خودداری، محنت اور صبر وسکون سب اسی کے مختلف پیکر ہیں۔ اسلام نے شجاعت اور بہادری کو عقیدہ کا رنگ دیا۔ صحیح ایمان اور غیر متزلزل یقین ہی شجاعت و بہادری کے جوہر کی اساس ہے۔

اسلام نے یہ باور کرایا کہ موت کا ایک دن مقرر ہے اسے کوئی ٹال نہیں سکتا، لیکن حق تعالیٰ شانہ کی راہ میں زندگی نچھاور کرنا زندگی کا بہترین مصرف ہے۔ وہ دین کے کاز (Cause) کے لیے لڑتا ہوا مارا گیا وہ کامیاب و کامران ہوگیا۔

پھر قرآن نے یہ بھی بتایا کہ مومن کا مال اور اس کی جان اس کی اپنی نہیں بلکہ یہ دونوں چیزیں اللہ کی ملکیت ہیں، لیکن پھر بھی اللہ نے ان دونوں کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰي مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ﴾ ②

''بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، پھر قتل بھی کرتے ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔''

---

① البقرة: ۱۷۷

② التوبة: ۱۱۱

Marfat.com

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ شجاعت و بہادری کا وصف ویسے تو ہر نبی اور رسول میں پایا جاتا ہے لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس وصف میں بھی اور اوصاف کی طرح درجہ کمال پر تھے۔اسی وصف شجاعت نے انبیاء علیہم السلام کی قیادت کو مستحکم کیا اور اس کی بنیاد پر ان نفوس قدسیہ نے اپنے ماننے والوں اور پیروؤں کو ثابت قدم رہنے پر آمادہ کیا۔انبیاء علیہم السلام کو بعثت کا مقصد حق کو غالب کرنا ہوتا ہے اور اس کے لیے مسلح تصادم ناگزیر ہوتا ہے، اس لیے ایسے مواقع پر انبیاء کو اللہ تعالیٰ کی تائید کی بنیاد پر خصوصی اقدامات کرنا پڑتے ہیں۔اس کی مثال قرآن حکیم میں سیدنا موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ملتی ہے کہ جب انہوں نے اپنی قوم کو جہاد پر آمادہ کیا تو یہ بے ہمت لوگ جن کی پوری زندگی فرعون کی غلامی میں گزری تھی، خوف اور بے ہمتی کا شکار ہو گئے۔قرآن حکیم نے ان کی اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿اِنَّ فِيهَا قَوْماً جَبَّارِيْنَ، وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ج فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ﴾①

”(اے موسیٰ!) وہاں تو بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں، اور جب تک وہ اس سرزمین سے نکل نہ جائیں ہم وہاں ہرگز نہیں جا سکتے، اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو پھر ہم داخل ہوں گے۔“

ان کی یہ باتیں بزدلی اور کم ہمتی کی تھیں۔شجاعت اور بہادری نام کی کوئی چیز ان میں نہیں تھی۔لہٰذا سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی امت کے بعض لوگوں نے انہیں سمجھایا کہ تمہارا یہ وطیرہ نہایت بزدلانہ اور غلط ہے۔تم ذرا ہمت و استقامت سے کام لو۔

﴿فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ہ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾②

”جب تم اس شہر کے دروازہ میں داخل ہو گے تو تم ہی غالب ہو گے اور اللہ پر توکل اور بھروسہ رکھو، اگر تم صاحب ایمان ہو۔“

① المائدہ: ۲۲

② المائدہ: ۲۳

Marfat.com

یہ تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے لیکن اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی عزم واستقلال اور شجاعت و بہادری کی زندگی ہے۔ آپ کی سیرت کو پڑھنے سے پتا چلتا ہے کہ انتہائی نازک اور مشکل حالات میں بھی آپ کے پائے استقلال واستقامت میں کوئی لغزش اور جنبش نہ آئی۔ مکہ میں کیا کیا ظلم وستم آپ پر نہیں کیے گئے، لیکن ان پر خوف اور مصائب و آلام کی زندگی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عزم و ہمت سے دعوت اسلام کا کام جاری رکھا۔ طائف میں کیا کچھ آپ کے ساتھ نہیں کیا گیا لیکن آپ کی زبان پر صرف ایک ہی لفظ تھا: ''اے لوگو! لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـه پڑھو فلاح پا جاؤ گے، عرب وعجم تمہارے زیر فرمان ہو جائیں گے۔'' مختلف معرکوں میں جس عزم و ہمت اور شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کیا تاریخ کے اوراق اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ غزوہ خندق میں جب کہ باہر سے آئے ہوئے متحدہ محاذ کے دس ہزار آدمیوں نے مدینہ کا مکمل طور پر محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اس وقت مدینہ کے محصورین کی جو حالت تھی قرآن حکیم نے اس کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا، هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا﴾ ①

''اور جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی طرف سے تم پر چڑھ آئے، اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل (مارے دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے اور اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت طور پر ہلائے گئے۔''

یہ اتحادی لشکر راستہ میں معلوم نہیں کیا کیا منصوبے بنا کر آیا تھا کہ جاتے ہی حملہ کر کے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیں گے۔ دوسری طرف بنو قریظہ بھی قریش اور اتحادی فوجوں سے مل گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی تحقیق حال کے لیے سیدنا سعد

---

① الاحزاب: ۱۰۔۱۱

Marfat.com

بن معاذ، سیدنا سعد بن عبادہ، سیدنا عبداللہ بن رواحہ اور سیدنا خوات بن جبیر رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔ مسلمان اس وقت انتہائی نازک صورت حال سے دوچار تھے۔ عقب میں بنو قریظہ جن کے حملہ کو روکنے کے لیے مسلمانوں کے درمیان کوئی آڑ نہ تھی۔ پھر مسلمان عورتیں اور بچے جو کسی حفاظتی انتظام کے بغیر بنو قریظہ کے یہودیوں کے بالکل قریب تھے، سامنے دس ہزار کا لشکر جرار خشمگین نگاہوں سے مسلمانوں کو دیکھ رہا تھا۔ سخت سردی کی راتیں اور کئی روز کا فاقہ، لیکن اللہ کا پیغمبر نہایت پرسکون حالت میں تھا اور مسلمانوں کو خوشخبری سنا رہا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ خبر سن کر اور مسلمانوں کی پریشانی کی کیفیت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اور منہ کپڑے سے ڈھانک لیا اور دیر تک چت لیٹے رہے۔ اب اس کیفیت کو دیکھ کر مسلمانوں کے اضطراب میں کچھ اضافہ ہوا، لیکن اس کے بعد آپ اٹھے۔ آپ نہایت پرسکون حالت میں تھے۔ آپ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا: ''مسلمانو! اللہ کی مدد اور فتح کی خوشخبری سن لو۔'' پھر آپ نے آئندہ کے لیے اپنا دفاعی پروگرام بتایا تاکہ ان پیش آمدہ حالات سے اچھی طرح نمٹا جا سکے۔①

جنگ بدر میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت پرسکون اور غیر متزلزل تھے اور اسی پرسکون حالت میں دفاعی تدابیر کا انتظام کر رہے تھے۔ غزوہ بدر میں جب مسلمان گھمسان کی لڑائی میں پناہ کا سوچتے تو فوراً سمٹ کر دامن نبوت میں پناہ لیتے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسا بہادر انسان بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت اور بہادری کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''جب بدر میں زور کا رن پڑا تو ہم لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی آڑ میں آ کر پناہ لی۔ آپ سب سے زیادہ شجاع اور بہادر تھے۔ مشرکین کی صف سے اس روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی قریب نہ تھا۔''②

غزوہ حنین میں جب اسلامی لشکر کے سپریم کمانڈر اپنی سفید رنگ کی ناقہ قصواء پر

---

① تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد: غزوۃ رسول اللہ الخندق: ۲/ ۶۷ بالفاظ مختلفة، تاریخ طبری: ۳/ ۴۵، فتح الباری: ۷/ ۳۰۵

② مسند احمد بن حنبل: ۱/ ۱۲۶

Marfat.com

سوار سب سے آگے تشریف لے جا رہے تھے اور ان کے عقب میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بنو سلیم کا دستہ مقدمۃ الجیش میں تھا اور اس کے ہاتھ میں علم بھی تھا۔ جونہی یہ دستہ تہامہ کا میدان طے کر کے حنین کی تنگ گھاٹی سے گزرا۔ غنیم کی فوجوں نے جو درہ کی چوٹی پر گھات لگائے بیٹھی تھیں، اپنے کمانڈر عوف بن مالک کی ہدایت کے مطابق پے در پے تیروں کی باڑھ چھوڑ دی۔ مسلمان صبح کے جھٹپٹے میں وادی حنین کی طرف آ رہے تھے۔ وہ دشمن کی موجودگی سے بے خبر تھے۔ انہیں بالکل علم نہیں تھا کہ وادی کے تنگ دروں کے اندر ہوازن اور ثقیف کے جیالے ان کی گھات میں بیٹھے ہیں، اس لیے وہ پورے اطمینان کے ساتھ بے خبری کے عالم میں اتر رہے تھے کہ اچانک ان پر تیروں کی بارش ہوگئی۔ اس اچانک حملہ سے قدرتی بات ہے کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ زیادہ بدحواس ہو گئے اور ان میں ایسی بھگدڑ مچی کہ کوئی کسی کا پرسان حال نہ تھا۔ جو اپنی بہادری کے زعم میں مکہ سے آئے تھے وہ ''لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔'' وہ مکہ سے اپنی تلوار بھی لائے تھے، لہٰذا اس نازک موقع پر بھاگنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حنین میں مشرکین نے اتنی اچھی صف بندی کی جو میں نے اس سے قبل نہیں دیکھی۔ سواروں کی صف، پھر پیادوں کی صف، پھر ان کے پیچھے عورتیں، پھر ان سب کے پیچھے مال مویشی۔ ہم لوگ بڑی تعداد میں تھے۔ ہمارے میمنہ پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے، مگر ہمارے سوار دشمن کی تیراندازی کی وجہ سے ہماری پیٹھ کے پیچھے پناہ لینے لگے اور ذرا سی دیر میں ہمارے سوار بھاگ کھڑے ہوئے، اعراب بھی بھاگے اور وہ لوگ بھی جنہیں تم جانتے ہو①۔ بھگدڑ سے مسلمانوں کی حالت یہ تھی جس کا نقشہ قرآن حکیم نے ان الفاظ میں کھینچا ہے: ﴿ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ﴾② زمین ان پر اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی۔ لیکن فضل خداوندی مسلمانوں پر سایہ فگن تھا۔ اللہ کے فضل و کرم کا محور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیکر مقدس تھا جو اپنی جگہ پر استقلال و استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑا رہا، جس

① فتح الباری، کتاب المغازی، باب قول اللہ یوم حنین اذا عجبتکم......الخ: ۸/۲۹

② التوبہ: ۲۵

Marfat.com

میں اگر جنبش ہوئی تو اتنی کہ وہ اپنے سفید خچر سے نیچے اترا، لیکن اکثر روایات میں ہے کہ آپ خچر پر سوار ہی رہے۔ بھگدڑ کے باوجود آپ کا رخ کفار کی طرف ہی تھا، اور آپ بجائے پیچھے ہٹنے کے پیش قدمی کے لیے اپنے خچر کو ایڑ لگا رہے تھے۔ تلوار ہاتھ میں تھی اور اونچی آواز سے یہ رجزیہ کلمات فرما رہے تھے۔

أَنَـا الـنَّبِـيُّ لَا كَـذِبْ　　أَنَـا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

میں نبی ہوں اور اس میں کوئی جھوٹ نہیں اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

آپ کے ایک نئے جان نثار ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب نے اس نازک موقع پر آگے بڑھ کر خچر کی لگام پکڑ لی۔ سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے رکاب تھام لی کہ خچر کہیں تیزی سے آگے نہ بڑھ جائے۔ مختصر یہ کہ آپ ایسے نازک موقع پر بھی نہایت شجاعت اور بہادری سے اپنے مقام پر استقامت سے قائم رہے۔

مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی شجاعت و بہادری کا نہایت واضح الفاظ میں اعتراف کیا ہے سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ آپ کی شجاعت و بہادری کے بارے میں فرماتے ہیں ''بخدا! جب لڑائی انتہائی خونی ہوتی تو ہم لوگ آپ کی آڑ میں پناہ ڈھونڈتے۔''

''إِنَّ الشُّجَاعَ مِنَّا لَلَّذِي يُحَاذِيْ بِهٖ يَعْنِيُ النَّبِيَّ ''①

''ہم میں سب سے بڑا بہادر وہ شخص سمجھا جاتا جو لڑائی میں آپ کے ساتھ کھڑا ہوتا۔''

اور غزوہ حنین کے نازک موقع پر آپ کی استقامت، استقلال اور ثابت قدمی کو سیدنا عباس اور سیدنا ایاس بن سلمہ رضی اللہ عنہما نے بھی بیان کیا ہے۔②

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ النَّاسِ وَأَشْجَعَ

---

① مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب غزوه حنين: ٢/ ١٠١، ترمذی، كتاب الجهاد: ٤/ ٢٠٠، ٥/ ١٦٨

② بخاری، كتاب الجهاد:، باب الشجاعة فى الحرب: ١/ ٣٩٦

Marfat.com

النَّاسِ، وَأَجْوَدَ النَّاسِ"①

''یعنی سرکار دو عالم ﷺ سب سے زیادہ حسین، سب سے زیادہ بہادر اور شجاع اور سب سے زیادہ صاحب جود وسخا تھے۔''

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک دفعہ مدینہ منورہ میں شور اٹھا کہ دشمن آ گئے۔ لوگ مقابلہ کے لیے تیار ہونے لگے، لیکن اس موقع پر سب سے آگے جو بڑھے وہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ آپ برہنہ پشت گھوڑے پر سوار ہو کر لوگوں کے تیار ہونے سے پہلے ہی تمام خطروں کے مقامات پر سے گشت لگا آئے اور واپس آ کر لوگوں کو تسلی دی کہ کوئی خطرہ نہیں۔ دشمن کے آنے کی خبر غلط تھی۔ آپ نے اس موقع پر گھوڑے کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''وجدناه بحرا'' ہم نے اسے سمندر پایا۔②

شجاعت ہی کا ایک مظہر استقلال اور استقامت ہے۔ استقلال دراصل شجاعت کا مسلسل ظہور ہے۔ جنگ اور خوف کی حالت میں خصوصی رویہ اگر شجاعت اور بہادری کہلاتا ہے تو نامساعد حالات میں ثابت قدمی استقلال اور استقامت کہلاتی ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ میں استقلال اور استقامت بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔ بعثت کے بعد جن مشکلات اور مصائب سے آپ کو دو چار ہونا پڑا اور جن مشکل حالات سے آپ کو مقابلہ کرنا پڑا اور ان تکلیف دہ لمحات میں بھی آپ نے جرأت اور ہمت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ نہایت جرأت و ہمت سے ان مشکل حالات کا مقابلہ کیا۔ کیا یہ آپ کی کم جرأت اور ہمت تھی کہ آپ نے اس جاہلی معاشرہ میں تن تنہا دعوت الی اللہ کا بیڑا اٹھایا اور بے شمار مشکلات کے باوجود اس کو جاری و ساری رکھا۔ یہاں تک کہ مشرکین مکہ آپ کے اس استقلال و استقامت کو دیکھ انگشت بدندان تھے۔ چنانچہ ایک روز مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو (معاذ اللہ) ختم کرنے کی ٹھان لی۔ ایک روز ابو جہل نے قریشی سرداروں سے مخاطب ہو کر کہا:

---

① رواہ البیھقی فی دلائل النبوۃ بتغیر: ۱/۳۱۳، بخاری، کتاب الجھاد، باب الشجاعۃ: ۱/۳۹۵

② بخاری، کتاب الجھاد، باب الشجاعۃ فی الحرب: ۱/۳۹۵، ترمذی: ۴/۱۹۹

"قریشی ساتھیو! تمھیں بخوبی علم ہے کہ محمد (ﷺ) کس طرح ہمارے دین میں میں میخ نکالتے ہیں۔ ہمارے باپ دادا کی بدگوئی اور ہمارے عقل مندوں کی تخفیف اور ہمارے معبودوں کی تذلیل کرتے ہیں، لہٰذا میں نے یہ تجویز اپنے ذہن میں تیار کی ہے کہ ایک بہت بھاری پتھر لے کر رکھوں گا اور جب محمد (ﷺ) سجدہ کرے تو اسی پتھر سے ان کا سر کچل دوں۔ تمام قریش نے ابوجہل کو یقین دلایا کہ ہم اس معاملہ میں تمھیں اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔ تم جو کرنا چاہتے ہو کر گزرو۔ رات کو رسول اللہ ﷺ مسجد الحرام میں نماز کے لیے تشریف لائے۔ چنانچہ جب آپ سجدہ میں گئے تو ابوجہل نے پتھر اٹھایا اور مارنے کے لیے آپ کی جانب بڑھا، یہ دیکھ کر تمام لوگ حیران رہ گئے کہ بجائے آپ کو پتھر مارنے کے وہ شکست خوردہ حالت میں واپس بھاگا۔ اس کا رنگ اڑا ہوا تھا جیسے اس نے کوئی نہایت خطرناک چیز دیکھی ہو۔ وہ اس قدر مرعوب تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ پتھر کے ساتھ چپک کر رہ گئے اور وہ بصد مشکل ہاتھ سے پتھر پھینک سکا۔ یہ حالت دیکھ کر قریش کے لوگ اس کے پاس آئے اور پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟ ابوجہل نے نہایت گھبرائی ہوئی آواز میں جواب دیا کہ میں جب پتھر اٹھا کر محمد (ﷺ) کے قریب پہنچا اور آپ پر پتھر پھینکنے لگا تو ایک اونٹ آڑے آ گیا۔ لات وعزیٰ کی قسم! میں نے اس قسم کا اونٹ پوری زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ وہ مجھے کھا جانا چاہتا تھا، اس لیے میں بھاگ آیا ہوں۔" ①

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کو ہلاک کرنے کے منصوبے بھی بنائے گئے، آپ پر اونٹ کی اوجھڑی بھی رکھی گئی، آپ کے راستہ میں کانٹے بھی بچھائے

---

① البدایہ والنہایۃ: ۳/ ۹۰، بقول ابن اسحاق، مجھے کسی نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ جبریل علیہ السلام تھے اگر وہ قریب ہوتا تو اسے پکڑ لیتے۔

Marfat.com

گئے، آپ پر پتھروں کی بارش بھی ہوئی جس سے آپ لہولہان ہو گئے لیکن آپ کے پائے استقلال واستقامت میں کوئی لغزش نہ آئی۔ بلکہ بعض دفعہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کے ان سرداروں کو ڈانٹ بھی دیا اور وہ خاموشی سے آپ کی ڈانٹ سنتے رہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روزہ روسائے قریش حطیم میں جمع تھے۔ میں بھی وہاں موجود تھا۔ ان روسا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا اور کہنے لگے کہ ''اس شخص کے بارے میں جیسا صبر ہم نے کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔'' یہ گفتگو جاری تھی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں تشریف لے آئے۔ آپ نے پہلے تو حجر اسود کو بوسہ دیا پھر طواف کرتے ہوئے مشرکین کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے آپ پر آوازے کسے اور طعنہ زنی کی جس کا اثر آپ کے روئے اقدس پر دیکھا گیا۔ اس کے بعد جب دوبارہ آپ کا گذر حطیم کے پاس سے ہوا تو مشرکین نے پھر پہلے کی طرح آپ پر آوازے کسے۔ میں نے اس کے اثرات بھی آپ کے چہرہ پر دیکھے۔ اس کے بعد جب آپ تیسری بار وہاں سے گزرے تو مشرکین نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آوازے کسے اور نازیبا الفاظ کہے۔ اب کی بار آپ ٹھیر گئے اور فرمایا:

''قریش کے لوگو! سنو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے پاس تمہارے قتل اور ذبح کا حکم لے کر آیا ہوں۔''①

آپ کے منہ سے یہ الفاظ سننا تھے کہ ان کے اوسان خطا ہو گئے اور ایک سکتہ کی سی کیفیت ان کے جسموں پر طاری ہو گئی، جیسے کاٹو تو لہو نہیں یہاں تک کہ جو آپ پر سب سے زیادہ سخت تھا وہ بھی بہتر سے بہتر لفظ جو پا سکتا تھا اس کے ذریعہ آپ سے عفو ورحمت کا طلب گار ہوا اور کہنے لگا:

''ابوالقاسم! واپس جائیے۔ بخدا! آپ کبھی بھی جاہل اور نادان نہ تھے۔''

دوسرے روز قریش پھر حجر میں جمع ہو کر آپ کا ذکر کر رہے تھے کہ آپ پھر تشریف لائے۔ دیکھتے ہی سب یک بارگی آپ پر پل پڑے اور آپ کو گھیر لیا۔ پھر میں نے ایک شخص کو دیکھا بخاری کی روایت کے مطابق وہ شخص عقبہ بن ابی معیط تھا) اس نے

---

① البدایہ والنہایہ: ۲/ ۹۳۔۹۴

Marfat.com

گلے کے پاس سے آپ کی چادر پکڑلی اور اس کو مروڑا دینے لگا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کو بچانے میں لگ گئے۔ وہ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

﴿اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ﴾ ①

''کیا تم لوگ ایک ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔''

اس کے بعد وہ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''یہ سب سے سخت ترین ایذارسانی تھی جو میں نے قریش کو کرتے ہوئے دیکھی۔'' ②

اس سخت ترین ایذارسانی کے بعد بھی آپ اپنے مشن پر مستقل طور پر لگے رہے اور آپ کی استقامت میں کوئی فرق نہ آیا۔ ان قریش مکہ کی قساوت قلبی کا یہ حال تھا

پسیجا دل نہ اس کا بھی کبھی تیری طرح قاتل
کیا خنجر سے ہم نے شکوۂ دردِ گلو برسوں

پھر آپ کے عزم و استقلال کا زبردست اظہار اس وقت ہوا جب مشرکین قریش کے خاندانی اور قبائلی دباؤ کے باعث رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کے ساتھ بھی چھوٹنے لگا۔ آپ ﷺ نے اس وقت جو الفاظ ارشاد فرمائے اس سے آپ کی استقامت اور عزم و استقلال کی عظمت اور پختگی کا پتہ چلتا ہے آپ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب سے فرمایا:

((يَا عَمِّ! وَاللّٰهِ! لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِيْ يَمِيْنِيْ وَالْقَمَرَ فِيْ يَسَارِيْ عَلٰى أَنْ أَتْرُكَ هٰذَا الْأَمْرَ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ أَوْ أَهْلِكَ فِيْهِ مَا تَرَكْتُهُ)) ③

---

① المؤمن: ۲۸

② بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب ابی بکرؓ: ۱/ ۵۲۰، سیرت النبی ﷺ ابن هشام: ۱/ ۲۸۹

③ سیرت النبی ﷺ ابن هشام، فصل ذکر قول النبی ﷺ لو وضعو...... الخ: ۱/ ۱۷۰، البداية والنهاية: ۲/ ۸۹

Marfat.com

”اے چچا! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں تب بھی میں اپنی اس دعوت حق سے باز نہیں آؤں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ یا تو اس دین کو غالب فرما دیں یا پھر میں اس راہ میں جان دے دوں۔“

بزدلی اسلام میں ایک سخت اخلاقی عیب ہے جس سے پناہ مانگنی چاہیے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعاؤں میں جن چیزوں سے پناہ مانگی ہے ان میں ایک بزدلی بھی ہے۔

حدث شریف کے الفاظ اس طرح ہیں:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوذُبِكَ مِنَ الْعِجْزِ وَالْكَسْلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ وَالْبُخْلِ))①

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عجز (بے چارگی) کاہلی، (کسل) بزدلی اور بڑھاپے سے کہ یہ بھی بے چارگی کی ایک قسم ہے، پناہ مانگتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ ہر نماز کے بعد ان چیزوں سے پناہ مانگتے تھے۔②

استقلال و استقامت کی یہ بے پناہ قوت تھی جس نے دعوت اسلامی کی جدو جہد کے راستے ہموار کیے اور چند سال میں اسلام دس لاکھ مربع میل میں پھیل گیا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى لَهٗ

① بخاری، کتاب الجهاد، باب مایتعوذ من الجبن، ریاض الصالحین، کتاب الدعوات: ص ۴۳۲

② مسلم ،کتاب الزکر والدعاء ......الخ، باب الدعوات والتعوذ: ۲/۳۴۷، رقم الحدیث: ۲۷۲۲، بحواله ریاض الصالحین: ص ۴۳۳

Marfat.com

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم
کی استقامت

استقامت کا مطلب سیدھا رہنے اور سیدھا چلنے کے ہیں۔ استقامت، اعتدال اور استواء کے معنوں میں آتا ہے① یعنی استقامت کا مطلب ہے کسی چیز کا اعتدال اور سیدھا رہنا، عام معنوں میں اس کا مطلب ہے کہ جس بات کو حق سمجھا جائے اس پر قائم رہا جائے، اس کے لیے تمام مشکلات اور مخالفتوں کو برداشت کر کے حق سے منہ نہ پھیرا جائے اور اس راستہ پر ثابت قدمی کے ساتھ چلا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کو استقامت کا حکم ہوتا ہے۔

﴿اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ﴾②

"تمہارا معبود ایک ہی ہے اس کی طرف سیدھے رہو اور اس سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگو۔"

بتایا یہ کہ ہماری عبادتیں اسی ایک کے لیے ہوں اور ہماری توجہات کا مرکز بھی وہی ہو، کسی حالت میں بھی ادھر ادھر نہ ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب توحید کی دعوت کا آغاز کیا اور عرب کے معبودان باطلہ کی تردید اور حق تعالیٰ شانہ کی توحید کا پرچار شروع کیا تو عرب کا گرم ریگستان غیظ و

---

① (استقام) الشئي: اعتدال واستوى. المعجم الوسيط: ص ٧٦٨

② حم السجدة: ٦

غضب کا لاوا اگلنے والا اور ذرہ ذرہ سے دین حق اور رسول برحق کی مخالفت اور دشمنی کی آواز نکلنی شروع ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کی وسیع و عریض سرزمین اپنی وسعت کے باوجود روز بروز تنگ ہونی شروع ہو گئی۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے پیروکاروں کو اعلان حق اور حق پر استقامت کی تاکید کی گئی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ﴾ ①

''پس اس کی طرف بلا اور قائم رہ جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا اور ان کی خواہشات کے پیچھے نہ چل۔''

جس دن ہیبت سے سب کے دل لرزتے ہوں گے، اس دن ان لوگوں کو جن کو استقامت اور ثابت قدمی کا اطمینان یہاں اس دنیا میں حاصل ہوگا، وہاں تسکین و تسلی کا اطمینان بھی حاصل ہوگا۔ ایسے ثابت قدم لوگوں کے کانوں میں ان کی استقامت کی مزدوری میں فرشتوں کی بشارت سنائی دے گی، ارشاد خداوندی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ ②

''بے شک جنہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر جمے رہے (اس پر) ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ خوف اور غم نہ کھاؤ اور اس جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ تھا۔''

حق کی راہ میں مشکلات اور مصائب کا پیش آنا اور اس راہ میں مردان خدا کی استقامت کی آزمائش اللہ تعالیٰ کا وہ اصول ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور قائم رہے گا۔ اور جب تک اس میں کوئی شخص یا کوئی قوم پوری نہیں اترتی، کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس وقت جب وہ اعلان حق کے بعد مشکلات اور مصائب سے دو چار ہوئے، گزرے ہوئے لوگوں کی ثابت قدمی اور

① الشوریٰ: ۱۵
② حم السجدہ: ۳۰

استقامت کے حالات بیان کر کے انہیں صبر و استقامت کی تلقین کی۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے توحید خداوندی کی آواز بلند کی اور آپ کی یہ آواز روز بروز معاشرہ میں نفوذ کرنے لگی اور ہر گزرتے ہوئے دن کے ساتھ کسی نہ کسی شخص کا مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا تو یہ بات قریش مکہ کے لیے سوہان روح ہونے لگی۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اس رویہ سے بپھر گئے اور ان پر راتوں کی نیند حرام ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر قبیلہ اپنے خویش و اقارب مسلمانوں کی ایذا رسانی پر تل گیا۔ سب سے پہلے وہ غلاموں اور نچلے طبقہ کے لوگوں کی ایذا دہی پر کمربستہ ہو گئے تاکہ انہیں واپس کفر میں لا کر مسلمانوں کی تعداد میں کمی کی جائے۔ سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ جو غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے ان کی مشق ستم کا نشانہ بنے، انہیں چلچلاتی دھوپ میں گرم ریت پر لٹا کر گرم اور وزنی پتھر ان کے سینہ پر رکھ دیا جاتا اور ان سے کہا جاتا کہ یا تو اسلام چھوڑ دیں یا پھر موت قبول کر لیں، لیکن سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کسی صورت میں بھی اسلام کو چھوڑنا قبول نہ کیا۔ جب دھوپ میں تیزی نہ رہتی تو گلے میں رسی باندھ کر لڑکوں کے حوالے کر دیا جاتا تاکہ مکہ کے اس سرے سے اس سرے تک گھسیٹتے پھریں۔①

سیدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کو طرح طرح کی تکالیف دی گئیں۔ ایک روز انہیں دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹا دیا گیا اور ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا تاکہ وہ کروٹ نہ بدل سکیں یہاں تک کہ کوئلے ان کے خون اور چربی سے تر ہو کر ٹھنڈے ہو گئے۔② چنانچہ سیدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز سرکار دو عالم ﷺ خانہ کعبہ کی دیوار کے سایہ میں سر مبارک کے نیچے چادر رکھے ہوئے لیٹے تھے۔ ہم نے آپ ﷺ سے التماس کی: اے اللہ کے رسول! آپ دعا فرمائیں کہ خداوند قدوس ہم مسلمانوں کی یہ تکلیفیں دور فرما دے۔ آپ ﷺ نے اٹھ کر فرمایا کہ تم سے پہلے بعض

---

① البدایہ والنہایہ: ۲/ ۱۰۹

② اسد الغابة، باب الخاء والیاء ذکر خباب بن الارت: ۲/ ۱۱۴، طبقات ابن سعد، ذکر احوال خباب بن الارت: ۳/ ۱۶۵، البدایہ والنہایہ: ۲/ ۱۱۰

Marfat.com

اہل ایمان کی استقامت کا یہ عالم تھا کہ زمین میں گڑھا کھود کر مومن کو اس میں گاڑ دیا جاتا تھا، پھر آرا لا کر اس کے سر پر رکھا جاتا تھا اور چیر کے اس کے سر کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے، لیکن یہ تکالیف ان کو دین کی راہ سے نہیں پھیر سکتی تھیں۔ اسی طرح کسی کے لیے لوہے کی کنگھی تیار کی جاتی اور گوشت کے نیچے ہڈیوں اور پٹھوں پر چلا دی جاتی تھی، لیکن یہ عذاب بھی ان کو دین حق سے منحرف نہیں کر سکتا تھا۔ اور خدائے بزرگ و برتر کی قسم! حق تعالیٰ شانہ دین اسلام کی تکمیل کرے گا اور اسے ایسا غلبہ عطا فرمائے گا کہ ایک سوار صفا سے حضر موت تک نہایت امن و سکون کے ساتھ سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی اور کا خوف نہ ہوگا، لیکن تم جلدی کرتے ہو۔'' ①

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استقامت کو ایمان کے بعد دین کی سب سے بڑی حقیقت قرار دیا۔ جیسا کہ آپ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: سیدنا سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بات جاننے کی درخواست کی جس کو میں مضبوطی سے تھام سکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((قُلْ رَبِّیَ اللّٰهُ، ثُمَّ اسْتَقِمْ)) ②

''تم یہ کہو کہ اللہ میرا رب ہے اور پھر اس پر قائم رہو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی استقامت کا ایک شاندار نمونہ قائم کیا۔ چنانچہ سیرت اور احادیث کی کتابوں میں اس قسم کے بہت سے واقعات مروی ہیں۔ جس کی ایک مثال وہ فقرہ ہے جو آپ نے اپنے چچا ابو طالب کے جواب میں کہا تھا کہ ''چچا جان! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں، میں تب بھی اس دین حق سے باز نہ آؤں گا۔ ③

استقامت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ایمانی استقامت اور دوسری استقامت عمل جس کا دوسرا نام مداومت ہے۔ یعنی جس بھلائی اور خیر کے کام کو اختیار کیا جائے اس پر

---

① بخاری، باب، بنیان الکعبة: ١/ ٥٤٣

② ترمذی، کتاب الزهد، باب حفظ اللسان: ٤/ ٦٠٧

③ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن هشام، ذکر قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو وضعو...... الخ: ١/ ١٧٠

Marfat.com

مرتے دم تک مداومت ہو اور اسے ہر حال میں کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ کبھی کر لیا اور کبھی نہ کیا، مثال کے طور پر نماز پڑھنا انسان کے اچھے کاموں میں سے ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے تعریف ان مسلمانوں کی کی ہے جو اس پر مداومت کرتے ہیں۔ کبھی کبھی نماز پڑھنا کوئی قابل تعریف کام نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿إِلَّا الْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ﴾ ①

''لیکن وہ نمازی جو اپنی نماز پر مداومت رکھتے ہیں (یعنی ہمیشہ پڑھتے ہیں)''

اور خود رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی بار بار تلقین اور تاکید فرمائی۔ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا سے کسی نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کو کون سا نیک عمل سب سے زیادہ محبوب تھا۔ انہوں نے فرمایا: ''وہ نیکی جس پر مداومت کی جائے۔'' ②

ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے نزدیک سب سے بہتر عمل وہ ہے جس کو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ وہ تھوڑا ہو۔ ③

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى لَهٗ

---

① المعارج: ۲۲-۲۳

② بخاری، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومة علی العمل، رقم الحدیث: ۵۲۸۴

③ بخاری کتاب الرقاق، باب القصد والمدوامة: ۲/۹۵۵

Marfat.com

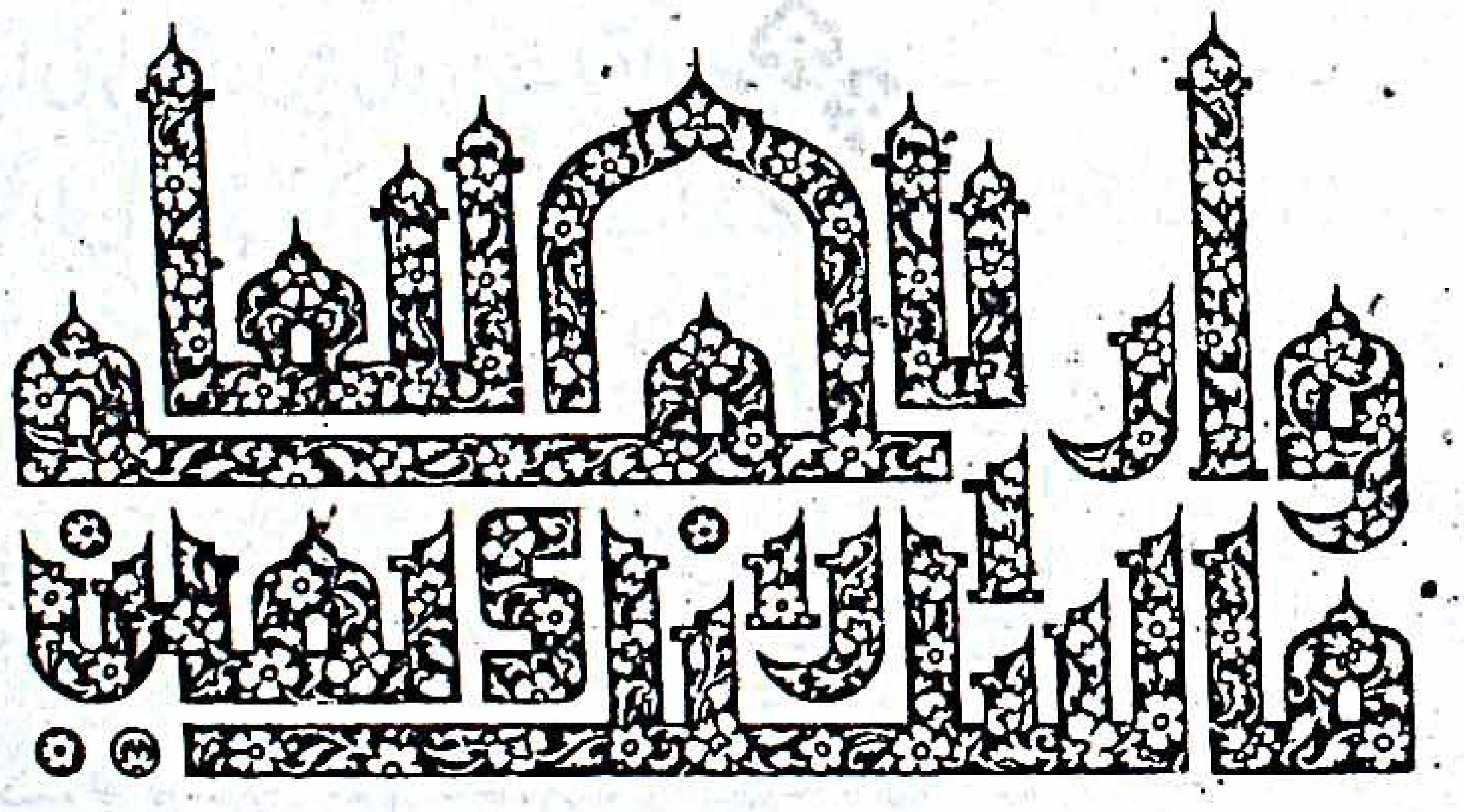

Marfat.com

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم

کا صبر و تحمل

لغت میں صبر کے معنی روکنے اور برداشت کرنے کے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ صَبَرَهُ عَنِ الشَّيْئِ حَبَسَهُ ① یعنی اس نے اس شے سے روکا۔ جوہری نے کہا ہے "اَلصَّبْرُ حَبْسُ النَّفْسِ عَنِ الْجَزْعِ" یعنی اپنے آپ کو جزع فزع یعنی آہ وزاری سے روکنا صبر ہے۔ المعجم الوسیط میں ہے صَبَرَ عَلَى الْأَمْرِ: اِحْتَمَلَهُ وَلَمْ يَجْزَعْ اِنْتَظِرْ فِي هُدُوْءٍ وَاِطْمَنَنَّا ② اس سے پتہ چلا کہ صبر جزع کی نقیض ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر کوئی شخص اپنے نفس کو گھبراہٹ و پریشانی سے روک رہا ہے تو وہ صبر کر رہا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ ③

"جو شخص (مصائب و آلام میں) صبر کرتا ہے اور جو شخص مخالفین (کے جور و جفا) کو معاف کرتا ہے تو بیشک یہ طرز عمل ان امور میں سے ہے جن کی شان بڑی بلند ہے۔"

کفار کے اپنے عقیدے پر ثابت قدم رہنے اور انبیاء کی بات نہ ماننے کو صبر سے تعبیر کیا گیا:

---

① لسان العرب لابن منظور: ٤/ ٤٣٨

② المعجم الوسیط: ١/ ٥٠٥

③ الشعراء: ٤٣

Marfat.com

﴿اِنْ کَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا﴾ ①

''اگر ہم اپنے معبودوں کے بارے میں ثابت قدم نہ رہتے تو یہ ضرور ہم کو بہکا دیتا۔''

ایک اور مقام پر یوں فرمایا:

﴿وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ، اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ﴾ ②

''تو ان میں جو سردار تھے وہ چل پڑے (اور بولے) چلو اپنے معبودوں کی عبادت پر قائم رہو، بے شک یہی وہ شے ہے جو مطلوب ہے۔''

قرآن حکیم میں یہ لفظ بنیادی طور پر تو انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے لیکن بعض جگہ اس کے مفہوم میں تھوڑا سا فرق آیا ہے۔ اور جن مفاہیم میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے ان کی روح ہے ضبط نفس۔ فرد اور قوموں کی زندگی میں بہت سے مواقع اور لمحات ایسے بھی آتے ہیں جو بے پناہ کامیابی اور خطرناک ناکامی کے مواقع اور لمحات ہوتے ہیں۔ ایسے مواقع پر ضبط نفس کرنا کردار و اخلاق کی پختگی کی علامت ہوتی ہے۔ قرآن حکیم نے بعض آیات میں ایسے مواقع کے حوالہ سے عام انسانی نفسیات کا ذکر کرتے ہوئے اپنے خاص بندوں کی تعریف کی ہے۔ ③

جب کوئی دنیا کو اپنے مشن یعنی توحید خداوندی کی دعوت دیتا ہے تو وہ بالکل اکیلا اور تنہا ہوتا ہے اور جو بات وہ کہتا ہے وہ پورے معاشرہ کے عقیدہ کے خلاف ہوتی ہے، لہٰذا ساری قوم اور پورا معاشرہ اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور کوشش یہ کرتا ہے کہ اس کی آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز ہو کر رہ جائے لیکن اکثر ایسا نہیں ہوتا کیونکہ نبی کو تائید خداوندی حاصل ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پوری قوم اس کے خلاف ہوتے ہوئے اس کو طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دیتی ہے۔ اللہ کا پیغمبر ان تکلیفوں اور

---

① الفرقان: ٤٢

② ص: ٦

③ هود: ٩۔١١

Marfat.com

ایذاؤں پر صبر کرتا ہے اور ان کو خوش دلی سے برداشت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان سمجھتے ہوئے اس میں کامیاب ہونے کی پوری پوری کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصی صفات کا ذکر کرتے ہوئے صبر کو بڑی اہمیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف مواقع پر صبر کی تلقین کی گئی۔ ارشاد فرمایا:

﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا﴾ ①

”آپ صبر کریں ان باتوں پر جو وہ کہتے ہیں اور صبح و شام اپنے رب کی حمد کریں۔“

سورہ المدثر میں فرمایا:

﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ ②

”اور اپنے رب کے لیے صبر کرو۔“

سورۃ الاحقاف میں فرمایا:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ﴾ ③

”پس آپ بھی اسی طرح صبر کریں (ثابت قدم رہیں) جس طرح پختہ ارادہ والے پیغمبروں نے صبر کیا اور ان کے بارے میں جلدی نہ کریں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جونہی دعوت کا کام شروع کیا، کفار مکہ بھڑوں کے چھتہ کی طرح آپ پر پل پڑے، ان میں اپنے بھی تھے اور بیگانے بھی، چھوٹے بھی تھے اور بڑے بھی، بوڑھے بھی تھے اور جوان بھی یہاں تک کہ بچوں نے بھی

---

① طٰہٰ: ۱۳۰

② المدثر: ۹

③ الاحقاف: ۳۵

Marfat.com

آپ ﷺ کو اذیتیں دینے میں بڑا اہم کردار ادا کیا جس کی تفصیلات حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ملتی ہیں، اور کچھ چیزیں ہم نے گذشتہ صفحات میں ذکر بھی کی ہیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے جب اپنے پہاڑی وعظ سے دینِ حق کی دعوت کا آغاز کیا تو ابولہب آپ کا چچا ہونے کے باوجود آپ کا سخت مخالف ہو گیا۔ وہ صرف آپ کی تکذیب ہی پر اکتفا نہ کرتا بلکہ آپ کو پتھر بھی مارتا تھا جس سے آپ کی ایڑیاں خون آلود ہو جاتی تھیں۔①

صرف ابولہب ہی آپ کی مخالفت میں سرگرم نہ تھا بلکہ اس کی بیوی ام جمیل بھی جس کا نام اروٰی تھا اور وہ ابوسفیان کی بہن تھی، سرکارِ دو عالم ﷺ کی عداوت میں دو قدم آگے تھی۔ چنانچہ وہ آپ کے راستہ میں اور دروازے پر رات کو کانٹے بچھا دیا کرتی تھی۔ بدزبانی میں اپنی مثال آپ اور مفسدہ پردازی میں اپنا کوئی ثانی نہ رکھتی تھی۔ قرآن نے اس کو "حَمَّالَةَ الْحَطَبِ" (لکڑی اٹھانے والی) کہا ہے۔②

اپنے پہاڑی وعظ میں جب آپ ﷺ نے ہر قبیلہ کا نام لے لے کر ان کو اکٹھا کیا اور انہیں اللہ کی توحید اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس پر ان قبائل میں سے اور تو کوئی نہ بولا، صرف ابولہب تھا جس نے کہا: "محمد ﷺ تیرے دونوں ہاتھ ٹوٹیں کیا اس لیے ہمیں جمع کیا تھا؟" اس پر حق تعالیٰ شانہ نے ابولہب کی پرزور مذمت کی۔ جب ابولہب کی بیوی ام جمیل کو قرآن حکیم کی اس مذمت کا علم ہوا تو وہ بہت سٹپٹائی اور سرکارِ دو عالم ﷺ کو تلاش کرنے لگی۔ آپ اس وقت مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ یہ آپ کو ڈھونڈتی مسجد حرام میں آئی۔ یہ اپنی مٹھی میں پتھر لیے ہوئے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نگاہ پکڑ لی، وہ آپ ﷺ کے سامنے کھڑی تھی لیکن آپ ﷺ کو دیکھ نہیں سکی۔ وہ صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہی پوچھا: "ابوبکر! تمہارا ساتھی کہاں ہے؟ مجھے پتہ چلا ہے وہ ہماری مذمت اور ہجو کرتا ہے۔ مجھے لات وعزیٰ کی قسم! اگر وہ مجھے مل گیا تو میں اس

---

① روح المعاني، سورة تبت: ٣٠/ ٢٦٠، ابن كثير: ٤/ ٥٦٤

② لهب: ٤، ابن كثير: ٤/ ٥٦٤

Marfat.com

کے منہ پر پتھر دے ماروں گی۔ دیکھو! میں بھی شاعرہ ہوں۔ پھر اس نے آپ کی مذمت میں یہ شعر پڑھا:

مذمماً عصینا   وأمرہ أبینا   ودینہ قلینا

''ہم نے مذمم کی نافرمانی کی (حسد اور غصہ کی آگ کی وجہ سے کافر العیاذ باللہ آپ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے مذمم کہتے تھے جس کا مطلب وہ شخص ہے جس کی مذمت اور برائی کی جائے) اس کے امر کو تسلیم نہ کیا بلکہ انکار کیا اور اس کے دین کو نفرت اور حقارت سے چھوڑ دیا۔''

یہ شعر پڑھ کر وہ واپس چلی گئی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یا رسول اللہ! کیا اس نے آپ کو دیکھا نہیں؟'' فرمایا: ''نہیں۔'' اللہ نے اس کی نگاہ پکڑ لی۔'' ① اور مسند بزاز میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے جانے تک ایک فرشتہ مجھ کو چھپائے رہا۔ ②

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دیکھو! اللہ تعالیٰ نے قریش کی گالیوں اور لعن طعن سے مجھے کیسے بچایا۔ وہ مذمم کو گالیاں دیتے ہیں اور مذمم پر لعن طعن کرتے ہیں اور میرا نام مذمم نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔'' ③

ابولہب آپ کا تایا بھی تھا اور پڑوسی بھی۔ آپ کا گھر اس کے گھر سے متصل تھا، لیکن اس نے نہ تو قرابت داری کا کوئی خیال کیا اور نہ ہی پڑوسی ہونے کا لحاظ۔ ابولہب کی طرح دوسرے پڑوسی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں دیتے۔ ان پڑوسیوں میں ایک پڑوسی عقبہ بن ابی معیط بھی اپنی شقاوت اور خباثت میں بہت بڑھا ہوا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ قریش مکہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ کون ہے

---

① سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن ہشام، ذکر مالقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قومہ من الاذی: ۱/۳۸۱

② مسند بزاز بحوالہ فتح الباری: ۸/۵۶۷

③ بخاری، کتاب المناقب، باب ماجاء فی السخاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ۴/۱۶۲، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن ہشام، ذکر مالقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قومہ من الاذی: ۱/۳۸۲

Marfat.com

جو بنی فلاں کے اونٹ کی اوجھڑی لائے اور جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جائیں تو ان پر ڈال دے۔ کسی شخص نے اس کام کے لیے حامی نہ بھری۔ آخر قوم کا بدبخت ترین اور شقی ترین آدمی عقبہ بن ابی معیط جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوسی بھی تھا، اٹھا اور اوجھڑی لا کر جب آپ سجدہ میں گئے تو اس بدبخت نے آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان اس کو ڈال دیا۔①

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے بتاؤ کہ قریش میں سب سے زیادہ سخت برتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کس وقت کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ ایک روز آپ حجر کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ یکا یک عقبہ بن ابی معیط آگے بڑھا اور اس نے آپ کی گردن میں کپڑا ڈالا اور گلا گھونٹنا شروع کر دیا، لیکن عین وقت پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے۔ آپ نے اسے کندھوں سے پکڑا اور دھکا دے کر ہٹایا اور آپ کہہ رہے تھے: ''کیا تم اس شخص کو صرف اس قصور پر قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔''②

اسی عقبہ بن ابی معیط شقی نے آپ پر اونٹ کی اوجھڑی ڈال دی جب کہ آپ سجدہ میں گئے ہوئے تھے جس سے آپ اپنا سر مبارک نہ اٹھا سکے۔ اس دوران سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آ گئیں اور اسے آپ کی پشت سے ہٹایا اور جس شقی نے یہ حرکت کی تھی اس کو بددعا دی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ! گروہ قریش کی خبر لے، ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، امیہ بن خلف یا ابی بن خلف سے۔ یہ شک شعبہ کو ہوا کہ امیہ بن خلف تھا یا ابی بن خلف، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو دیکھا کہ بدر کے روز یہ سارے لوگ مارے گئے اور ان کی لاشیں بدر کے کنویں میں پھینک دی گئیں۔ ایک لاش امیہ یا ابی کی رہ گئی۔ اس کے بند بند جدا ہو گئے

---

① بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب ابی بکرؓ: ٦/ ٣٤

② بخاری،القسامة فی الجاهلیه، باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابه من المشرکین بمكة: ٤/ ٢٤٠، ٦/ ٣٤، بخاری، کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ: ١/ ٥٢٠

تھے اس لیے وہ کنویں میں نہ ڈالی گئی۔①

سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں دو بدترین پڑوسیوں کے درمیان رہتا تھا۔ ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط۔ یہ دونوں میرے دروازے پر نجاستیں لا لا کر ڈالا کرتے تھے۔②

جنگ احد میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید کر دیئے گئے اور رخ انور کو زخمی کر دیا گیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس سے سخت تکلیف ہوئی۔ ان موذیوں کے لیے اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بددعا کرتے تو غضب خداوندی انہیں نیست و نابود کر دیتا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ارشاد فرمایا: اے میرے صحابہ! میں لعنت بھیجنے کے لیے مبعوث نہیں کیا گیا بلکہ حق تعالیٰ شانہ نے مجھے حق کا داعی اور سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اس دعا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ رب العالمین میں اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور ان ظالموں کی تباہی اور بربادی کی بجائے یہ دعا کی:

((اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَایَعْلَمُوْنَ))③

"اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے (ساتھ ہی ان کی عذر خواہی کرتے ہوئے عرض کی) یا اللہ! ان کی یہ ظالمانہ حرکتیں اس لیے ہیں کہ وہ مجھے جانتے نہیں، اگر وہ مجھے پہچان جاتے تو ہرگز ایسی حرکت نہ کرتے۔"

صبر کی سب سے بڑی مثال آپ کا سفر طائف ہے۔ شوال سن ۱۰ نبوی میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف جانے کا عزم فرمایا۔ طائف مکہ مکرمہ سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر مشرق کی طرف واقع ہے۔ پہاڑی علاقہ ہے جو نہایت سرسبز و شاداب ہے۔ قدرتی چشمے جاری ہیں اور کئی قسم کے میوہ جات اور پھلوں کے باغات بکثرت موجود ہیں۔

---

① بخاری، القسامة فی الجاهلیه ذکر مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... الخ: ۱/ ۵۴۳

② زرقانی شرح مواهب اللدنیة: ۱/ ۳۵۱

③ رواه مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب فی غزوه احد: ۲/ ۱۰۸، وفی روایة رب اغفرلقومی فانهم لا یعلمون، (اے رب میری قوم کو بخش دے وہ نہیں جانتی)

Marfat.com

سر ولیم میور (William Muir) نے یورپ کے متعدد سیاحوں کے اقوال طائف اور اس کے عام میووں اور پھلوں پھولوں خصوصاً انگوروں کے پھلوں اور گلاب کے پھولوں کی تعریف میں نقل کیے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ساٹھ میل کی مسافت آتے جاتے پیدل طے فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے آزاد کردہ غلام اور متبنّیٰ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ راستہ نہایت دشوار گزار تھا۔ راستہ میں جس جس قبیلے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوتا آپ اسے اسلام کی دعوت دیتے۔ آپ پہلے قبیلہ بنو بکر میں تشریف لے گئے لیکن انہوں نے آپ کو اپنے ہاں نہ ٹھہرنے دیا۔ پھر قبیلہ قحطان میں قدم رنجہ فرمایا، لیکن وہ بھی شرارت وبددیانتی سے پیش آئے۔ وہاں سے آپ نے طائف کے شہر کا قصد فرمایا جو قبیلہ ثقیف کی مرز بوم تھا۔ گو مکہ مکرمہ کی طرح طائف بھی آپ کے لیے بھڑوں کا چھتہ بنا ہوا تھا، تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم تن بہ تقدیر یہاں تشریف لائے۔

آپ نے دس روز طائف میں قیام فرمایا۔①

یہاں کے سردار بنو ثقیف کے تین بھائی عبدیالیل، مسعود اور حبیب تھے۔ ان کے والد کا نام عمرو بن عمیر ثقفی تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ ان پر پڑی کہ اگر وہ پناہ میں لے لیں تو فریضہ دعوت وتبلیغ کی ادائیگی میں آسانی ہوگی۔ آپ نے عوام وخواص سبھی کو اسلام کی دعوت دی۔ رؤسا اور معززین کے مکانوں پر پہنچ کر ان سے گفتگو کی۔ ان تینوں بھائیوں سے بھی ملاقات کی اور اپنا مقصد واضح کیا، لیکن کسی ایک نے بھی انسانیت سے جواب نہ دیا۔ ایک نے کہا: ''وہ کعبہ کا پردہ پھاڑے اگر اللہ نے تمہیں رسول بنایا ہو۔'' دوسرے نے کہا: ''اللہ کو آپ کے سوا کوئی اور نہیں ملا تھا جس کو رسول بنا کر بھیجتا۔'' تیسرے نے کہا: ''میں تم سے ہرگز بات نہ کروں گا، اگر تم واقعی اللہ کے رسول ہو تو تمہاری بات رد کرنا اور رسول سے بحث کرنا میرے لیے انتہائی خطرناک ہے۔ اور اگر تم اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہو تو یہ بات میری شان کے خلاف ہے کہ میں ایک جھوٹے سے بات کروں۔''②

ان لوگوں کے یہ بھونڈے جوابات سن کر اور روکھے تیور دیکھ کر آپ نے انہیں فرمایا

---

① سبل الهدیٰ والرشاد، ذکر فی سفر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الطائف: ۲/ ۴۳۸

② سبل الهدیٰ والرشاد: ایضاً، البدایة والنهایة: ۳/ ۱۳۵

کہ "اتنی مہربانی کرو کہ میرے آنے کی خبر کسی کو نہ دو۔" آپ کو خیال ہوا کہ مکہ والوں کو میرے یہاں آنے کی اور ان کے جوابوں کی اطلاع ہوگی تو وہ اپنی حرکتوں میں اور دلیر ہو جائیں گے۔"

ان بدنصیب لوگوں نے آپ کی اس فرمائش کی تعمیل اس طرح کی کہ اوباشوں اور آوارہ گردوں کو شہ دے دی، چنانچہ آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو یہ اوباش اور آوارہ گرد گالیاں دیتے، تالیاں پیٹتے اور شور مچاتے، آپ کے پیچھے لگ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اتنی بھیڑ جمع ہوگئی کہ آپ کے راستہ کے دونوں جانب وہ لوگ کھڑے ہو گئے۔ پھر گالیوں اور بدزبانیوں کے ساتھ پتھر بھی چلنے لگے۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق یہ لفنگے اور اوباش تاک تاک کر آپ کے ٹخنوں پر پتھر مارتے اور جب آپ زخموں کی تکلیف سے بیٹھ جاتے تو وہ آپ کو پکڑ کر کھڑا کر دیتے تاکہ آپ پر پھر پتھر برسائیں۔ چنانچہ جب آپ مجبوراً چلنا شروع کرتے تو وہ پتھر مارتے اور تمسخر اڑاتے۔ آپ کے جوتے خون سے بھر گئے۔ اس موقع پر سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ کو پتھروں سے بچانے کے لیے خود پتھر کھاتے رہے یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا۔①

ان ظالموں نے آپ پر سنگ باری اس تیزی سے کی کہ آپ کی پنڈلیوں پر گہرے زخم آئے۔ گھٹنے چور ہو گئے، بدن مبارک لہولہان ہو گیا اور آپ کے دونوں نعلین مبارک خون میں تربتر ہو گئے۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنے آقا سرور کائنات ﷺ کی ڈھال بن کے چلتے ہوئے پتھروں کو روک رہے تھے۔ وہ کبھی آگے اور کبھی پیچھے آپ کو بچانے کی کوشش کر رہے تھے، مگر تنہا وہ کیا کر سکتے تھے۔ پتھروں سے ان کا سر بھی پھٹ گیا۔②

آخر کار کسی طرح آبادی سے باہر نکلے تو آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اٹھایا۔ قریب ہی کچھ پانی تھا۔ آپ کو وہاں لے گئے تاکہ زخموں سے خون کو دھوئیں۔ نعلین مبارک اتارنے چاہے تو خون سے اس طرح جم گئے تھے کہ اتارنا مشکل ہو گیا۔ طبیعت سنبھلی تو قریب کے ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ یہ باغ

---

① سبل الهدىٰ والرشاد، ذكر فى سفر النبى ﷺ الى الطائف: ٢/ ٤٣٨، طبقات ابن سعد: ١/ ١٤٢

② سبل الهدىٰ والرشاد، ذكر فى سفر النبى ﷺ الى الطائف: ٢/ ٤٣٨، طبقات ابن سعد: ١/ ١٤٢

طائف سے تین میل کے فاصلے پر تھا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نانا عتبہ بن ربیعہ اور ان کے بڑے بھائی شیبہ بن ربیعہ کی ملکیت تھا۔ عتبہ اور شیبہ دونوں اس وقت اپنے اس باغ میں موجود تھے کیونکہ اس باغ کے اندر ہی ان کا بنگلہ تھا جس میں وہ رہتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پناہ لی تو بھیڑ واپس چلی گئی۔ آپ ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما ہوئے۔ قدرے اطمینان ہوا تو وضو فرمایا۔ قبلہ رو ہو کر بیٹھے اور اپنے معبود حقیقی، مالک ارض وسماء کی بارگاہ میں مشغول دعا ہو گئے۔ اس وقت جو دعا آپ نے فرمائی وہ ”دعائے مستضعفین“ کے نام سے مشہور ہے۔ اس دعا کے ایک ایک لفظ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ طائف میں اس بدسلوکی سے دوچار ہونے کے بعد اور کسی ایک بھی شخص کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر دل فگار تھے۔ دل فگار اور درد سے بھرے زخموں میں ٹیس اور چبھن، مگر پیشانی بارگاہ الوہیت میں سجدہ ریز اور زبان مصروف دعا۔ یہ رقت انگیز دعا معجم کبیر طبرانی، البدایہ والنہایہ اور زاد المعاد وغیرہ کتابوں میں بھی نقل کی گئی ہے۔①

ابن ہشام نے اپنی سیرت میں بھی اس کو نقل کیا ہے۔ آپ دعا میں بارگاہ خداوندی میں یوں گویا ہوئے:

”اے اللہ! میں تیرے ہی حضور اپنی بے بسی، بے کسی اور بے چارگی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تو ہی سب کمزور اور ضعیفوں کا رب ہے، اور میرا بھی رب تو ہی ہے۔ مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے جو مجھ سے درشتی اور سختی سے پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے حوالے جس کو تو نے مجھ پر قابو پا لینے کا یارا دے دیا ہے؟ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو پھر مجھے کسی مصیبت کی پروا نہیں، اگر تیری طرف سے عافیت مجھے نصیب ہو جائے تو اس میں میرے لیے زیادہ کشادگی ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے اس نور کی جو اندھیرے میں اجالا کرتا ہے اور دنیا و آخرت کے معاملات کو درست کرتا ہے، مجھے اس سے بچا

① زاد المعاد: ٢/٦٨٩، البدایہ والنہایة: ٢/١٩٩

Marfat.com

لے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا میں تیرے عتاب کا مستحق ہو جاؤں، ہاں تیری مرضی پر راضی ہوں یہاں تک کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔ کوئی زور اور طاقت تیرے بغیر نہیں۔'' ①

یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر کی ایک اہم مثال ہے کہ آپ نے دین حق کے لیے یہ سب کچھ برداشت کیا اور اپنے آپ کو جزع وفزع سے روکے رکھا۔ اسی طرح جنگ بدر مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ایک بہت بڑی آزمائش تھی کہ اپنے قریبی عزیزوں کا صرف اور صرف اللہ کی خاطر نہ صرف سامنا کیا بلکہ ان کو اپنے ہاتھوں سے قتل بھی کیا اور ان کو پابجولاں کر کے قید بھی کیا، یہ سب کچھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور ذاتی کردار کی وجہ سے تھا۔ آپ کے ذاتی کردار نے تو بد اخلاقوں کو بلند اخلاق بنا دیا۔ روایت میں ہے کہ ایک عورت یاوہ گوئی میں بہت مشہور تھی۔ ہر شخص سے ناشائستہ قسم کی گفتگو کرنے کی عادی تھی۔ ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹان پر بیٹھے ثرید (کھانے کی ایک قسم) تناول فرما رہے تھے۔ وہ آپ کے پاس سے گزری۔ کہنے لگی آپ تو غلاموں کی طرح بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کی طرح کھا رہے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''أَيُّ عَبْدٍ أَعْبَدُ مِنِّي'' مجھ سے بڑا اور کون غلام ہے؟ پھر کہنے لگی: آپ خود تو کھا رہے ہیں لیکن مجھے نہیں کھلاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو بھی کھا لے۔ کہنی لگی: مجھے اپنے ہاتھ سے دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس کو ثرید دی۔ کہنے لگی یہ نہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ میں ہے وہ مجھے دیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دہن مبارک سے لقمہ نکال کر اسے دیا۔ جب اس نے وہ لقمہ کھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس متبرک لقمہ کی برکت سے اس کی ساری یاوہ گوئیاں اور بد اخلاقیاں ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئیں اس کے بعد جب تک زندہ رہی اس نے کبھی کسی سے بیہودہ گفتگو اور یاوہ گوئی نہیں کی۔'' ②

---

① سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن ھشام، ذکر دعائه عند الشدة......الخ: ١/ ٢٦١، البدایه والنهایه: ٢/ ١٩٨، سبل الهدیٰ والرشاد، ذکر سفر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الطائف: ٢/ ٤٣٩۔

② الرسول، سعید حوی: ٢/ ١٤٦

ورفعنا لك ذكرك

اور بلند کیا ہم نے مذکور تیرا

Marfat.com

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم
کی امانت و دیانت

انسان کی اجتماعی اور معاشرتی زندگی میں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں جو اخلاقی فضیلت کو مرکزی حیثیت رکھتی ہے، وہ دیانت و امانت ہے۔ جس قوم سے یہ صفت اٹھ جاتی ہے وہ قوم دنیا میں ذلیل و خوار ہو کر رہ جاتی ہے۔ کوئی اس کا اعتبار نہیں کرتا۔ اگر کسی فرد میں یہ صفت نہ ہو تو فرد سوسائٹی میں دو کوڑی کا بھی نہیں ہوتا اور پوری سوسائٹی اس پر ذلت و بددیانتی کی مہر ثبت کر دیتی ہے۔ نجی زندگی، سیاسی زندگی اور معاشرت اور تجارت کی زندگی کو اس صفت میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ایک راوی اور پیغامبر کے لیے بھی اس صفت کا ہونا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ اگر اس راوی اور پیغامبر میں یہ اخلاقی صفت مفقود ہے تو اس کی خبر اور اس کا پیغام معتبر نہیں ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا وہ فرشتہ جو اللہ کا پیغام لے کر اللہ کے پیغمبروں پر اترتا تھا، وہ صفت امانت سے متصف تھا تاکہ بندوں کے لیے جو حکم وہ اللہ کی طرف سے لے کر آئے، بندے اس کو کمی بیشی کے بغیر اللہ کا اصلی حکم سمجھیں۔ اس لیے اس فرشتہ کو قرآن حکیم میں ''الامین'' کہا گیا۔ فرمایا:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ﴾ ①

''اس پیغام کو امین (امانت والی) روح لے کر اتری۔''

ایک اور مقام پر جبرئیل میں اور صفات کے ساتھ اس صفت کا بھی ذکر کیا گیا۔

① الشعراء: ۱۹۳

Marfat.com

﴿مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ﴾ ①

"اس کی اطاعت کی جاتی ہے اور وہاں امانت والا ہے۔"

پھر قرآن حکیم میں اکثر انبیاء علیہم السلام کی صفت امین بھی قرآن میں نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے اپنی امتوں سے کہا:

﴿اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ﴾ ②

"میں تمہارے لیے امانت دار پیغام بر ہوں۔"

یعنی سیدنا شعیب علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغام مجھے ملا ہے وہ میں بے کم و کاست تم کو پہنچاتا ہوں، اس میں میری طرف سے کچھ ملاوٹ یا کمی بیشی نہیں ہے۔

امانت کی یہ صفت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ ابھی آپ نے اعلان نبوت نہیں فرمایا تھا کہ اہل مکہ نے آپ کو "الصادق الامین" کا لقب دیا تھا، کیونکہ آپ معاملات میں نہایت سچے اور کاروبار میں دیانت دار تھے اور اسی وجہ سے لوگ اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھتے تھے کیونکہ آپ انتہائی امانت دار تھے۔

آپ کی بعثت سے قبل جب پے در پے سیلابوں کی وجہ سے بیت اللہ کی عمارت منہدم ہوگئی اور قریش نے اس کو از سر نو تعمیر کیا۔ اس کی تعمیر کا طریقہ یہ تھا کہ ہر گروہ اپنے اپنے حصہ کے پتھر تراش کر لاتا اور تعمیر میں لگاتا۔ دیواروں کی تعمیر کے سلسلہ میں تو کسی قبیلہ نے کوئی تنازع کھڑا نہیں کیا لیکن جب دیوار کعبہ میں "حجر اسود" کو نصب کرنے کا وقت آیا تو ہر ایک قبیلہ کو اپنی شان اور عظمت یاد آ گئی۔ وہ اپنے مفاخر اور کارنامے یاد دلا کر کہنے لگا کہ حجر اسود نصب کرنے کی تاریخی عظمت حاصل کرنے کا ہمیں ہی حق ہے۔ کوئی دوسرا قبیلہ اس بارے میں ہم پر سبقت نہیں لے جا سکتا۔ ہر قبیلہ کی یہ آرزو تھی کہ وہی اس سعادت سے بہرہ اندوز ہو اور کوئی ایثار اور رواداری پر راضی نہ تھا۔ یہ اختلاف اور جھگڑا یہاں تک بڑھا کہ بنو عبد الدار اور بنو عدی نے اس کے لیے موت کا حلف اٹھا

---

① التکویر: ۲۱

② الشعراء: ۱۷۸

Marfat.com

لیا۔ قریب تھا کہ تلواریں بے نیام ہو جائیں اور کشت و خون کا بازار گرم ہو، اور کوئی حیرانی کی بات بھی نہیں تھی کیونکہ جہالت اور گم کردہ راہ اقوام ایسا ہی کرتی ہیں، اور ان کے ہاں بھی معمولی معمولی باتوں پر موروثی جنگیں چلی آ رہی تھیں۔ چار پانچ روز اسی کشمکش میں گزر گئے۔ آخر ایک قریشی رئیس ابوامیہ بن المغیرہ (جو سرکارِ دو عالم ﷺ کی پھوپھی عاتکہ کے شوہر تھے) کی یہ تجویز منظور کر لی گئی کہ جو شخص سب سے پہلے "باب بنی شیبہ" (اس کو پہلے باب بنی عبد شمس کہا جاتا تھا اور اب اس دروازے کا نام "باب السلام" ہے) ① سے مسجد الحرام میں داخل ہو اس کو ثالث اور حکم تسلیم کر لیا جائے۔ اس تجویز کو سب قبائل نے قبول کر لیا۔ قریش کے مقتدر اور رئیس افراد بڑی آرزوؤں اور امیدوں کو نہاں خانۂ دل میں چھپائے ہوئے صبح سویرے مسجد الحرام کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام جو رات کے آخری حصہ میں بیدار ہو کر عبادتِ الٰہی کے لیے مسجد الحرام میں آنے کے عادی تھے، سب سے پہلے اس دروازہ سے مسجد میں داخل ہوئے۔ یہ قریش کی خوش نصیبی تھی کہ سب سے پہلے مسجد میں وہ داخل ہوا جس کی خوبیوں کے سب معترف تھے۔ چنانچہ جونہی سردارانِ قبائل کی نظر آپ کے چہرہ اقدس پر پڑی، فوراً پکار اٹھے:

"هٰذَا مُحَمَّدُ الْاَمِيْنُ رَضِيْنَابِهٖ هٰذَا مُحَمَّدُ الْاَمِيْنُ" ②

"یہ تو محمد الامین ہیں ہم ان کے ثالث بنانے پر راضی ہیں، یہ تو محمد الامین ہیں۔"

سرکارِ دو عالم ﷺ نے رؤسائے مکہ سے پورا ماجرہ سنا اور پھر تھوڑے سے تامل کے بعد ایسا فیصلہ صادر فرمایا جس سے یہ انتہائی الجھا ہوا معاملہ ایسا سلجھا کہ کسی کو اعتراض کی جرأت نہ ہوئی اور ہر قبیلہ خوش ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: "ایک چادر لاؤ۔" جب چادر لائی گئی تو آپ نے چادر کو بچھا کر اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو اٹھا کر اس چادر کے درمیان رکھا۔

---

① سيرة الحلبيه: ١/١٥٦

② السيرة النبويه لابن كثير، تجديد قريش بناء الكعبة قبل المبعث: ١/٢٨٠، سبل الهدىٰ والرشاد، الباب فى بنيان الكعبة: ٢/١٧١

Marfat.com

اس کے بعد فرمایا کہ ہر قبیلہ کے سر برآوردہ افراد اس چادر کا ایک ایک کونہ تھام لیں اور جہاں اس کو نصب کرنا ہے وہاں تک لے چلیں۔ تمام قبائل کے سر برآوردہ لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی کیونکہ اس میں مساوات اور یکسانیت پائی جا رہی تھی۔ جب وہ چادر میں رکھے ہوئے حجر اسود کو اس کے مقام نصب تک لے کر پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ اب تمام قبائل مجھ کو اس کے مقام پر رکھنے کے لیے اپنا وکیل بنا دیں۔ چونکہ وکیل کا فعل موکل ہی کا فعل متصور ہوتا ہے لہٰذا سب نے اس کو منظور کر لیا اور آپ نے سب کی طرف سے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود اٹھا کر اس کو خانہ کعبہ کے مقام پر رکھ دیا اور اس طرح ایک پیچیدہ گتھی آپ کے ناخن تدبیر سے بوجوہ احسن سلجھ گئی اور اس طرح ایک نہایت خوفناک جنگ ٹل گئی جو اگر شروع ہو جاتی تو برسوں تک جاری رہتی۔ اور آپس میں غصہ و نفرت کے بجائے اتحاد و اتفاق اور یک جہتی کے جذبات ابھر آئے جس کی ہماہمی میں خانہ خدا کی باقی ماندہ تعمیر مکمل کی گئی اور تمام لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء و منقبت میں رطب اللسان ہوئے۔①

ربیع بن خثیب فرماتے ہیں کہ اعلان نبوت سے قبل زمانۂ جاہلیت میں بھی جب کوئی مشکل مرحلہ ہوتا جس کا تصفیہ وہ نہیں کر پاتے تھے تو اس نزاع کے دور کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثالث مقرر کیا جاتا، گویا کہ تمام اہل عرب کو آپ کی امانت و دیانت پر کامل اور پورا یقین تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بارے میں خود فرمایا کرتے تھے

((وَاللّٰهِ! إِنِّيْ لَأَمِيْنٌ فِي السَّمَاءِ، أَمِيْنٌ فِي الْأَرْضِ))②

”بخدا! آسمان کے مکین بھی مجھے امین جانتے ہیں اور زمین میں

---

① سیرة النبویه صلی اللہ علیہ وسلم لابن کثیر، باب تجدید قریش بناء الکعبه قبل المبعث: ۱/ ۲۸۰ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن هشام: ۱/ ۲۲۱، السیر والمغازی لابن اسحاق: ص ۱۰۲، طبقات ابن سعد، ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم هدم قریش الکعبة وبناء ها: ۱/ ۱۴۶، عیون الاثر: ۱/ ۵۱-۵۲، السیرة النبویه لابن کثیر: ۱/ ۲۷۳، تاریخ الاسلام ذهبی: ۱/ ۶۸، تاریخ مکه، ارزقی: ص ۱۵۸۔

② الشفاء، الفصل، فی العدل والامانة والعفة وصدق اللهجه: ۱/ ۲۶۸

بسنے والے بھی مجھے امین تسلیم کرتے ہیں۔''

ابو جہل جیسا دشمن بھی ایک روز آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگا:

''نَحنُ لَا نُكَذِّبُكَ وَلٰكِن نُكَذِّبُ مَاجِئتَ بِهٖ''①

''ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ ہم تو آپ کے اس دین کی تکذیب کرتے ہیں جو آپ لے کر آئے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی

﴿فَاِنَّهُم لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِينَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجحَدُونَ﴾②

''وہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ یہ ظالم لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔''

جب میدان بدر میں اسلام اور کفر کی فوجیں صف بندی کر رہی تھیں تو اخنس بن شریق کی خلوت میں ابو جہل سے ملاقات ہوئی۔ اخنس نے ابو جہل سے پوچھا: ''اے ابوالحکم! یہاں ہم دونوں تنہا ہیں میرے اور تیرے سوا کوئی تیسرا شخص ہماری گفتگو کو نہیں سن رہا۔ مجھے سچ سچ بتاؤ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟'' اس تنہائی میں ابو جہل کے منہ سے جو سچی بات نکلی وہ یہ تھی۔

''وَاللّٰهِ! اِنَّ مُحَمَّدًا لَصَادِقٌ وَمَا كَذَبَ مُحَمَّدٌ قَطُّ''③

''خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً سچے ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔''

اعلان نبوت سے قبل بھی جن لوگوں سے آپ کے تاجرانہ تعلقات تھے وہ ہمیشہ آپ کی دیانت اور امانت کے مدح خوان تھے۔ امانت اور دیانت ہی کا ایک پہلو حسن معاملہ ہے۔ تجارت میں اس حسن معاملہ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ آپ نے بعثت

---

① الشفاء، الفصل العدل والامانة والعفة......الخ: ١/ ٢٦٩

② الانعام: ٣٣

③ الشفاء، العدل والامانة..........الخ: ١/ ٢٧٠

Marfat.com

سے قبل بھی اپنے ہر معاملہ کو نہایت حسن و خوبی سے نبھایا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ نقل کیا جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ آپ حسن معاملہ میں اپنی مثال آپ تھے۔ ایک دفعہ ایک بدو اونٹ کا گوشت فروخت کر رہا تھا۔ آپ کا خیال تھا کہ گھر میں کھجوریں موجود ہیں لہٰذا آپ نے ایک وسق کھجوروں کے عوض گوشت چکا لیا، گھر آ کر دیکھا تو پتہ چلا کہ کھجوریں نہیں ہیں۔ اسی وقت واپس تشریف لا کر گوشت بیچنے والے سے کہا کہ میں نے کھجوروں کے بدلہ میں گوشت کا سودا کیا تھا لیکن میرے پاس کھجوریں نہیں ہیں۔ اس پر اس بدو نے شور مچانا شروع کر دیا کہ مجھ سے بددیانتی ہوئی ہے۔ لوگوں نے اسے سمجھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے بددیانتی کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''رہنے دو، اسے کہنے کا حق ہے۔'' اس شخص نے کئی بار یہ فقرہ دہرایا۔ لوگوں نے کئی بار روکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مرتبہ یہ فرمایا کہ رہنے دو اسے کہنے کا حق ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری عورت کے یہاں بھجوایا کہ وہ مطلوبہ قیمت کی کھجوریں حاصل کرے۔ جب وہ کھجوریں لا کر واپس پلٹا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما دیکھا۔ چونکہ وہ آپ کے حلم اور حسن معاملہ سے متاثر تھا، اس لیے آپ کو دیکھتے ہی بولا:

''جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا فَقَدْ وَفَّيْتَ اَطْيَبْتَ'' ①

''اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ نے قیمت پوری دی اور اچھی دی۔''

فتح مکہ کے بعد قبیلہ ثقیف اور قبیلہ ہوازن جنہیں اپنی عظمت و شجاعت پر بڑا ناز تھا اور تیر اندازی میں پورے عرب میں ان کا ایک منفرد مقام تھا، مکہ فتح ہونے کے بعد ان کے جذبات میں ایک تلاطم اور تموج سا پیدا ہوا کہ مکہ فتح ہو گیا اور ہمارے تیرتھ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ہمارے سب سے بڑے صنم خانہ کو پھر اللہ کا گھر بنا دیا گیا۔ ۳۶۰ بتوں کو وہاں سے ہٹا کر توحید کی آواز سے اس کو پاک و مطہر کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ اس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں نے کیا جن کو ہم نے طائف میں گھسنے نہ دیا تھا اور جب وہ زبردستی آ گئے تو پھر اینٹوں اور پتھروں سے ان کی ہم نے وہ تواضع کی کہ پورا جسم

---

① مسند احمد بن حنبل، کتاب باقی مسند الانصار، باب باقی المسند السابق: ۲۶۹/۶

Marfat.com

لہولہان ہو گیا یہاں تک کہ کسی شخص نے ان کا نہ تو ساتھ دیا اور نہ ہی سنبھالا۔ ان کی یہ ہمت کہ ہمارے ہوتے ہوئے وہ ہمارے سب سے بڑے تیرتھ مکہ کا فاتح ہو۔'' ان جذبات نے ان قبائل کو اس قدر مشتعل کیا کہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

رسول اللہ ﷺ کو جب ان حالات و واقعات کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو تحقیق احوال کے لیے بھیجا۔ سیدنا عبداللہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے ایک دو روز ان میں رہ کر تمام حالات معلوم کیے اور واپس آ کر سرکار دو عالم ﷺ کو ان جنگی تیاریوں کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ چنانچہ سرور کائنات ﷺ نے بھی جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ سامان جنگ کا جائزہ لیا گیا تو زرہیں کچھ کم تھیں۔ نقد رقم کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن ربیعہ نہایت دولت مند تھے، ان سے تیس ہزار درہم قرض لیے گئے۔①

صفوان بن امیہ جو مکہ کا رئیس تھا اور مہمان نوازی میں بھی مشہور تھا، لیکن ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا، اس سے آپ ﷺ نے سو زرہیں طلب کیں۔ انہوں نے کہا کہ جبراً یا طوعاً یعنی جبراً مانگتے ہو تو میں نہیں دیتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جبراً نہیں طوعاً۔ ایک روایت میں ہے کہ غصباً یا عاریتاً۔ آپ ﷺ نے فرمایا غصباً نہیں بلکہ عاریتاً یعنی جتنی لی جائیں گی اتنی ہی واپس کی جائیں گی اور اگر کچھ ضائع ہو گئیں تو اس کا معاوضہ دیا جائے گا۔ اتفاق سے جنگ کے دوران کچھ زرہیں ضائع ہو گئیں۔ جب واپس کرنے کا وقت آیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''صفوان! تمہاری چند زرہیں کم ہیں ان کا معاوضہ لے لو۔'' صفوان نے عرض کی: ''یارسول اللہ! وہ وقت اور تھا جب میں نے یہ کہا۔ اب تو اسلام رگ و پے میں رچ بس گیا ہے، اب زرہیں کیا جان کی پونجی بھی حاضر ہے۔''②

سائب ایک تاجر تھے۔ جب وہ حلقہ اسلام میں داخل ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو لوگوں نے آپ کے سامنے ان کی بہت تعریف کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

① مسند احمد: ٤/ ٣٦

② ابوداؤد، باب تضمين العادية: ٥/ ٧٠

''میں ان کو تم لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔'' سائب نے کہا:

"بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، كُنْتَ شَرِيكِي فَنِعْمَ الشَّرِيكُ، كُنْتَ لَا تُدَارِي وَلَا تُمَارِي" ①

''میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ میری تجارت میں میرے شریک تھے اور آپ نے ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔''

اسلام نے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ کوئی شخص کسی سے کوئی چیز لے کر مکر نہ جائے یا دینے میں حیلے حوالے نہ کرے یا اس میں بلا اجازت کوئی سفر نہ کرے یا کسی نے بھروسہ کر کے ہم سے کوئی بات کہی اور ہم اس کے اس اعتماد اور بھروسہ سے غلط فائدہ اٹھا کر اس کے خلاف کوئی حرکت نہ کر بیٹھیں کیونکہ خباثت انہی چیزوں کا نام ہے جس کی قرآن حکیم نے سخت مذمت کی ہے۔

﴿وَتَخُونُوٓا أَمَـٰنَـٰتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ②

''اور اپنی امانتوں میں جان بوجھ کر خیانت نہ کرو''

قرآن حکیم میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے مدین کے سفر میں انہوں نے دو لڑکیوں کی بکریوں کو پینے کے لیے پانی بھر دیا اور ان سے ان کی کوئی مزدوری نہ لی۔ ان لڑکیوں میں سے ایک نے واپس جا کر ان کی بہت تعریف کی اور باپ سے سفارش کی کہ اس کو ملازم اور نوکر رکھ لیں۔ اور ایک اچھے ملازم میں جو شرائط اور اوصاف ہونے چاہئیں ان کو نہایت اچھے طریقہ سے ان سے بیان کیے۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿يَـٰٓأَبَتِ ٱسْتَـْٔجِرْهُ ۖ إِنَّ خَيْرَ مَنِ ٱسْتَـْٔجَرْتَ ٱلْقَوِىُّ ٱلْأَمِينُ﴾ ③

''ابا جان! اس کو نوکر رکھ لیجیے، سب سے اچھا نوکر جس کو آپ رکھنا چاہیں وہ ہے جو طاقتور اور امانت دار ہو۔''

گویا بتایا کہ ایک بہترین نوکر میں یہ دو صلاحیتیں ہونی ضروری ہیں اور وہ دونوں

---

① ابوداؤد، كتاب الادب، باب فی كراهية مرأ: ۲/ ۳۱۷

② انفال: ۲۷

③ قصص: ۲۶

Marfat.com

ان میں موجود ہیں۔ ایک یہ کہ وہ قوی ہو یعنی جو کام اس کے سپرد کیا جائے اس کو کرنے کی پوری پوری طاقت اور قوت رکھتا ہو۔ اور دوسری صفت یہ کہ وہ امین ہو یعنی اس کام کے کرنے میں خیانت نہ کرے۔ یہ نہ ہو کہ تنخواہ آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی کی لے، اور کام صرف پانچ گھنٹے کرے۔ آج کل ملازمین کے تقرر کے وقت یہ دونوں صفات ان میں دیکھنی ضروری ہیں۔

معجم کبیر طبرانی میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں، اور جس شخص کو اپنے عہد کا پاس نہیں اس میں دین نہیں۔'' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کسی بندہ کا اس وقت تک دین درست نہ ہوگا جب تک اس کی زبان درست نہ ہوگی، اور اس وقت تک اس کی زبان درست نہ ہوگی جب تک اس کا دل درست نہ ہوگا.......... جو شخص کسی ناجائز طریقہ سے مال حاصل کرے گا اور اس میں سے خرچ کرے گا تو اس کو اس میں برکت نہیں دی جائے گی۔ اور اگر اس میں سے خیرات کرے گا تو قبول نہیں ہوگی۔ اور جو اس میں سے بچ رہے گا وہ اس کے دوزخ کی طرف سفر کا توشہ ہوگا۔ بُری چیز بُری چیز کا کفارہ نہیں بن سکتی البتہ اچھی چیز اچھی چیز کا کفارہ ہوتی ہے۔'' ①

جب کسی شخص سے کوئی مشورہ کیا جائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنی رائے نہایت ایمانداری سے دے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بات کے بارے میں مشورہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس سے مشورہ طلب کیا جائے اس کو ایک امانت سپرد کی جاتی ہے، اسی لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجلس میں جو باتیں ہوں وہ امانت ہیں، یعنی مجلس کی باتیں دوسروں تک پہنچا کر فتنہ کا باعث نہیں بننا چاہیے، مگر یہ کہ اس سے کسی فتنہ کے روکنے کا کام لیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "المجالس بالامانة" مجالس امانت کے ساتھ ہوں مگر تین موقعوں پر (۱) کسی کے ناحق قتل کی (۲) یا کسی کی آبروریزی کی یا (۳) کسی کا مال ناجائز طور پر لینے کی سازش ہو تو پھر متعلقہ لوگوں کو ضرور

① کنز العمال: ۲/ ۱۵

Marfat.com

آ گاہ کر دینا چاہیے۔ ''کسی شخص کا راز افشاء کرنا بھی امانت کے خلاف ہے۔ راز کے معنی صرف یہی نہیں کہ جس کو کہنے والا راز کہہ کر ہم سے کہے کہ اس کو افشاء نہیں کرنا بلکہ وہ بھی راز ہے جس سے وہ ہمارے سوا دوسرے کو آ گاہ کرنا نہیں چاہتا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب کوئی شخص کسی سے کوئی بات کرے اور وہ احتیاطاً ادھر ادھر سے اس غرض سے دیکھے کہ کوئی سن نہ رہا ہو تو وہ بات بھی امانت ہو جاتی ہے''۔① اور امانت میں خیانت کرنا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق نفاق کی ایک نشانی ہے۔②

عورت کے حقوق کی حفاظت:

یہاں ایک بات اور ذہن میں رہے اور اس زمانہ میں وہ نہایت اہم بات ہے کیونکہ لوگ دین سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے ان باتوں کو معمولی بلکہ غیر ضروری سمجھ کر ان کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے۔ وہ بات یہ ہے کہ مرد جب کسی عورت کو اپنی زوجیت میں لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ شرطوں کے مطابق لیتا ہے کہ میں اس کے نان ونفقہ کا ذمہ دار ہوں، اس کے جو حقوق میرے ذمہ ہیں میں ان کو بطریق احسن ادا کروں گا، لیکن اگر کوئی شخص کسی عورت کو اپنی زوجیت میں لے کر اس کے حقوق ادا نہیں کرتا ہے یا ادا کرنے میں کمی کرتا ہے تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت میں خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے تاریخی خطبہ میں یہ فرمایا تھا: ''لوگو! عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ تم نے ان کو اللہ کی امانت اور عہد کے ساتھ اپنی زوجیت میں لیا ہے۔''③

قرآن حکیم نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی امانت کا بوجھ انسان نے اٹھایا ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو باتیں سنی ہیں ان میں سے ایک کا ظہور تو میں اپنی آنکھ سے دیکھ چکا ہوں جب کہ دوسری

---

① ابوداؤد، کتاب الادب

② بخاری، کتاب الایمان، باب علامات المنافق: ۱/۱۰

③ مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۱/۳۹۷

Marfat.com

کے ظہور کا انتظار کر رہا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''امانت داری لوگوں کے دلوں کی جڑ میں اُتری ہے۔ پھر قرآن حکیم اور بعد ازاں سنت (یعنی حدیث کی تعلیم) سے وہ راسخ ہو جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امانت داری کے اٹھ جانے (معدوم ہونے) کا بھی حال بیان فرمایا کہ ایک بار وہ سوئے گا تو نیند کی حالت میں امانت داری اس کے دل پر سے اٹھا لی جائے گی۔ چنانچہ مدہم سا نشان پڑ جائے گا۔ پھر دوسری بار سوئے گا تو اس کا نشان چھالے کی طرح ہو جائے گا جیسے پاؤں پر چنگاڑی لڑھکانے سے چھالا پھول جاتا ہے۔ بظاہر یہ پھولا ہوتا ہے مگر اس کے اندر کوئی شے نہیں ہوتی (مطلب یہ کہ پہلی نیند میں تو ایمانداری کا نور اٹھ کر بے ایمانی کی ظلمت اور تاریکی مدہم اور ہلکے داغ کی طرح نمودار ہو گی۔ پھر دوسری نیند پر یہ ظلمت زیادہ ہو کر ایک چھالے کے داغ کی طرح نمودار ہو گی)۔ اس وقت یہ کیفیت ہو جائے گی کہ آپس میں لوگ معاملہ (خرید و فروخت اور لین دین) کریں گے مگر امانت کوئی واپس نہیں کرے گا۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچ جائے گی (اور امانت دار لوگ ایسے کم ہو جائیں گے) کہ لوگ کہیں گے کہ فلاں قوم میں فلاں شخص امانت دار ہے اور لوگ کسی شخص کی نسبت یوں کہیں گے کہ فلاں کتنا ہوشیار، کتنا ظریف اور کتنا مضبوط انسان ہے (مَا أَعْقَلَهُ وَمَا أَظْرَفَهُ وَمَا أَجْلَدَهُ) یعنی اس کی تعریفیں کریں گے۔ حالانکہ (وہ پکا بے ایمان ہو گا) اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہو گا۔

''سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایک زمانہ ایسا گزر چکا ہے جب مجھے کچھ فکر نہ ہوتی تھی۔ میں جس سے چاہتا خرید و فروخت کرتا (کیونکہ اس وقت اکثریت ایمان دار تھی) میں جس سے معاملہ کرتا

Marfat.com

اگر وہ مسلمان ہوتا تو اس کا اسلام اسے مجبور کرتا (اور وہ بددیانتی نہ کرتا) اور اگر کوئی نصرانی ہوتا تو اس کے حاکم (اسے مجبور کر کے) حق دار کا حق دلا دیتے۔ اب تو وہ وقت ہے کہ میں سوائے فلاں فلاں شخصوں کے اور کسی سے لین دین اور معاملہ کرنا نہیں چاہتا (یعنی کوئی شخص اعتبار کے قابل ہی نہیں۔ جدھر دیکھو بے ایمانوں کا نرغہ ہے)۔①

بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ قربِ قیامت میں لوگوں کے دلوں سے امانت اور ایمان دونوں اٹھا لیے جائیں گے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا ضُيِّعَتِ الْاَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ قَالَ كَيْفَ إِضَاعَتُهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: إِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ إِلٰى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ)) ②

''جب امانتداری دنیا سے جاتی رہے تو قیامت کا انتظار کرنا۔ ایک شخص نے پوچھا: ''یا رسول اللہ! امانت داری کیسے اٹھ جائے گی؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب حکومت ان لوگوں کے حوالے کی جائے گی جو اس کے اہل نہ ہوں گے تو اس زمانہ میں قیامت کا منتظر رہنا۔''

حافظ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بادشاہوں اور حاکموں کو اپنی امانت سپرد کی ہے۔ اپنے بندوں پر ان کو اس لیے حاکم بنایا ہے کہ وہ ہر ایک ایمان دار اور اہل و لائق شخص کو حکومت کے معاملات سپرد کریں۔ جب یہ لوگ سفارشوں اور رشوتوں کی وجہ سے بے ایمان، بددیانت اور نالائق لوگوں کو معاملات سپرد کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ کی

---

① بخاری، کتاب الرقاق، باب رفع الامانة: ۱۱/ ۳۳۳، ۱۳/ ۲۸، رقم الحدیث: ۱۴۳، ترمذی، رقم الحدیث: ۲۱۷۹، ابن ماجه، رقم الحدیث: ۴۰۵۳، مسند احمد بن حنبل: ۵/ ۳۸۳۔

② بخاری، کتاب العلم، باب من سئل علماء وهو مشتغل: ۱۱/ ۳۳۳

امانتوں کو انہوں نے ضائع کر دیا اور اس میں خیانت کے مرتکب ہوئے۔ جو بادشاہ یا حاکم نالائقوں اور نااہلوں کو اپنے ملک کی خدمات سپرد کرتا ہے یا ذی علم اور لائق لوگوں کی قدر دانی نہیں کرتا تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس کی حکومت آج کل میں جانے والی ہے، اور عجب نہیں کہ قیامت سے آپ کی مراد یہی ہو یعنی تغیر حکومت جس میں قیامت کی طرح بڑے بڑے انقلاب آتے ہیں، افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان حکومتوں میں یہی شکایت سنی جاتی ہے کہ لائق اور ذی علم اور شریف اور خاندانی لوگ خدمت سے علیحدہ کیے جاتے ہیں اور جاہل، مجہول النسب اور کم ذات لوگ بڑے بڑے عہدوں پر مامور کیے جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ تحصیل علوم کو فضول اور بے فائدہ سمجھنے لگتے ہیں، اور علمی کمالات حاصل کرنے میں سستی اور تکاسل سے کام لیتے ہیں، اور پھر اس طرح پورے ملک میں جہالت اور بدتمیزی پھیل جاتی ہے۔ اخیر میں (دفعتاً من جانب اللہ) حکومت کی تبدیلی کا حکم ہوتا ہے اور حاکم وقت، وزیراعظم یا صدر مملکت معزول ہو کر تختۂ دار پر جھول جاتا ہے یا پھر جلاوطنی یا قید خانہ کی ہوا کھاتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ غیر اہل کو امور سونپنا یہ اس وقت ہوگا جب علم اٹھا لیا جائے گا اور جہالت کا دنیا میں غلبہ ہوگا۔ اور علم کا اٹھ جانا اور جہالت کا غلبہ ہونا یہ بذات خود علامات قیامت میں سے ہے۔①

علامات قیامت میں یہ بھی آیا ہے کہ سب سے پہلے اس امت سے امانت کا جوہر جاتا رہے گا اور سب سے آخر میں جو چیز رہ جائے گی وہ نماز ہوگی۔ اور کتنے نمازی ہیں جن کی نمازوں کا کوئی حصہ خدا کے ہاں نہیں۔②

اور یہ بھی فرمایا کہ میری امت اس وقت تک فطری صلاحیت پر قائم رہے گی جب تک وہ امانت کو غنیمت کا مال اور زکوٰۃ کو جرمانہ نہیں سمجھے گی۔''③

آج کل تو قرض لے کر واپس کرنا حماقت سمجھا جاتا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

① کنز العمال: ۱۵/۲

② کنز العمال: ۱۵/۲

③ فتح الباری: ۱۴۳/۱، ترمذی، ابواب القدر، باب ماجاء فی اشراط الساعۃ: ۴۴/۲

Marfat.com

اس بات کو سخت ناپسند فرماتے کہ کوئی شخص قرض لے کر واپس نہ کرے یا استطاعت ہونے کے باوجود اس قرض کو واپس کرنے میں ٹال مٹول کرے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے کسی سے اونٹ قرض لیا۔ جب واپس کیا تو اس سے بہتر واپس کیا اور فرمایا:

((فَإِنَّ خَيْرَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً)) ①

"سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرض کو اچھے طریقہ سے ادا کرتے ہیں۔"

آپ ﷺ کی شخصیت ایک بڑی جاذب نظر شخصیت تھی۔ فضائل اخلاق آپ کا وطیرہ اور عمل سے اور پیغمبرانہ جمال وجلال آپ ﷺ کے چہرہ اقدس سے ٹپکتا تھا۔ جو دیکھتا بس آپ ہی کا ہو کر رہ جاتا۔ آپ کے پیغمبرانہ جمال اور آپ کی شخصیت کی جاذبیت کے یہ اثرات تھے کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے باہر ایک قافلہ آکر فروکش ہوا۔ ان کے پاس ایک سرخ رنگ کا اونٹ بھی تھا۔ اتفاقاً آپ ﷺ کا ادھر سے گزر ہوا تو آپ نے قافلہ والوں سے اس اونٹ کی قیمت دریافت کی اور پھر فرمایا بھاؤ تاؤ کیے بغیر اس کی قیمت کو قبول فرمالیا اور ان سے اونٹ لے کر اس وعدہ کے ساتھ چل دیئے کہ قیمت ادا کر دوں گا۔ بعد میں قافلہ کے لوگوں کو خیال آیا کہ انہوں نے سخت غلطی کی ہے۔ کہ جان پہچان کے بغیر اونٹ آپ کے حوالہ کر دیا ہے۔ انہیں اس بات پر قدرے ندامت بھی ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں اس کا اظہار بھی کیا۔ قافلہ میں موجود ایک خاتون نے یہ کہہ کر انہیں تسلی دی کہ تسلی رکھو، ہم نے کسی شخص کا چہرہ اتنا روشن نہیں دیکھا یعنی اس قسم کے چہرے والا شخص آپ لوگوں سے دغا نہیں کرے گا۔ رات ہوئی تو آپ نے ان لوگوں کے لیے کھانا اور اونٹ کی قیمت میں طے شدہ کھجوریں انہیں بھیج دیں۔ ②

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى لَهٗ

---

① ترمذی، ابواب البیوع، باب استقراض البعیر: ۱/ ۲۴۵

② دارقطنی، کتاب البیوع: ۳/ ۴۵

Marfat.com

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم

کا جود وسخا

عربی زبان میں جود اور سخا، کرم اور سماحت ایسے الفاظ ہیں جن کے معنی آپس میں قریب قریب ہیں لیکن ماہرین لغت عرب نے ان میں بڑا لطیف فرق بیان کیا ہے۔

سخا کا مطلب ہے کسی قبیح چیز کے کسب کرنے پر پرہیز کرنا اور مال کو بڑی آسانی سے خرچ کرنا۔ اور جود کا بھی قریباً یہی مطلب ہے اور اس کا مدمقابل ''التقتیر'' ہے جس کا مطلب ہے خرچ کرتے وقت تنگ دلی محسوس کرنا۔

لغت ونحو کے امام نحاس جواد کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ جواد وہ ہے جو مستحق کو عطا کرتا ہے اور جو سوال نہیں کرتا اس کو دیتا ہے اور جب دیتا ہے تو قلیل اور تھوڑا نہیں دیتا بلکہ بہت دیتا ہے۔ اسے فقر و افلاس کا کوئی خوف اور اندیشہ نہیں ہوتا۔ موسلا دھار بارش کو عرب ''مطر جواد'' اور تیز رفتار گھوڑے کو ''فرس جواد'' کہتے ہیں۔ اور جو سائل کے سوال کرنے سے پہلے اس کی جھولی بھر دیتا ہے۔ جس میں یہ صفات پائی جائیں اسے اہل عرب جواد کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ جود اور سخا مترادف ہیں لیکن صحیح بات یہ ہے کہ جواد کا مرتبہ سخی سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔①

صفت جود وسخا اور سخاوت و فیاضی میں کوئی شخص بھی سرکار دو عالم ﷺ سے بڑھ کر تو کیا آپ ﷺ کی ہمسری کا بھی دعویٰ نہیں کرسکتا۔ ہر شخص جس نے حضور علیہ

① کذافی الشفاء لقاضی عیاض المالکیؒ: ۱/ ۲۵۴، المعجم الوسیط: ۱/ ۱۴۵

Marfat.com

الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"مَاسُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ شَیْئٍ وَقَالَ لَا "①

''ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سوال کیا گیا اور آپ نے اس کے جواب میں نہ فرمایا ہو۔''

فرزدق نے کیا ہی اچھا کہا ہے

مَاقَالَ لَا قَطُّ إِلَّا فِیْ تَشَهُّدِہٖ
لَوْلَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَاءُہٗ نَعَمْ

''یعنی میرے ممدوح نے تشہد کے بغیر کبھی ''لا'' نہیں کہا اور اگر تشہد میں ''لا الہ'' کہنا ضروری نہ ہوتا تو پھر اس کی ''لا'' بھی ''نعم'' ہوتی۔''

جود وسخا کتاب اخلاق کا ایک اہم باب ہے بلکہ سچائی اور صدق کے بعد یہ سب سے اہم اخلاقی خصلت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جود وسخا کی اس صفت کو بہت پسند فرماتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں حرص و آز، خود غرضی، بخل اور شح کو سخت ناپسند فرماتے ہیں۔ قرآن حکیم نے اپنی بے شمار آیات میں ''انفاق'' کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی بلکہ اس کی ترغیب اور تاکید کی اور حب مال کی ہر صورت کی حوصلہ شکنی کی بلکہ اس کی ترہیب اور وعید فرمائی۔ قرآن میں حب مال کے جذبہ کو ناپسند کیا گیا ہے اور اس سے بچنے کے لیے مسلمانوں کو سخت تاکید کی۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے

﴿وَیْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۙ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ﴾②

''ہر ہمزہ اور لمزہ کے لیے خرابی ہے جو مال جمع کرتا ہے اور اسے گن گن کر رکھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کی ہمیشہ

① الشفاء: ۱/ ۲۳۱، الفصل الثالث عشر، الجود والکرم

② الھمزہ: ۱۔۳

زندگی کا موجب ہوگا۔''

ھمز اور لمز کا ترجمہ کیا جاتا ہے طعن آمیز اشارے کرنے والا اور چغل خور کے، لیکن ہمارے نزدیک ''ھماز'' اس کتے کو کہتے ہیں جسے کچلہ دیا جائے اور قریب الموت حالت میں بار بار اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر پھیر کر اپنی پیاس بجھانے کا مظاہرہ کر رہا ہو۔ اس طرح جو چوہے سنکھیا (سم الفار) کھا کر پانی کی تلاش میں دوڑتے پھرتے ہیں انہیں بھی ''ھماز'' کہتے ہیں۔ ''ھماز'' ایک خطرناک زہریلے سانپ کو بھی کہتے ہیں جو اپنی زبان اپنے ہونٹوں پر پھیرتا ہے① ابولہب کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ھمزہ'' کہا جس میں حرص اور ہوس ذرا اتنی شدید ہوگئی تھی کہ خانہ کعبہ کا کلید بردار ہونے کے باوجود وہاں کا سونے کا ہرن چرا لیا تھا۔

''لمز'' کا معنی دھوکہ دے کر مفاد حاصل کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کی ایک خصلت یہ بیان کی ہے:

﴿وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا﴾②

''اور کھا جاتے ہو مردے کا مال سمیٹ کر، اور محبت کرتے ہو مال کو جی بھر کر۔''

بتایا یہ کہ تم لوگ مردے کی میراث لینے میں حلال و حرام اور حق ناحق کی کچھ تمیز نہیں کرتے۔ جو قابو چڑھا ہضم کیا، یتیموں اور مساکین کے حقوق تلف ہوں تو ہونے دو، اور اصل بات یہ ہے کہ تمہارا دل مال کی حرص اور محبت سے بھرا ہوا ہے اور نیت یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح مال ہاتھ آئے اور ایک پیسہ کسی نیک کام میں ہاتھ سے نہ نکلے خواہ آگے چل کر نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ مال کی اس قدر محبت اور پرستش کہ آدمی اسی کو کعبہ مقصود ٹھیرا لے، صرف کافر کا شیوہ ہو سکتا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

---

① اسلام کا نظام زکوٰۃ، حکیم محمود احمد ظفر

② الفجر ۱۹۔۲۰

Marfat.com

﴿الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ﴾①

''وہ جو دکھلاوا کرتے ہیں اور برتنے کی چیزیں مانگی نہ دیویں۔''

''ماعون'' کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ لوگ روزمرہ کی استعمال کی اشیاء بھی عاریتاً کسی کو نہیں دیتے۔ اور ''ماعون'' کا دوسرا معنی بہتے ہوئے چشمے کے بھی ہوتے ہیں۔ اس پہلو سے معنی یہ بھی ہوں گے کہ وہ رزق کے ان رواں دواں چشموں کو روک لیتے ہیں جن کو ہر فرد کے پاس پہنچنا چاہیے۔

مقصود اس ساری بحث کا یہ ہے کہ اسلام ہر ایک فرد میں یہ اخلاقی قوت پیدا کرنا چاہتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دے۔ یہی جود وسخا کی روح ہے۔ دوسروں کے فائدے کا سوچنا اور اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینا یہی ایثار کا جذبہ ہے جس کی اسلام تعریف کرتا ہے اور ایک شخص کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے مال میں سے ان لوگوں کو دے جن کے پاس دولت نہیں ہے اور اپنے مال میں سے اچھی چیزیں دے تاکہ اس کے جذبہ ایثار کی آبیاری ہو۔ انفاق فی سبیل اللہ کے مقابلہ میں بخل ہے جس کی قرآن حکیم نے سخت مذمت کی ہے۔ عربی میں کنجوسی کے لیے دو لفظ ہیں۔ ایک بخل اور دوسرا شح۔ لیکن شح بخل سے زیادہ شدید ہے بلکہ اس میں بخل کے ساتھ حرص بھی ہوتی ہے۔②

شح خلق مذموم ہے، اسی لیے اسلام نے اس سے منع کیا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾③

''اور جس کو بچا دیا اپنے جی کے لالچ سے سو وہ لوگ وہی مراد کو پہنچے۔ یعنی مراد کو وہی شخص پہنچتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس کے دل کے لالچ سے بچاوے اور حرص وبخل سے محفوظ رکھے۔''

اسی قسم کے بخل کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی نشانیوں میں سے بتایا

---

① الماعون: ٦۔٧

② النہایۃ فی غریب الحدیث لا بن اثیر: ٢/٤٨٨

③ الحشر: ٩

Marfat.com

ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَظْهَرَ الشُّحُّ))

''قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ بخل عام ہو گا۔'' ①

ایک اور روایت میں جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَيَنْقُصُ الْعَمَلُ وَيُلْقَى الشُّحُّ)) ②

''یعنی اعمال کم اور برکت کی قلت ہو جائے گی، علم دین کم ہو جائے گا اور بخل بڑھ جائے گا۔''

اس سلسلہ میں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اتَّقُوا الظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، حَمَلَهُمْ عَلَى أَنْ سَفَكُوا دِمَاءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ)) ③

''ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن کی تاریکیوں میں سے ہے، اور بخل سے بچو کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو بخل نے ہلاک کر دیا۔ اس بخل نے ان کو خون ریزی کرنے اور حلال کو حرام کرنے پر برانگیختہ کیا۔''

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ ہلاکت سے مراد دنیا کی ہلاکت ہو کیونکہ انہوں نے بخل کی وجہ سے ایک دوسرے کا خون بہایا، اور اس کا بھی احتمال ہے کہ آخرت کی ہلاکت ہو، اور اس کا بھی احتمال ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں کی ہلاکت ہو۔ ④

انبیاء کرام علیہم السلام فطرتاً جود و سخا کا بہترین مظہر ہوتے ہیں کیونکہ اس کے

---

① رواه الطبراني في الاوسط، فتح الباري: ۱۳/ ۱۵، مجمع الزوائد: ۷/ ۳۲، قال الهيثمي رجاله رجال الصحيح

② بخاري، كتاب الادب، باب حسن الخلق والسخاء: ۱۲/ ۱۳

③ مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظلم: ۱۶/ ۱۳٤

④ نووي شرح مسلم: ۷/ ۷٤، شمائل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم: ص ۷٤

Marfat.com

بغیر وہ دعوت الی اللہ کا کام کر ہی نہیں سکتے، سرکار دو عالم ﷺ چونکہ خاتم النبیین ہیں اس وجہ سے آپ کی ذات اقدس بدرجہ اتم ان صفات کاملہ کا نمونہ تھی۔ چنانچہ ان کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے خصوصاً رمضان میں آپ بہت زیادہ سخاوت فرماتے جب جبرئیل امین ان سے ملتے۔ ان ایام میں آپ ﷺ خیر کے معاملہ میں تیز ہوا سے زیادہ فیاض ہوتے تھے۔①

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے دست سوال دراز کیا۔ آپ ﷺ نے اتنی بکریاں عطا فرمائیں جن سے دو پہاڑوں کے درمیان کی وسیع وادی بھر گئی۔ جب وہ لوٹ کر اپنے اہل وطن کے پاس آیا تو اس نے انہیں کہا:

"أَسْلِمُوْا فَإِنَّ مُحَمَّداً يُعْطِيْ عَطَاءً لَا يَخْشَى الْفَاقَةَ"②

"(اے میری قوم!) فوراً اسلام قبول کر لو کیونکہ محمد (ﷺ) جب کسی کو کوئی چیز عطا فرماتے ہیں تو پھر اسے فقر و فاقہ کا کوئی خطرہ نہیں رہتا۔"

ایک مرتبہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم ﷺ سے عرض کی: "یا رسول اللہ! میں بہت زیر بار ہوں۔ غزوہ بدر کے بعد میں نے اپنا فدیہ بھی ادا کیا اور اپنے بھتیجے عقیل کا فدیہ بھی ادا کیا، اس لیے مجھے کچھ عطا فرمائیے۔ آپ ﷺ کے پاس اس وقت سونے چاندی کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس ڈھیر میں سے جتنا اٹھا سکتے ہو لے لو۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر بچھا دی اور اس ڈھیر سے چاندی اور سونا اٹھا اٹھا کر اپنی چادر پر رکھنے لگے۔ جب وہ جتنا کچھ رکھنا چاہتے تھے رکھ چکے تو گٹھری باندھی۔ جب اس کو اٹھا کر اپنے سر پر رکھنے لگے تو وہ اتنی وزنی تھی کہ اٹھا نہ سکے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: "یا رسول اللہ! اس کے اٹھانے میں میری مدد

---

① بخاری، کتاب بدء الوحی، باب ایضاً، رقم الحدیث ٥، شمائل ترمذی: ص ٧٥، مسلم، کتاب الفضائل، باب کان النبی اجود الناس بالخیر......الخ، رقم الحدیث: ٤٢٦٨

② مسلم، کتاب الفضائل، باب ماسئل رسول اللہ ﷺ شیئًا قط، رقم الحدیث: ٤٢٧٥ شمائل الرسول ﷺ: ص ٧٤

فرمائیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما دیا۔ پھر عرض کی کہ کسی اور شخص کو حکم دیں کہ وہ اس کے اٹھانے میں میری مدد کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی انکار فرما دیا۔ اب سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے وزن کم کیا، اور باقی ماندہ کو بڑی مشکل سے سر پر اٹھایا اور گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب تک سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نظر آتے رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نہایت تعجب سے دیکھتے رہے اور تعجب کرتے رہے۔①

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نہایت طاقتور، بلند قامت اور سلیم الفطرت آدمی تھے۔ اس قوت وقامت کے باعث جو کچھ گٹھڑی میں اٹھایا وہ چالیس ہزار سے کم نہ تھا۔②

ایک مرتبہ بارگاہِ نبوت میں نوے ہزار درہم پیش کیے گئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو چٹائی پر رکھ دو۔ پھر آپ خود ان کو تقسیم کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ جو شخص بھی آیا اس کی جھولی بھر دی یہاں تک کہ وہ درہم ختم ہو گئے۔ اس کے بعد ایک سائل حاضر ہوا۔ اس نے طلب کا دامن پھیلایا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے پاس تو اب کوئی چیز نہیں ہے۔ تم ایسا کرو کہ فلاں دکاندار کے پاس جا کر اپنی ضرورت کی چیزیں میرے نام پر خرید لو۔ میں اس دکاندار کو ان چیزوں کی رقم ادا کر دوں گا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس وقت خدمت نبوی میں حاضر تھے۔ آپ نے عرض کی: "یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات کا مکلف نہیں کیا جس کی آپ میں قدرت نہیں ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات پسند نہ آئی۔ ایک انصاری وہاں موجود تھے، انہوں نے عرض کی:

"یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! أَنْفِقْ وَلَا تَخَفْ مِنْ ذِی الْعَرْشِ إِقْلَالًا"③

"یا رسول اللہ! آپ بے خوف وخطر خرچ فرمائیں اور یہ اندیشہ نہ

---

① الشفاء قاضی عیاض، الفصل الجود والکرم: ۱/ ۲۳۳، مختصر الفاظ کے ساتھ، تفصیل کے ساتھ سبل الھدیٰ والرشاد، فصل الجود والکرم: ۷/ ۵۱، بخاری: ٤/ ٥٦، الفاظ میں کچھ اختلاف ہے۔

② الشفاء: ۱/ ۱٤٦

③ الشفاء، الفصل، الجود والکرم: ۱/ ۲۳۳

Marfat.com

کریں کہ آپ کا رب جو عرش کا مالک ہے، آپ ﷺ کو تنگ دست کر دے گا۔"

اس انصاری صحابی کی بات سن کر آپ کو ایک گونہ خوشی اور مسرت ہوئی اور خوشی کے آثار آپ کے رخِ انور سے ظاہر ہونے لگے۔ اسی خوشی کی حالت میں آپ ﷺ نے فرمایا: "بھذا امرت" مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔①

بخاری وغیرہ میں سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک خاتون بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور ایک چادر اپنے ساتھ لائی جس کا حاشیہ بھی تھا۔ اس نے بارگاہ نبوت میں عرض کی: "یا رسول اللہ! میں نے اس کو اپنے ہاتھوں سے بنا ہے تاکہ آپ ﷺ اسے زیب تن فرمائیں۔ میں اس کو اپنی نہایت خوش قسمتی سمجھوں گی اگر آپ اس کو قبول فرمالیں۔" رسول اللہ ﷺ نے اس کی اس پیش کش کو قبول فرمالیا۔ سرکار دو عالم ﷺ اس چادر کو بطور تہبند باندھ کر باہر تشریف لائے۔ فوراً ایک اعرابی نے بارگاہ رسالت میں عرض کی: "یا رسول اللہ! مہربانی فرما کر آپ یہ چادر مجھے عطا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں یہ چادر تمہیں دوں گا۔" تھوڑی دیر کے بعد آپ گھر تشریف لے گئے۔ اس چادر کو تہہ کیا اور اس اعرابی کو یہ چادر مرحمت فرمادی۔ لوگوں نے اسے کہا: رسول اللہ ﷺ کو اس چادر کی ضرورت تھی۔ تم نے آپ ﷺ سے اس چادر کا سوال کیوں کیا؟ اس اعرابی نے کہا: "بخدا! میں نے یہ چادر تہہ بند بنانے کے لیے نہیں مانگی بلکہ میں نے تو اس کو اپنا کفن بنانے کے لیے مانگی ہے۔ مجھے امید ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو پہنا ہے لہٰذا آپ ﷺ کی برکت سے یہ چادر میرے لیے عذاب سے نجات کا باعث ہوگی۔②

چنانچہ اس شخص نے اس چادر کو سنبھال کر رکھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک پارچہ باف کو کہا: "اس شخص کے لیے چادر بنائے۔" مقصد یہ تھا کہ اس چادر کے بجائے

---

① الشفاء الفصل الجود والکرم: ١/ ٢٣٣، البدایه والنهایة: ٣/ ٤٩٣

② بخاری، کتاب اللباس، باب البرود والحبرة والشملة: ٢/ ٨٦٤

Marfat.com

اسے نئی چادر بنوا کر دے دی جائے، لیکن اس سے پیشتر کی نئی چادر تیار ہوتی وہ شخص اس دار فانی سے دار باقی کو انتقال کر گیا اور اسے اس چادر میں کفن دیا گیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کے ساتھ مس ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا۔①

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اپنے ایک اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ وہ اونٹ بہت تھکا ہوا تھا۔ اس وجہ سے بڑی مشکل سے قدم اٹھاتا تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جابر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ اس کا اونٹ بڑی مشکل سے قدم اٹھا رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چھڑی سے اسے کچوکا دیا اور اس کے لیے دعا بھی فرمائی۔ چنانچہ وہ اونٹ بڑی تیز رفتاری سے چلنے لگا اس سے پہلے وہ کبھی اتنا تیز نہیں چلا تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''جابر! یہ اونٹ مجھے فروخت کر دو۔'' سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں یہ اونٹ آپ کی خدمت اقدس میں پیش کرتا ہوں۔'' آپ اسے قبول فرمالیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مفت نہیں لوں گا بلکہ قیمت ادا کروں گا۔'' چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے وہ اونٹ فروخت کر دیا۔ آپ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''جابر کو اس کی قیمت ادا کر دو۔'' انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی۔ اس کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((اذْهَبْ بِالثَّمَنِ وَالْجَمَلِ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيهِمَا))②

''اے جابر! یہ قیمت اور اونٹ دونوں لے جاؤ، اللہ تعالیٰ ان دونوں میں تیرے لیے برکت عطا فرمائے۔''③

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

① بخاری، سبل الهدیٰ والرشاد، الباب فی کرمه وجوده صلی الله علیه وسلم: ۷/ ۵۰

② سبل الهدیٰ والرشاد، الباب فی کرمه وجوده صلی الله علیه وسلم: ۷/ ۵۱

③ رواه البخاری و مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب من ضرب دابة غیره فی الغزو

Marfat.com

((أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنِ الْأَجْوَدِ، اَللّٰهُ الْأَجْوَدُ، وَأَنَا أَجْوَدُ وُلْدِ آدَمَ)) ①

''کیا تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ پھر خود ہی فرمایا: اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سخی ہے اور اولاد آدم میں سب سے زیادہ سخی میں ہوں۔''

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَوْأَنَّ لِي مِثْلَ جِبَالِ تِهَامَةٍ ذَهَباً لَقَسَمْتُهُ بَيْنَكُمْ، ثُمَّ لَا تَجِدُونِي كَذُوباً وَلَا بَخِيلاً)) ②

''اگر میرے لیے تہامہ کے پہاڑوں جتنا سونا ہوتا تو میں اس سارے سونے کو تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا۔ تم مجھے نہ جھوٹا پاتے اور نہ بخیل۔''

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي)) ③

''میں صرف بانٹنے والا ہوں اور دیتا تو اللہ ہے۔''

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ گھر میں اگر کوئی نقدی ہوتی تو جب تک اس کو تقسیم نہ کر دیتے آرام نہ فرماتے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد گھر کے تمام مالی معاملات تھے۔ ایک مرتبہ فدک کے رئیس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں چار اونٹ غلہ

---

① سبل الهدیٰ والرشاد، الباب العاشر فی کرمه، وجوده صلی الله علیه وسلم: ۷/ ۵۲

② مسند احمد بن حنبل، کتاب مسند المتکربین من الصحابة، باب مسند عبدالله بن عمرؓ: ۶/ ۲۹۳

③ بخاری، کتاب العلم، باب من یردالله به، خیراً یفقه فی الدین، رقم الحدیث ۹، کذافی المشکوٰة، کتاب العلم: ص ۳۲، مسند احمد: ۶/ ۲۹۳
شرح نووی للمسلم، کتاب الزکاة، باب النهی عن المسئلة: ۱/ ۳۳۳

Marfat.com

کے بھیجے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے غلہ فروخت کر کے ایک یہودی کا قرض چکایا۔ آپ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کچھ رقم بچ گئی ہے؟'' انہوں نے عرض کی ''ہاں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تک کچھ باقی ہے میں گھر میں نہیں جا سکتا۔'' سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''کوئی سائل ہی نہیں، میں کیا کر سکتا ہوں؟'' لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان نہ آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات مسجد ہی میں گزاری۔ دوسرے روز سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے باقی ماندہ رقم تقسیم کرنے کے بعد خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی: ''یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو فارغ کر دیا۔'' آپ نے اللہ کا شکر ادا فرمایا اور گھر تشریف لے گئے۔ ①

جب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ذَكَرْتُ وَأَنَا فِي الصَّلٰوةِ تِبْراً عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ أَنْ يُمْسِيَ أَوْ يَبِيتَ عِنْدَنَا فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهِ)) ②

''مجھے نماز میں خیال آیا کہ کچھ سونا گھر میں پڑا رہ گیا۔ مجھے گمان ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑا رہ جائے، اس لیے اس کو خیرات کرنے کے لیے جا کر کہہ آیا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ آپ اپنی فیاضانہ روش کے باعث کوئی چیز اپنے پاس جمع ہونے نہیں دیتے تھے، اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتا یا کہیں سے آتا آپ ہر ممکن کوشش کرتے کہ اس کو اسی وقت لوگوں کو تقسیم کر دیا جائے۔ آپ اپنے پاس سونے چاندی یا دوسری چیزوں کا ذخیرہ نہیں ہونے دیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ چند انصار خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ سے کچھ طلب کیا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ مانگا تھا وہ دے دیا۔ انہوں نے پھر مانگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر عطا فرمایا اور جب تک آپ کے پاس رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیتے رہے یہاں تک کہ آپ کے پاس کچھ باقی نہ رہا لیکن آپ سے وہ

---

① ابوداؤد، باب الامام یقبل هدایا لمشرکین: ۳/ ۴۴۱، البدایه والنهایه: ۳/ ۴۹۳، دلائل النبوة بیهقی، باب حدیث نفقة رسول الله ﷺ الخ: ۱/ ۳۴۹

② بخاری، کتاب الاذان بامن صلی بالناس...... الخ: ۱/ ۱۱۷

Marfat.com

برابر مانگتے رہے لیکن اب کچھ باقی نہیں رہا تھا۔ اب جو انہوں نے مانگا تو آپ نے فرمایا:

((مَایَکُوْنُ عِنْدِیْ مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ اَدَّخِرَہٗ عَنْکُمْ)) ①

''میرے پاس جو کچھ ہو میں اُس کو تم سے بچا کر نہیں رکھتا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جو مسلمان ترکہ چھوڑ کر مرے وہ اس کے وارثوں کا حق ہے، اور جو اپنے اوپر قرض چھوڑ جائے اسے میں ادا کروں گا۔'' ②

آپ کی اس فیاضانہ روش سے لوگوں میں اتنی جرأت اور حوصلہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ وقت اور بے وقت آپ سے امداد طلب کرتے رہتے۔ چنانچہ ایک روز عین اقامت صلوٰۃ کے وقت ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ کر کہا کہ میری ایک ضرورت ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ میں بھول نہ جاؤں، اس لیے اسے پورا فرما دیں۔ آپ اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور اس کی ضرورت پوری کر کے آئے اور بعد میں نماز مکمل کی۔ ③

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جود وسخا کا پیکر تھے اور حاتم طائی کی سخاوت بھی ان کی سخاوت کے سامنے کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی۔

بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جود وسخا کی انتہا تھے تو اس میں مبالغہ نہ ہوگا۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں سبل الہدیٰ والرشاد کی روایت گزری ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی لَہٗ

---

① بخاری، کتاب الزکاۃ، باب الاستعفاف عن المسئلۃ: ۱/۱۹۹

② بخاری: ۳/۴۰، ابن ماجہ: ۲/۸۰۷

③ بخاری، باب اذا قیمت الصلوٰۃ: ۱/۱۵۸

Marfat.com

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم
کا عدل وانصاف

کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح تقسیم کرنا کہ کسی حصے میں کمی بیشی نہ ہو اسے عربی میں عدل کہتے ہیں ①۔ اس لفظ کو اپنی زبان میں ہم انہی معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ یعنی جو بات ہم کہیں یا جو کام ہم کریں اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اخلاق کی میزان میں عدل وانصاف کا پلہ بھی کچھ کم بھاری نہیں۔

عدل کو علم اخلاق میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ ایک مثبت صفت ہے جس سے ظلم کی نفی ہوتی ہے۔ عدل ہی سے پوری کائنات کا نظام حیات قائم ہے۔ اگر دنیا میں عدل نہ ہو تو فرد و معاشرہ دونوں فساد کا شکار ہو جائیں، کیونکہ حکومت ظلم کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔

عدل اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کے ۹۹ ناموں میں سے ایک نام ''عدل'' (عدل والا) بھی ہے۔ علماء کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ ''اس کا فیصلہ حق ہوتا ہے، وہ حق بات کہتا ہے اور وہی کرتا ہے جو حق ہے۔'' ②

قرآن حکیم میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے مختلف طریقوں سے استعمال کیا گیا ہے۔ جیسے فرمایا:

---

① المفردات: ص ۳۲۵، المعجم الوسیط: ۱/۵۸۸

② کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ۱/۱۴۱

Marfat.com

﴿وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ﴾①

''اور اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔'' (یہ عدل عملی کی طرف اشارہ ہے)

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ﴾②

''اور اللہ تعالیٰ حق بات کہتا ہے۔'' (یہ عدل قولی کو ظاہر کرتا ہے)

اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾③

''اور تیرے رب کی بات سچائی اور عدل کے ساتھ پوری ہوگئی۔''

چونکہ کائنات کا نظام عدل پر قائم ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی عدل واحسان سے کام لیں۔ فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾④

''بے شک اللہ تمہیں عدل واحسان کا حکم دیتا ہے۔''

عدل قانون کا تقاضا ہے اور احسان کرنا اور درگزر کرنا اخلاق کا مطالبہ ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نظام عالم کو قائم و دائم رکھنے کے لیے سب سے پہلے عدل کا حکم دیا اور اس کے بعد احسان کی تاکید فرمائی۔ ان دونوں چیزوں سے ایک انسان کی شخصیت کی تکمیل ہوتی ہے اسلام نے عدل کے بارے میں اجمالی تعلیم پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں عدل و انصاف کا حکم فرمایا۔ یعنی عورتوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے عدل و انصاف کا مطالبہ کیا۔ ناپ تول میں عدل کو ضروری قرار دیا⑤۔ عدالتی کاروبار کے ہر پہلو میں عدل و انصاف سے کام لینے کا حکم دیا، جیسے کتابت معاہدہ، عدل

---

① الغافر: ۲۰
② الاحزاب: ٤
③ الانعام: ۱۱۵
④ النحل: ۹۰
⑤ الانعام: ۱۵۲

Marfat.com

کے ساتھ دستاویز لکھوانا، عدل و انصاف کی گواہی دینا۔ گویا قرآن حکیم نے عدل کے خلاف ایک ایک ریشہ کو جڑ سے نکال کر پھینک دیا۔ اور بتایا ایک مسلمان کے قول وفعل اور معاشرتی اور معاشی زندگی اور سیاسی و عمرانی زندگی میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہونا ضروری ہے، خصوصی طور پر عدالتی زندگی میں تو ظالم و مظلوم کو عدل ملنا ضروری ہے۔ کسی غریب و بے کس پر اس کی غربت اور بے کسی پر ترس کھا کر عدل کے خلاف فیصلہ کرنا بظاہر نیکی کا کام دکھائی دیتا ہے لیکن درحقیقت یہ ایک مقدس فریب ہے جو شیطان انسان کے ذہن میں ڈالتا ہے۔ فیصلہ میں ترس کھا کر بے ایمانی کرنا بھی ویسا ہی ہے جیسا کسی کی خاطر میں رکھ کر یا کسی کی بزرگی کو مان کر یا کسی شخص کی بڑائی سے مرعوب ہو کر بے ایمانی کرنا ہے۔ غرض یہ کہ عدل وانصاف کی راہ میں اچھا یا برا جذبہ حاکم کے لیے ٹھوکر کا پتھر نہ بنے، اسلام اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا بلکہ اس کو عدل و انصاف کے تقاضوں کے خلاف سمجھتا ہے کہ گواہ کسی فریق کو نفع پہنچانے کے لیے طرف دارانہ گواہی دے۔ نہ گواہوں کو مدعی یا مدعیٰ علیہ کی طرف داری کرنی چاہیے اور نہ خود کسی فریق کو گواہ کی طرف داری کے ذریعہ سے اپنی منفعت کا خیال دل میں لانا چاہیے بلکہ دونوں کو اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے۔ وہ انسان نہایت کم حوصلہ ہے جو فیصلہ یا گواہی میں کسی خاص انسان کی بھلائی اور بہتری کے لیے غلط فیصلہ کرتا ہے یا جھوٹی گواہی دیتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ اس سے اُس کو فائدہ پہنچے گا، حالانکہ اللہ عالم الغیب کے سوا یہ کس کو معلوم ہو سکتا ہے کہ آگے چل کر اس کے لیے کیا چیز مفید ثابت ہوگی۔ رشوت دے کر حاکموں کی رائے کو متاثر کرنا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں سخت گناہ ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ ①

دو شخصوں یا دو گروہوں میں مصالحت کرانا بھی ایک عدالتی معاملہ ہے اس لیے اس میں بھی عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ حکم اس حالت میں دیا گیا جب تلواریں نیام سے نکل چکی ہوں اور ایک دوسرے کے سر اور سینہ پر گر رہی ہوں یعنی اس وقت جب عقل کی قوت اور نیکی کی استعداد کا چراغ جذبات کی آندھیوں میں بجھ رہا ہو، اس عالم میں بھی اہل اسلام سے یہ کہا گیا کہ عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

---

① اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حکیم محمود احمد ظفر کی کتاب ''اسلام کا نظامِ عدل''

چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾ ①

”اور اگر (تم) مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں کا ایک (گروہ) دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے اس سے تم (بھی) لڑو یہاں تک کہ وہ حکم خداوندی کی طرف رجوع کرے۔ پھر جب وہ رجوع کرے تو دونوں میں برابری اور عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

عدل و انصاف اسلام میں نہایت ضروری قرار دیا گیا کیونکہ عدل و انصاف حکومت کی عمارت کا وہ ستون ہے جس کے بغیر یہ عمارت کھڑی نہیں رہ سکتی۔ اگر کسی حکومت میں عدل و انصاف نہ ہو تو پھر کسی مظلوم کی دادرسی ہی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ایک حاکم کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ وہ عدل و انصاف کرے۔ ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ ②

”بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہلوں کے سپرد کرو (اور اس بات کا بھی حکم دیتا ہے کہ) جب لوگوں کے درمیان جھگڑے کے فیصلے کرنے لگو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔“

اس آیت میں امانت سے مراد منصفانہ فیصلہ اور وہ منصفانہ حق ہے جو ایک کا دوسرے پر چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسی منصفانہ فیصلہ اور حق کی امانت کو حق

---

① الحجرات: ۹

② النساء: ۵۸

Marfat.com

دار تک پہنچانے کا حکم دیا ہے اور منصفانہ فیصلے کی تاکید کی ہے۔

ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام نے عدل و نصاف کا جو حکم دیا ہے وہ اخلاق، معاشرت اور سیاست وغیرہ کے ہر ایک گوشہ کو محیط ہے۔ اور ان آیات کا تقاضا ہے کہ اگرچہ ہر مسلمان کو عادل ہونا چاہیے تاہم حاکم وقت کے لیے عادل ہونا اور بھی ضروری ہے کیونکہ پوری سلطنت اور حکومت کا دارومدار اسی پر ہے۔ اسی وجہ سے حدیث میں اس کی فضیلت کے بارے میں آیا ہے کہ قیامت کے روز سات شخصوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں رکھے گا جب کہ اللہ کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں سب سے پہلا شخص عدل و انصاف کرنے والا امام اور حاکم ہے۔ ①

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کے چونکہ مظہر اتم تھے، اس وجہ سے آپ نے قرآنی تعلیمات کے مطابق عدل و انصاف کی روشنی نہ صرف جزیرۂ عرب میں پھیلائی بلکہ مستقبل کے لیے عدل و انصاف کے اصول بھی وضع فرما دیئے۔ آپ نے قرآن حکیم کی عملی تفسیر بن کر لوگوں کو عدل و انصاف کی شاہراہ دکھائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ، وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا، اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى، وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ ②

”اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو، اور لوگوں کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم عدل چھوڑ دو۔ عدل کیا کرو کہ یہی تقویٰ کے قریب ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔“

سیرت اور حدیث میں آپ کے عدل و انصاف کے بے شمار واقعات منقول ہیں اور آپ کے فیصلوں اور ان واقعات کی روشنی میں ہر شخص یہ بات کہنے پر مجبور ہے کہ

---

① مسلم کتاب الزکوٰۃ، باب فضل إخفاء الصدقة: ۱/ ۳۳۱

② المائدہ: ۸

Marfat.com

آپ نے کبھی کوئی عدل کے خلاف کام نہیں کیا، نہ کسی سے انتقام لیا، نہ ہی اپنے مخالفین کو حد سے بڑھ کر سزا دی اور نہ ہی دوستوں اور دشمنوں کے درمیان پیدا ہونے والے مسائل میں ہمیشہ دوستوں کا ساتھ دیا بلکہ آپ ﷺ نے عدل و انصاف کی شان دار اور روشن مثالیں قائم کیں۔

قبیلہ مخزوم کے سردار کی بیٹی فاطمہ کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ اس نے چوری کی تو آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کہنے پر سرکار دو عالم ﷺ کے محبوب سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے سفارش کی جس پر آپ کو قدرے غصہ آیا اور فرمایا:

> ''تم سے پہلے لوگ صرف اسی لیے تباہ اور ہلاک ہوئے کہ جب کوئی وضع دار شخص ان میں چوری کرتا تو اس پر قانون لاگو نہ کرتے اور جب کوئی غریب و نادار شخص چوری کرتا تو قانون حرکت میں آتا اور اس پر حد جاری کرتے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد (ﷺ) بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ میں کاٹ دوں۔'' ①

اسی طرح اہل طائف کو مصالحت پر آمادہ کرنے میں عرب کے ایک سردار صخر کا بہت بڑا ہاتھ ہے کہ اس نے محاصرہ کر کے انہیں صلح پر تیار کیا، لیکن اس صخر کے بارے میں آپ کو دو شکایات موصول ہوئیں جن پر آپ ﷺ نے اس کے خلاف فیصلہ دیا۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے شکایت کی کہ اس کی پھوپھی صخر رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں ہے۔ آپ ﷺ نے نہ صرف اس کے چھوڑنے کا حکم دیا بلکہ فرمایا کہ اس کو گھر پہنچا کر آؤ۔ دوسری شکایت بنو سلیم نے کی کہ جس زمانہ میں ہم کافر تھے صخر رضی اللہ عنہ نے ہمارے چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب ہم اسلام لے آئے ہیں ہمارا چشمہ ہمیں واپس دلایا جائے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے صخر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کر لیتی ہے تو وہ اپنے

① ترمذی، کتاب الحدود، باب ماجاء فی کراھیة ان یسفح فی الحدود: ۱/۲٦٤، ابن ماجه، ابواب الحدود، باب الشفاعة فی الحدود: ص ۱۸۳

Marfat.com

جان و مال کی مالک ہو جاتی ہے، اس لیے تم ان کو ان کا چشمہ واپس دے دو۔ صخر رضی اللہ عنہ کو منظور کرنا پڑا اور اس نے ان دونوں شکایات کا ازالہ کر دیا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب صخر رضی اللہ عنہ نے یہ دونوں فیصلے منظور کر لیے میں نے دیکھا کہ

"وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ يَتَغَيَّرُ عِنْدَ ذَالِكَ حُمْرَةُ حياءٍ" ①

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور پر حیاء سے سرخی آ گئی۔"

عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے دشمنوں پر بھی ناجائز سختی نہ کی۔ فتح خیبر کے بعد وہاں کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دی گئیں۔ عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا زاد بھائی محیصہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھجوروں کی بٹائی کے لیے خیبر گئے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ گلی میں جا رہے تھے کہ کسی شخص نے انہیں شہید کر دیا اور لاش گڑھے میں ڈال دی۔ محیصہ نے بارگاہ رسالت میں استغاثہ دائر کیا کہ عبداللہ کو یہودیوں نے قتل کیا ہے۔ آپ نے محیصہ کو اس بارے میں قسم کھانے کو کہا۔ محیصہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے کسی یہودی کو قتل کرتے ہوئے اپنی آنکھ سے تو نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پھر یہودیوں سے حلف لے لیتے ہیں"؟ محیصہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "یا رسول اللہ! یہودیوں کی قسم کا کیا اعتبار، یہ سو دفعہ جھوٹی قسم کھا لیں گے۔ خیبر میں یہودیوں کے سوا اور کون آباد ہے، لہٰذا یقینی بات ہے کہ انہوں نے ہی عبداللہ کو قتل کیا ہوگا۔" لیکن چونکہ کوئی عینی شہادت موجود نہ تھی اس وجہ سے آپ نے یہودیوں کو کوئی سزا نہ دی اور اس کی دیت سو اونٹ بیت المال سے ادا کر دی۔ ②

۔ سیدنا عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہیں ایک شخص نے بتایا کہ غزوہ حنین میں ہجوم کی وجہ سے میں نے اپنے جوتے کے ساتھ جو کہ بڑا سخت تھا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کو لتاڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی، اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کچوکا دیا اور فرمایا کہ تو نے مجھے تکلیف پہنچائی۔

① ابوداؤد، كتاب الخراج: ٣/٤٤٧

② بخاري، كتاب الديات، باب ماجاء في القسامة: ٢/١٠١٨، ترمذي، باب ماجاء في القسامة: ٤/٢٠، سيرت النبي صلی اللہ علیہ وسلم ابن هشام، مقتل ابن سهل ودية رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الى اهليه: ٣/٣٦٩

Marfat.com

آپ کی اس بات کو سن کر میں رات بھر اپنے آپ کو ملامت کرتا رہا کہ تو نے اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچائی ہے۔ جب صبح ہوئی تو ایک شخص میرے بارے میں پوچھ رہا تھا کہ وہ شخص کہاں ہے؟ میں نے کہا میں ہوں۔ اس نے کہا: ''سرور کائنات ﷺ تجھے یاد فرما رہے ہیں۔'' میں ترساں ولرزاں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کل تو نے اپنے بھاری بھرکم جوتے سے میرے پاؤں کو کچلا تھا اور مجھے تکلیف پہنچائی تھی۔ اس کے جواب میں میں نے تمہیں کچوکا دیا تھا، یہ اسی (۸۰) اونٹنیاں اس کچوکے کا بدلہ ہیں جو میں نے تجھے دیا تھا۔

اسی طرح غزوہ بدر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صفیں بنانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم صفیں بنا چکے تو سرورکائنات ﷺ صفوں کے معائنہ کے لیے تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا۔ جب ایک صف کے سامنے سے آپ کا گزر ہوا تو سیدنا سواد بن عزیہ صف سے کچھ آگے نکلے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں جو تیر تھا اس سے ان کے جسم کو ایک کچوکا دیا اور فرمایا: ''استو یا سواد'' اے سواد صف کو برابر کرو یعنی پیچھے ہٹو۔ سواد رضی اللہ عنہ پیچھے تو ہٹ گئے، لیکن ساتھ ہی عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! آپ نے مجھے تیر سے کچوکا دیا۔ مجھے وہاں درد ہو رہا ہے۔ میں قصاص کی التجا کرتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق اور عدل قائم کرنے کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فوراً اپنے شکم مبارک سے کپڑے کو ہٹا دیا اور فرمایا: ''اے سواد! میں حاضر ہوں اپنا قصاص لے لو۔'' سواد جھپٹ کر آئے اور آپ ﷺ کے شکم مبارک کو چوم لیا اور سینے سے لگا لیا۔ آپ نے پوچھا: ''اے سواد! اس حرکت کا باعث کیا ہے؟'' سواد نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! سارے حالات آپ کے سامنے ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ حضور ﷺ کی اس آخری ملاقات میں میری جلد آپ ﷺ کے جسم مبارک سے چھو جائے۔'' آپ ﷺ نے محبت بھرے جواب پر انہیں دعائے خیر سے نوازا۔ ①

یہ آپ ﷺ کی زندگی کے چند واقعات ہیں جن کو یہاں نقل کیا گیا ہے، ان کے علاوہ اور بھی بے شمار مثالیں ہیں جن سے آپ کی صفت عدل کا پتہ چلتا ہے۔

---

① امتاع الاسماع، تقی الدین احمد بن علی المقریزی: ۱ / ۸۵

Marfat.com

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم

کا عفو و درگذر

عفو و درگذر انسانی زندگی کا ایک نہایت اہم عنصر ہے۔ یہ نہ ہو تو یہ دنیا خون خواری اور حیوانیت کا ایک میدان کارزار بن جائے۔ لیکن اسی عفو و درگز سے بقائے حیات ہے۔ اور انسانی شخصیت میں لطافت و رحمت کا پہلو ہے جس نے انسان کی انسانیت کو باقی رکھا ہوا ہے یہ نہ ہو تو ایک درندے اور انسان میں کوئی فرق نہیں رہتا، اور انسان بھی دوسرے انسانوں کو اسی طرح کھاتا پھرے جس طرح ایک شیر دوسرے کمزور جانوروں کو کھاتا پھرتا ہے۔

عفو و درگذر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی صفت ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بھری ہوئی یہ دنیا چند لمحوں میں ایک سونی اور اجڑی ہوئی بستی بن جائے۔ اللہ تعالیٰ کے خاص ناموں میں ایک نام ''عفوٌ'' (درگزر کرنے والا) اور غافر، غفور اور غفار بھی ہیں، اس کی شان تو یہ ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ﴾ ①

''اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور برائیوں کو معاف کرتا ہے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

---

① الشوریٰ: ۲۵

Marfat.com

﴿اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ﴾①

''یا ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو تباہ و برباد کر دے اور بہتوں کو معاف کر دے۔''

اور اس کے جو بندے اپنے گناہوں پر نادم و شرمسار ہوتے ہیں ان کو یوں خوش خبری دیتا ہے:

﴿وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى﴾②

''اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ میں بڑی بخشش کرنے والا ہوں اس کے لیے جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور پھر سیدھے راستے پر چلے۔''

یہی تعلیم اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دی کہ وہ بھی اپنے قصورواروں کو معاف کر دیا کریں۔ اگر تم لوگوں کے قصور معاف کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کر دے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا، اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾③

''اور چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو عفو و درگزر کرنے کی تعلیم اس ترغیب کے ساتھ دی کہ اگر تم دوسروں کے قصوروں سے چشم پوشی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے قصوروں اور گناہوں سے چشم پوشی اور درگزر کرے گا۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی عفو و درگزر کرتے گزری ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، ان

---

① الشوریٰ: ٣٤

② طٰہٰ: ٨٢

③ النور: ٢٢

Marfat.com

دس سالوں میں آپ نے مجھے ایک دفعہ بھی یہ نہیں کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا۔ ①

یہی سیدنا انس رضی اللہ عنہ آپ کے خادم خاص بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کسی کام سے بھیجنا چاہا۔ میں نے کہا: ''میں نہیں جاؤں گا۔'' آپ خاموش رہے۔ میں یہ کہہ کر باہر چلا گیا۔ اچانک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے آکر مجھے گردن سے دبوچ لیا۔ میں نے جو مڑ کر دیکھا تو آپ ہنس رہے تھے، اور پھر پیار سے فرمایا:

((يَا أُنَيْسُ! اِذْهَبْ حَيْثُ أَمَرْتُكَ)) ②

''انیس! جس کام کے لیے تمہیں کہا تھا اس کے لیے ابھی جاؤ۔''

آپ نے اپنے ساتھیوں کی فروگذاشتوں کو ہمیشہ نظر انداز کیا۔ اس کی ایک مثال حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر ان سے ایک ایسی غلطی سرزد ہوگئی جس سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا۔ آپ مکہ پر حملہ کو راز داری میں رکھنا چاہتے تھے۔ یہ ایک جنگی اسٹرٹیجی (Strategy) تھی لیکن سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ جو کہ ایک بدری، صحابی تھے، انہوں نے ایک رقعہ لکھ کر ایک عورت کو دیا اور اسے کچھ معاوضہ دے کر یہ کہا کہ اس رقعہ کو قریش تک پہنچا دو۔ چنانچہ وہ سر کی چوٹی میں اس رقعہ کو چھپا کر مدینہ سے مکہ کے لیے روانہ ہوئی۔

لسان نبوت سے حکم صادر ہوا کہ علی، زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہم فوری طور پر خاخ کے باغ میں پہنچیں۔ وہاں ایک شتر سوار عورت ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہوگا، وہ خط چھین لائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعمیل نہ کریں یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ چنانچہ ارشاد گرامی کی فوری تعمیل ہوئی۔ یہ باغ مدینہ سے قریباً بارہ میل

---

① سبل الهدى والرشاد، الباب فى حسن خلقه: ۷/۷، شمائل ترمذى، باب ماجاء فى خلق رسول صلى الله عليه وسلم: ص ۲۵

② ابوداؤد، كتاب الادب، باب فى الحلم واخلاق النبى صلى الله عليه وسلم: ۵/۱۳۳

Marfat.com

دور تھا۔ یہ تینوں حضرات خدمت گرامی میں پیش ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ملتے ہی تینوں گھوڑے دوڑاتے ہی خاخ کے باغ میں پہنچے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشان دہی کے مطابق وہ عورت ملی۔ اونٹ بٹھلا کر اس کی تلاشی لی گئی لیکن خط نہ ملا۔ یہ تینوں صحابی پریشان ہو گئے، لیکن پھر کہا: ''خدا کی قسم! اللہ کا رسول کبھی غلط نہیں کہہ سکتا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کہا: ''میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جھوٹ بولا اور نہ ہی ہم جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ خط تمہارے پاس موجود ہے۔ یا تو تم خود وہ خط نکال کر ہمیں دے دو ورنہ اگر تمہیں ننگا کر کے بھی تمہاری تلاشی لینی پڑی تو ہم اس سے نہیں چوکیں گے۔ جب اس عورت نے ان کی پختگی دیکھی تو کہا کہ اچھا تم لوگ منہ پھیرو۔ انہوں نے منہ پھیرا تو اس نے اپنی مینڈھیوں میں سے وہ خط نکالا اور ان کے حوالے کر دیا۔

یہ حضرات خط لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ خط پڑھا گیا۔ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ غزوہ بدر میں شرکت کا شرف بھی حاصل کر چکے تھے، اور بھی کئی مہموں میں گئے تھے۔ یہ خط انہی حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مکہ مکرمہ کے چند رؤساء کے نام تھا۔ اس میں یہاں کے حالات کے بارے میں لکھا ہوا تھا کہ ''اے گروہ قریش! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر ایک لشکر لے کر پہنچ رہے ہیں بلکہ یوں سمجھئے کہ پہنچ چکے ہیں۔ لشکر جیسے ہلاکت و بربادی کی شب تاریک، سیلاب کی طرح رواں دواں، خدا کی قسم! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر تنہا ٹوٹ پڑیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے اور فتح و کامرانی کے وعدہ کو پورا کرے۔ اب تم خود اپنا انجام سوچ لو۔ والسلام۔'' ①

واقدی کی ایک روایت میں ہے کہ سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل کو یہ خط لکھا تھا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ کا اعلان کر دیا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ آپ لوگوں کے سوا کسی اور

---

① فتح الباری، کتاب المغازی، باب غزوة الفتح ......الخ: ۷/۵۲۱، بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الفتح: ۲/۶۱۲، سیرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فصل ذکر قصة کتاب حاطب بن ابی بلتعہ ابی قریش: ۲/۲۶۶، سیرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابن هشام: ۴/۴۰

طرف کا ہو، اور میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں پر میرا ایک احسان رہے گا۔''①

خط میں صرف ایک اطلاع تھی کہ اے اہل مکہ تم پر عنقریب حملہ ہونے والا ہے، اور کوئی خاص اطلاع نہ تھی، لیکن جب میر کاروان صلی اللہ علیہ وسلم اس حملہ کو مخفی رکھنا چاہتے تھے تو حاطب رضی اللہ عنہ کا انہیں اطلاع دینا عسکری اصولوں کے بالکل خلاف تھا، حالانکہ اس خط میں انہیں ڈرایا دھمکایا ہی گیا تھا۔ خط سامنے تھا تو سب حضرات کو حیرانی ہوئی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تو بے تاب ہو گئے۔ عرض کیا: ''یا رسول اللہ! اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دوں۔'' یہ سب کچھ تھا لیکن جبین رحمت پر کوئی شکن نہیں تھی۔ نہایت تحمل اور بردباری کے ساتھ ارشاد فرمایا:

حاطب: ماهذا، یہ کیا ہے؟

سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ نے نہایت عاجزانہ طور پر عرض کی: ''یا رسول اللہ! مجھے اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع عطا فرمایئے، خدا کی قسم! اللہ اور اس کے رسول پر میرا ایمان ہے، میں نہ تو مرتد ہوں نہ ہی مجھ میں کوئی تبدیلی آئی ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت سے فرمایا: ''بولو! کیا کہنا چاہتے ہو؟'' عرض کیا:

> ''یہ درست ہے، بہت سے مہاجر بھائیوں کے اعزاء واقربا مکہ میں مقیم ہیں۔ یہ قریشی ہیں، قریش سے ان کی رشتہ داری اور قریبی تعلقات ہیں اور ان کے اعزاء واقارب کی بھی قرابت داری ہے جو مکہ میں مقیم ہیں۔ کوئی نازک وقت ہو تو یہ خطرہ نہیں کہ قریش ان پر ٹوٹ پڑیں گے، لیکن میرا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ میں قریشی نہیں ہوں۔ میں ایک حلیف کی حیثیت سے قریش کے ساتھ رہتا تھا۔ میرے اعزاء واقربا جو مکہ میں مقیم ہیں وہ بے یار و مددگار ہیں۔ ان کا کوئی رشتہ دار مکہ میں نہیں ہے۔ قریش سے ان کی کوئی رشتہ داری نہیں۔ مجھے خیال آیا کہ میں قریش پر کوئی احسان کروں تا کہ

① فتح الباری، کتاب المغازی، باب غزوة الفتح......الخ: ۷/ ۵۲۱، زرقانی مواهب اللدنیه: ۲/ ۲۸۹، البدایه والنهایه: ۲/ ۷۹۲

Marfat.com

مشکل وقت میں وہ میرے رشتہ داروں اور اہل و عیال کو کوئی گزند نہ پہنچائیں۔ خدا جانتا ہے کہ مجھ میں نہ کفر ہے، نہ نفاق اور عظمت اسلام کے اعتراف میں کوئی انحراف ہے۔ صرف اتنی سی بات ہے جس کے لیے یہ حرکت کر بیٹھا ہوں۔''

یہ بات سن کر لسان نبوت سے نکلا ''اِنَّہٗ قَدْ صَدَقَکُمْ'' (بے شک حاطب نے تم لوگوں سے سچی بات کہہ دی۔)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ برہنہ تلوار لیے کھڑے تھے اور حاطب رضی اللہ عنہ کا سر قلم کرنے کی اجازت کے طلبگار تھے۔ آپ نے انہیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ''دیکھو عمر! یہ بدری ہیں، اور عمر، تمہیں کیا معلوم، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو خطاب کر کے فرمایا ہو: ''اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ۔'' (جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا۔) سرور عالم ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سن کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اہل بدر کے مرتبہ کا پتہ چلا تو ان پر رقت طاری ہوگئی۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور زبان سے نکلا: ''اَللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ أَعْلَمُ'' اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں①۔''

حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ایک مسلمان تھے، اور آپ کے بدری صحابی تھے۔ انسان کے عفو و درگزر کا صحیح پتہ اس وقت چلتا ہے جب اسے اپنے دشمنوں پر پوری قدرت ہو اور پھر وہ ان سے اپنا انتقام نہ لے جب کہ اللہ کی طرف سے انتقام لینے کی اجازت بھی ہو۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔②

ایک مرتبہ آپ کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ راستہ میں ایک جگہ آپ نے پڑاؤ کیا اور لوگ درختوں کے نیچے آرام کرنے لگے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے بھی ایک درخت کی شاخ پر تلوار لٹکا کر اس کے نیچے آرام فرمانے لگے۔ ایک بدو آیا

---

① بخاری، کتاب التفسیر، باب لاتتخذوا عدو وعدوکم اولیاء: ۲/۷۲۶، ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب تفسیر سورة الممتحنة، : ۵/۴۱۰۔

① زرقانی مواهب اللدنیه: ۲۹۸۲، البدایه والنهایة، قصة حاطب بن ابی بلتعة: ۴/۲۸۴، فتح الباری، کتاب المغازی، باب غزوة الفتح......الخ: ۵/۵۲۱

Marfat.com

اور اس نے آپ کو غافل پا کر آپ کی تلوار پکڑ کر بولا: ''محمد (ﷺ)! آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟'' آپ نے بغیر کسی خوف و ہراس کے فرمایا: ''اللہ۔'' آپ کی آواز اور لفظ اللہ کی تاثیر تھی کہ اس کے ہاتھ سے تلوار نیچے گر گئی۔ اب آپ نے وہ تلوار پکڑ کر فرمایا: ''تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔'' وہ پریشان ہو کر قدموں میں گر پڑا۔ اتنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آ گئے اور اس کو پکڑ لیا آپ نے اس کو معاف کر دیا۔①

خیبر کی جس یہودی عورت نے آپ کو کھانے میں زہر دیا تھا، اس کے اقرار کے باوجود آپ نے اس سے کوئی تعرض نہ کیا حالانکہ اس زہر کا اثر آپ کے مرض الموت تک رہا۔②

قریش مکہ نے ۱۳ سالہ مکی زندگی میں آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا کون کون سے ظلم تھے جو آپ پر روا نہیں رکھے گئے لیکن جب ہجرت کے آٹھ سال بعد فتح مکہ کے موقع پر انصار کے لشکر کا جھنڈا سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے: ''الیوم یوم الملحمه'' یعنی آج جنگ وقتال کا دن ہے، جو سرکار دو عالم ﷺ کی صفت عفو و درگزر کے خلاف تھا، تو آپ ﷺ جب فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوئے اور وہ سارے لوگ پابجولاں آپ کے سامنے تھے جو آپ پر طرح طرح کے ظلم وستم کرتے رہے تھے۔ آپ کے ایک اشارہ ابرو سے ان کے سر ان کے تنوں سے جدا ہو سکتے تھے، لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے سراپا رحمت وعفو ہونے کی وجہ سے اپنے ایک جملہ سے ان کے تمام قصوروں کو معاف کر دیا۔

((لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوا أَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ))③

''تم پر کوئی دوش نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

---

① بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب من علق سیفه بالشجر فی السفر: ۵/ ۵۳

② الشفاء، الفصل فی الحلم والاختمال والعفو: ۱/ ۲۲۴، سیرت النبی ﷺ ابن هشام: ۳/ ۳۵۲،

③ الشفاء، الفصل فی الحلم ولاحتمال والعفو: ۱/ ۲۲۸، سیرت النبی ﷺ ابن هشام: ٤/ ۵۵

Marfat.com

ابو جہل جس نے مرتے دم تک سرکار دو عالم ﷺ کی مخالفت کی تھی، اس کا بیٹا عکرمہ جس نے جنگ احد میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے مل کر مسلمانوں کی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا تھا اور اس کے علاوہ اور بھی کئی جنگوں میں مسلمانوں کے خلاف حصہ لے چکا تھا، فتح مکہ کے موقع پر مسلمانوں کے خوف سے مکہ سے بھاگ گیا تھا۔ اس کی بیوی ام حکیم دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی تھی، وہ اپنے خاوند کے پیچھے گئی۔ اپنے خاوند عکرمہ کو حضور ﷺ اور اسلام کی عظمت کا احساس دلایا اور اس کو مسلمان کر کے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں لائیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے جب انہیں آتے دیکھا تو خوشی سے اٹھے اور اتنی تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسد اطہر سے چادر مبارک نیچے گر گئی اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:

((مَرْحَباً بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ)) ①

''اے ہجرت کرنے والے سوار تیرا آنا مبارک ہو۔''

ابو سفیان جس نے سوائے بدر کے باقی تمام جنگوں میں قریش کے لشکر کی مسلمانوں کے خلاف قیادت کی تھی، آپ نے اس کو اور اس کی بیوی ہند کو نہ صرف معاف کیا بلکہ فرمایا کہ جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اس کو بھی امان ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کے اس جاہ و جلال کو دیکھ کر ابو سفیان نے قریش سے کہا: ''قریش کے لوگو! محمد ﷺ تمہارے پاس اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں کہ کسی کی طاقت نہیں کہ اس کا مقابلہ کر سکے۔ اسلام لے آؤ، سلامت رہو گے۔'' ابو سفیان کی بیوی ہند جو ابھی تک اسی ترنگ میں تھی، یہ سن کر بھڑک اٹھی اور ابو سفیان کی مونچھیں نوچ لیں اور چلا کر بولی: ''اے بنی کنانہ! یہ پیر فرتوت پاگل ہو گیا ہے، کوئی اس کی بات نہ مانے، معلوم نہیں یہ کیا کیا بک رہا ہے اور بہت برا بھلا کہا۔'' لوگ جمع ہو گئے کہ ان دونوں کو کیا ہو گیا۔ ابو سفیان نے کہا: ''بی بی! خیریت اسی میں ہے جو میں کہہ رہا ہوں ورنہ تباہ ہو جائے گی۔ گھر میں جا کر دروازہ بند کر کے بیٹھ جا۔ پھر لوگوں سے کہا: ''تمہاری بربادی ہو، دیکھو، تمہاری جانوں کے بارے میں یہ عورت تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے کیونکہ

---

① ترمذی، کتاب الاستیذان والآداب، باب ماجاء فی مرحبا: ۵/۷۸

Marfat.com

محمد (ﷺ) اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں جس سے مقابلہ کی کسی میں ہمت و طاقت نہیں۔ اس لیے جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔'' لوگوں نے کہا: اللہ تجھے غارت کرے تمہارا گھر ہمارے کتنے آدمیوں کے کام آ سکتا ہے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا'' محمد (ﷺ) تو عفو و درگذر کا مجسمہ ہیں۔ جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے اسے بھی امان ہے۔ میں تم سے سچی بات کہہ رہا ہوں۔ یہ سن کر لوگ اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام کی طرف بھاگے۔''①

پھر کچھ لوگ وہ تھے جن کو آپ نے اشتہاری مجرم قرار دیا اور اعلان فرمایا کہ وہ جہاں بھی ملیں انہیں قتل کر دیا جائے۔ جن لوگوں کے بارے میں یہ اعلان ہوا تھا ان میں سے بعض لوگ ادھر ادھر روپوش ہو گئے، بعض بھاگ کر مکہ سے دور چلے گئے لیکن ان اشتہاری مجرموں کے بارے میں یہ سختی کسی کینہ یا برہمی کی وجہ سے نہیں تھی، کیونکہ آپ ان باتوں سے یک قلم مبرا تھے، بلکہ ان لوگوں نے خود ہی اپنے اعمال شنیعہ کی وجہ سے یہ روز بد دیکھا۔ پھر ان میں سے بھی کئی لوگوں کو آپ نے اپنے دامن عفو و درگزر میں پناہ دے دی۔

ان لوگوں میں ایک عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تھے یہ مرتد ہو کر کفار سے جا ملے تھے۔ یہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی درخواست پر آپ نے اس سے بیعت لے لی اور وہ مسلمان ہو گئے، اور پھر ایسے مسلمان ہوئے کہ اسلام رگ و پے میں بس گیا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ کی خلافتوں میں مصر وغیرہ کے گورنر رہے اور اسلام کی نمایاں خدمات انجام دیں۔ صبح کی نماز میں انتقال فرمایا: رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَأَرْضَاہُ۔

ان اشتہاری مجرموں میں سے ایک شخص عکرمہ بن ابی جہل بھی تھے ان کو بھی معاف کر دیا گیا اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جنگ جنادین میں جام شہادت نوش فرمایا۔ شہادت کے وقت آپ کے جسم پر تیر اور تلواروں کے ستر سے زیادہ زخم تھے۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَأَرْضَا۔

---

① فتح الباری: کتاب المغازی، باب این رکز النبی ﷺ الرایة یوم الفتح: ۸/ ۱۰، البدایة والنھایة، حدیث عبداللہ ابن عباس: ۴/ ۲۹۲، زرقانی: ۲/ ۳۳۰

ہبار بن الاسود یہ وہ شخص ہے جس نے آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرتے ہوئے راستہ میں نیزہ مارا تھا جس سے وہ ایک پتھر پر گر پڑیں اور اسی زخم سے انتقال فرما گئیں۔ یہ ہبار بھی مسلمان ہو گئے اور آپ نے انہیں معاف کر دیا۔ کوئی دنیادار بادشاہ ہوتا تو ایسے شخص کو کبھی معاف نہ کرتا جو ان کی بیٹی کا قاتل ہو لیکن آپ تو رحمۃ للعالمین تھے۔ اس گناہ گار کو بھی آپ نے اپنے دامن عفو ودرگزر میں ڈھانپ لیا۔

کعب بن زہیر بھی ان لوگوں میں سے تھے جن کو آپ نے اشتہاری مجرم قرار دیا تھا۔ یہ بھی فتح مکہ کے روز بھاگ گئے۔ بعد میں مدینہ طیبہ حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور آپ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہا جو "بانت سعاد" کے نام سے مشہور ہے۔ آپ اس قصیدہ کو سن کر بہت خوش ہوئے اور انہیں اپنی چادر مرحمت فرمائی۔

وحشی بن حرب سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سید الشہداء کے قاتلوں میں سے تھے۔ یہ بھاگ کر طائف چلے گئے۔ پھر وہاں سے مدینہ طیبہ حاضر خدمت ہو کر مسلمان ہو گئے۔ آپ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا:

((هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَغِيبَ وَجْهَكَ عَنِّي))

"ہو سکے تو میرے سامنے نہ آیا کرو۔"

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مشہور روایت کے مطابق جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کو انہوں نے قتل کیا تھا اور اسی حربہ سے قتل کیا تھا جس سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔

ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ قریش کی سردار عورتوں میں سے تھی۔ نہایت زیرک، ہوش مند، خوددار اور بڑی عقل مند تھیں اور اپنی قوم میں اپنی صنف کے لیے رئیس سمجھی جاتی تھیں ①۔ چنانچہ یہ نقاب پہن کر حاضر خدمت ہوئیں۔ وہ اپنی جگہ پر نہایت خائف تھیں کیونکہ سابقہ احوال ان کی نظر کے سامنے تھے، لیکن طبقات ابن سعد کی روایت میں ہے کہ جب وہ بیعت کے لیے حاضر ہوئیں تو پہلے کچھ گفتگو کی اور اپنا نام لے کر عرض

① البدایہ والنہایہ: ۵/ ۵۱، اسد الغابہ، ذکر ہند بنت عتبہ: ۵/ ۵۶۲،

Marfat.com

کیا کہ میں ہند بنت عتبہ ہوں۔ سرکارِ مدینہ ﷺ نے پہچان لیا اور فرمایا: ''مرحبالك'' خوش آمدید۔ بارگاہِ رسالت سے یہ الفاظ ہند کی کتابِ زندگی کا ایک اہم باب ہے۔①

علامہ ابن حیان نے اپنی تفسیر بحر محیط میں لکھا ہے کہ ہند نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ ہمیں گذشتہ واقعات کی معافی فرمائی جائے۔

ہند زوجہ ابوسفیان نے دورانِ بیعت سرکارِ دوعالم ﷺ سے کئی سوالات بھی کیے۔ اسلام لانے کے بعد ہند نے کہا:

''یارسول اللہ! اسلام لانے سے قبل آپ کے چہرہ سے زیادہ اور کوئی چہرہ مجھے مبغوض نہ تھا اور آپ سے زیادہ میں کسی اور کو اپنا دشمن نہ سمجھتی تھی، اور اب اسلام لانے کے بعد آپ کے چہرہ انور سے زیادہ محبوب اور کوئی چہرہ نہیں۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا: ''ابھی میری محبت میں اور زیادتی ہوگی۔''

اس کے بعد وہ گھر گئیں اور اپنے ہاتھوں سے اپنے بتوں کو توڑتی جا رہی تھیں اور یہ کہتی جا رہی تھیں کہ تمہی نے ہمیں اب تک دھوکے میں ڈالے رکھا۔

اس قسم کے بے شمار واقعات سیرت اور حدیث کی کتابوں میں مرقوم ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا دامن عفوودرگذر کس قدر وسیع تھا۔ اس قسم کے عفوودرگزر کی مثال پوری انسانیت میں نہیں مل سکتی اس پر متنبّی کا شعر یاد آتا ہے۔

مَضَتِ الدُّهُوْرُ وَمَا أَتَيْنَ بِمِثْلِهٖ
وَلَقَدْ اَتٰى فَعَجَزْنَ عَنْ نُّظَرَائِهٖ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى لَهٗ

① طبقات ابن سعد: ۸/۱۸۱، زرقانی: ۲/۳۱۶، الکامل لابن اثیر: ۲/۹۶، البدایہ والنہایۃ: ۲/۸۳۵

Marfat.com

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجہک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ
"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" ۱۳۶۹

Marfat.com

فهرس المراجع

Marfat.com

Marfat.com

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱-	قرآنِ حکیم،	تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ
۲-	فوائد عثمانی،	شیخ الاسلام علامہ شبیر أحمد عثمانیؒ (م: ۱۹۴۹ء)
۳-	تفسیر القرآن العظیم،	الحافظ عمادالدین ابن کثیر الدمشقی (م: ۷۷۴)
۴-	معارف القرآن،	مفتی محمد شفیعؒ (م: ۱۳۹۶ھ)
۵-	التفسیر المظهری	قاضی ثناء الله پانی پتی
۶-	تفسیر عزیزی،	شاہ عبدالعزیز محدث الدهلوی
۷-	صحیح البخاری،	الإمام ابو محمد بن اسماعیل بن بردزبہؒ (م: ۲۵۶ھ)
۸-	صحیح المسلم،	الإمام ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیریؒ (م: ۲۶۱ھ)
۹-	جامع الترمذی،	الإمام أبوعیسی محمد بن عیسیٰ بن سورة الترمذی (م: ۲۷۹ھ)
۱۰-	سنن أبی داؤد،	الإمام أبوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی (م: ۲۷۵ھ)
۱۱-	سنن النسائی،	الإمام أبوعبدالرحمن احمد بن شعیب النسائیؒ (م: ۳۰۳ھ)
۱۲-	سنن ابن ماجه،	الإمام أبوعبدالله محمد بن یزید القزوینی (م: ۲۷۵ھ)
۱۳-	مؤطا إمام مالک،	الإمام مالک بن أنس أبوعبدالله الاصبحي (م: ۱۷۹ھ)
۱۴-	مشکوٰة المصابیح،	الإمام ولی الدین محمد بن عبدالله الخطیب التبریزیؒ (م: ۷۴۳ھ)
۱۵-	المسند،	الإمام احمد بن حنبلؒ (م: ۲۴۱ھ)
۱۶-	شمائل الترمذی،	الإمام أبوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورة الترمذیؒ (م: ۲۷۹ھ)

Marfat.com

۱۷- شمائل الرسول ﷺ، الحافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقیؒ (م: ۷۷۴ھ)
۱۸- المنهاج شرح المسلم، العلامہ محی الدین بن یحییٰ النوویؒ (م: ۶۷۶ھ)
۱۹- صحیح ابن حبان، الحافظ محمد بن حبان أبو حاتم التمیمیؒ (م: ۳۵۴ھ)
۲۰- المعجم الأوسط، العلامہ أبو القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانیؒ (م: ۳۶۰ھ)
۲۱- مجمع الزوائد، الحافظ نور الدین علی بن أبی بکر الهیثمی (م: ۸۰۷ھ)
۲۲- کنز العمال، العلامہ علاؤ الدین علی المتقی بن حسام الدین الهندی (م: ۹۷۵ھ)
۲۳- فتح الباری، الإمام الحافظ أحمد بن حجر العسقلانیؒ (م: ۸۵۲ھ)
۲۴- کتاب الاسماء والصفات، الإمام ابوبکر أحمد بن حسین البیهقی (م: ۴۵۸ھ)
۲۵- الترغیب و الترهیب، محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانیؒ (م:)
۲۶- الترغیب و الترهیب، الإمام عبدالله بن أسعد الیافعیؒ (م: ۷۶۸ھ)
۲۷- سبل الهدیٰ و الرشاد، فی سیرة خیر العباد للشامی الصالحی
۲۸- مفردات القرآن، الإمام راغب الأصفهانی (م: ۵۰۲ھ)
۲۹- النهایه فی غریب الحدیث و الأثر، المبارک بن محمد بن محمد بن کنیة ابو سعادات عبدالکریم بن عبدالواحد الشیبانی الجزری لقبه مجد الدین (م: ۶۰۶ھ)
۳۰- الشفاء، قاضی عیاض بن موسی (م: ۵۴۴ھ)
۳۱- مسند أبی داؤد الطیالسی، سلیمان بن داؤد ابوداؤد الفارسی البصری الطیالسی (م: ۲۰۴ھ)
۳۲- امتاع الاسماع، تقی الدین احمد بن علی المقریزیؒ (م: ۸۴۵ھ)

Marfat.com

۳۳- دلائل ابی نعیم ،	حافظ أبو نعیم أحمد بن عبدالله الأصبهانی (م: ۴۳۰ھ)
۳۴- الأدب المفرد،	محمد بن اسماعیل البخاری (م: ۲۵۶ھ)
۳۵- مسند دارمی،	عبدالله بن عبدالرحمان أبو محمد الدارمی (م: ۲۵۵ھ)
۳۶- عمدة القاری شرح صحیح البخاری،	علامه عینی بدر الدین محمود (م: ۸۵۵ھ)
۳۷- البدایه و النهایه،	الحافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقی (م: ۷۷۴ھ)
۳۸- سیرة النبیؐ،	ابو محمد عبدالملك بن هشام المعافری (م:۲۱۸ھ)
۳۹- الإصابه،	الإمام الحافظ أحمد بن حجر العسقلانیؒ (م:۸۵۲ھ)
۴۰- مدارج النبوة،	شیخ عبدالحق بن سیف الدین (م: ۱۰۵۲ھ)
۴۱- السیرت الحلبیه،	علامه علی بن برهان الدین الحلبی (م: ۱۰۴۴ھ)
۴۲- السیر والمغازی،	لابن اسحاق (م: ۱۵۲ھ)
۴۳- الطبقات لابن سعد،	محمد بن سعد بن منیع ابو عبدالله البصری ۴۶ الزهری (م: ۲۳۰ھ)
۴۴- عیون الأثر،	ابن سید الناس (م: ۷۲۴ھ/۱۳۳۴م)
۴۵- السیرة النبویه،	ابن کثیر عماد الدین أبو الفداء بن عمرو (م:۷۷۴ھ)
۴۶- الرسول ،	سعید حوی
۴۷- الروض الأنف ،	العلامه أبو القاسم عبدالرحمن بن عبدالله السهیلی (م: ۵۸۱ھ)
۴۸- کتاب الخراج،	إمام أبو یوسف یعقوب بن إبراهیم بن حبیب (م: ۱۸۲ھ)
۴۹- تاریخ الاسلام،	حماد بن احمد ابو عبدالله الذهبی الدمشقی (م: ۷۴۸ھ)
۵۰- تاریخ مکه،	محمد بن عبدالله بن أحمد أزرقی

Marfat.com

٥١- أحياء العلوم، حجة الاسلام إمام غزالی محمد بن محمد أبو حامد (م: ٥٠٥ھ)
٥٢- لسان العرب، محمد بن مکرم بن منظور الإفریقی (م: ٧١١ھ)
٥٣- تاج العروس محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن عبدالرزاق مرتضیٰ الحسینی الزبیدی۔
٥٤- المعجم الوسیط، مجمع اللغة العربیة، الإدارة العامه المعجمات واحیاء التراث، بمصر
٥٥- الکوکب الدری، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م:١٣٢٣ھ/١٩٠٥م)
٥٦- دار قطنی، علی بن عمر أبوالحسن الدارقطنی البغدادی (م: ٣٨٥ھ)
٥٧- خطبات مدراس، علامہ سید سلیمان ندویؒ (م: ١٣٧٣ھ)
٥٨- رحمت للعالمینؐ، قاضی سلیمان منصور پوری (م:)
٥٩- اسلام کا نظام زکوٰۃ، حکیم محمود احمد ظفر
٦٠- سیرة النبیؐ، علامہ شبلی نعمانی (م: ١٣٣٢ھ)
٦١- تذکرہ، مولانا ابوالکلام آزادؒ (م:١٩٥٨م)
٦٢- انسان کامل، ڈاکٹر خالد علوی (م: ٢٠٠٩ء)
٦٣- سیرت مصطفیؐ، شیخ الحدیث مولانا محمد إدریس کاندھلوی (م:١٩٧٤ء)
٦٤- ضرب کلیم علامہ محمد اقبال (م:١٩٣٨م)
٦٥- کلیات اکبر لسان العصر اکبر الہ آبادی (م:١٩٢١م)

Marfat.com

Distinctive Characteristics of The Holy Prophet ﷺ

خصائص النبی ﷺ

پیغمبر اسلام ﷺ کی خصوصیات پر
اُردو زبان میں پہلی جامع، مدلل اور مفصل کتاب

سیرت نبوی ﷺ پر اوّل انعام یافتہ کتاب

حافظ زاہد علی

راحت پبلشرز

ورفعنا لک ذکرک
اور بلند کیا ہم نے مذکور تیرا

Marfat.com

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ [حم السجدہ]

عنقریب دکھائیں گے ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں بھی اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ ان کے سامنے کھل کر آ جائے گی یہ بات کہ یہ کتاب حق ہے۔

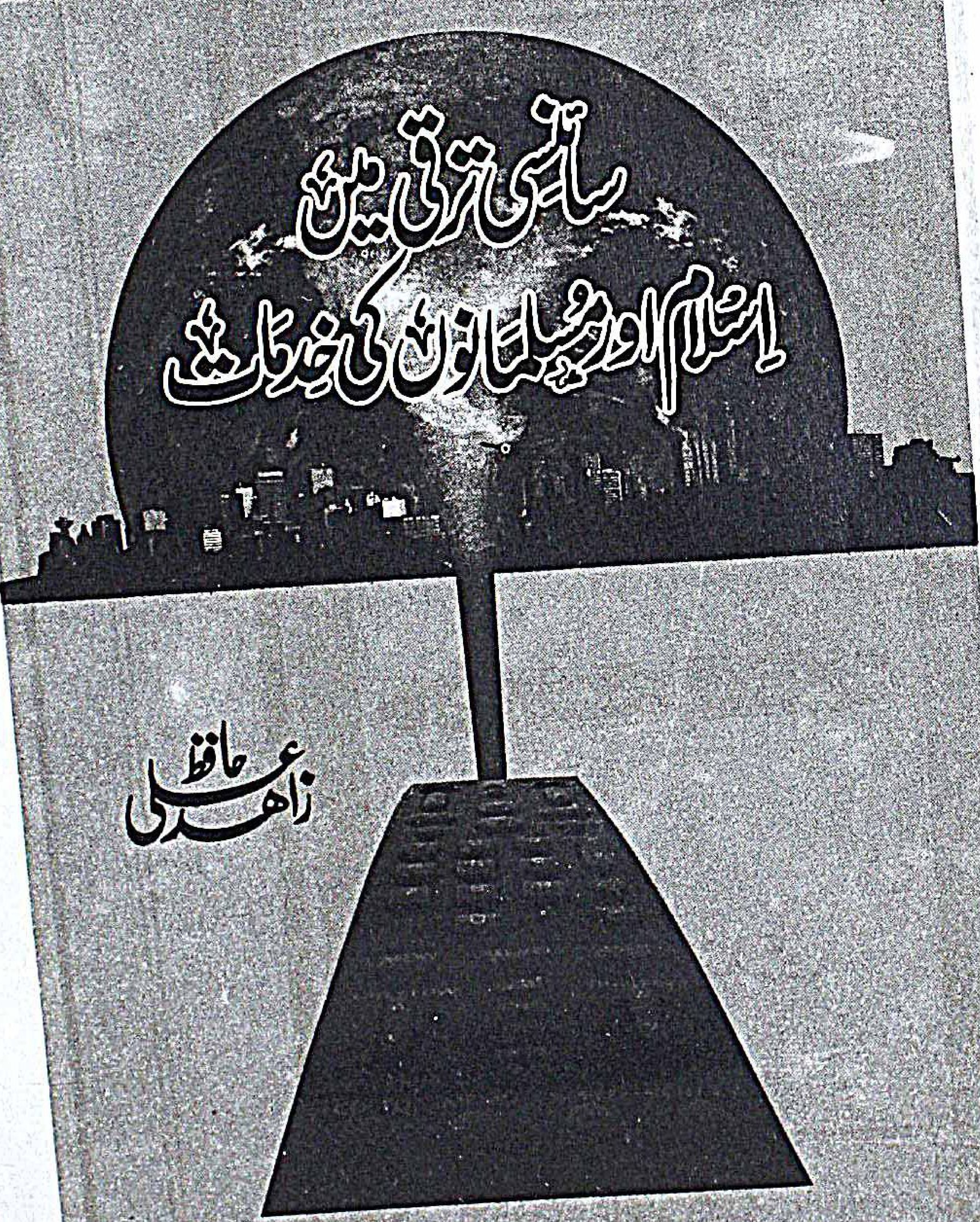

وانک لعلیٰ خلق عظیم

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اخلاق حسنہ

قومی وصوبائی سیرت ایوارڈ یافتہ کتاب

حافظ زاہد علی

راحت پبلشرز

Marfat.com